نگارشات آزاد

ابوالکلام آزاد

نگارشاتِ آزاد

جملہ حقوق محفوظ

A
297
AZA
L846

طبع اوّل — ستمبر ۱۹۶۰ء

مطبوعہ — محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۶

قیمت — چھ روپے

تعداد — پانچسو

ناشر

نیو تاج آفس اُردو بازار دہلی

فہرست

القسطاس المستقیم

مسلمانوں کی آئندہ شاہراہِ مقصود

(۱)

هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا؟؟ الذين ضل سعيهم في الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

تم کو بتاؤں کہ سب سے زیادہ گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے اعمال کن لوگوں کے ہیں ان کے جن کی تمام کوششیں صرف دنیوی زندگی کے پیچھے بھٹک گئیں اور اس پر طرہ یہ سمجھے کہ ہم کوئی عمدہ کام کر رہے ہیں۔

مراد خضر عنان گیر باید از چپ و راست
کہ کج روی نہ کنم ورنہ عزم راہ خطاست

جمود اور حرکت

حقیقت یہ ہے کہ خیالات کی جنبش اور حرکت فی نفسہ کوئی مفید شئے نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی آئندہ صحیح اتحادِ افکار سے متصل نہ ہو جائے اگر ایسا نہ ہوا تو حرکت محض بعض حالتوں میں بیکار لاحاصل اور اکثر حالتوں میں جمود سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہے۔

بالفاظِ سادہ تر:۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص مدتوں سے ایک جگہ بیٹھا ہے بالکل بیٹھا رہنا زندگی کے لئے نہایت مضر اور اعضاء و جوارح کو معطل کر دینے والا ہے اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ وہ حرکت کرے، یہ نہایت عمدہ خیال ہے، لیکن یہ حرکت اسی وقت مفید ہوگی جب آپ

بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم

کہ مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو رہنما ہو سکتا ہے، اور ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے جو کبھی (کوہ سینا) پر تجلی بن کر چمکی، کبھی (فاران) پر ابرِ رحمت بن کر نمودار ہوئی، کبھی (غار ثور) میں لاتحزن ان اللہ معنا کی صدا میں تھی، کبھی (بدر) کے کنارے ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم کے پیغام میں تھی، کبھی (احد) کے دامن میں وکان حقاً علینا نصر المؤمنین کی بشارت تھی۔ اور آج بھی ایک لٹے ہوئے کارواں، ایک برباد شدہ قافلے، اور ایک برہم شدہ انجمن کے لئے امید کا آخری سہارا اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ء الٰہ مع اللہ قلیلاً ما تذکرون امن یھدیکم فی ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ ء الٰہ مع اللہ تعالی اللہ عما یشرکون۔

کون ہے کہ جب ایک مضطر اور بے قرار روح اس کو پکارتی ہے تو اس کی فریادوں کو سنتا اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟ اور کون ہے کہ اس نے تم کو زمین پر اپنا نائب بنایا اور اس کی وراثت بخشی کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے؟ پھر بتلاؤ کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ہدایت کرتا ہے۔ اور باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بشارت کیلئے بھیج دیتا ہے کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے۔

دنیا میں جب کبھی کسی بنی آدم نے اصلاحِ حیات کی کوئی منزل طے کی ہے تو صرف اسی ہاتھ کی رہنمائی اور جو اس کی رہنمائی میں آگیا، پھر اس کے لئے گمراہی نہیں۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

خدا جب کسی کو راہ راست پر چلانا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ

اور جس کا دل کھول دیا گیا، تو پھر وہ اپنے پروردگار کی روشن کی ہوئی مشعل اپنے سامنے پاتا ہے۔

فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ۔

مگر افسوس ان لوگوں پر جن کے دل ذکر الٰہی سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں۔

اسے جلا کر کسی عمدہ باغ کی روش پر لاکھڑا کر دیں گے لیکن اگر آپ نے اس میں حرکت پیدا کر کے
سامنے کے گڑھوں سے اسے نہ بچایا، اور وہ غریب اس میں گر گیا، تو اس حرکت سے تو اس کا
بیٹھا رہنا ہی بہتر تھا۔

مسلمانوں کیلئے خطرات اب شروع ہونگے

لیڈروں کا طبقہ اپنے گزشتہ عہد کو خواہ جدوجہد
کی ایک شاندار تاریخ سمجھے، مگر ہمارے نزدیک مسلمانوں کی حرکت کی تاریخ اگر شروع ہوگی تو اب سے
شروع ہوگی۔ وہ فی الحقیقت اب تک سو رہے تھے، زندگی کی ان میں کوئی حرکت نہ تھی اور نیند
نے ان پر موت کا جمود طاری کر دیا تھا۔ (ھو الذی یتوفاکم باللیل) ایک سوئے ہوئے
انسان کے لئے اس کی کوئی بحث نہیں ہوتی کہ دوڑنا بہتر ہے یا آہستہ چلنا؟ تکیہ لگا کر بیٹھنا بہتر
ہے یا دوزانو ہو کر بیٹھنا؟ کیونکہ یہ حالتیں اسے پیش ہی نہیں آتیں لیکن اب وہ جاگے ہیں ان
کو بیٹھنا بھی پڑے گا، اٹھنا بھی پڑے گا، اور کبھی آہستہ خرامی اور کبھی تیز قدمی سے چلنا بھی پڑیگا
پس اب انکی حالت پیشتر کی سی بے خطر نہ ہوگی، کیونکہ امن موت میں ہے، مگر خطرہ صرف زندگی
ہی میں ہوتا ہے جب تک غافل پڑے ہوئے اینٹھ رہے تھے تو نہ ان کو فرش گل پر چلنا تھا، اور
نہ جنگل کے خارزار پر، لیکن اب دونوں طرح کی زمینوں پر ان کے قدم پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے
فی الحقیقت سوچنے، غور کرنے، اور حزم و احتیاط کا وقت اب آیا ہے بہت ممکن ہے کہ بیٹھنے
کی جگہ اٹھ کھڑے ہوں، کچھ بعید نہیں کہ آہستہ چلنے کی جگہ بے اختیار دوڑنے لگیں ٹھوکریں
بھی کھا سکتے ہیں، اور در و دیوار سے ٹکرا بھی سکتے ہیں، کیونکہ اب وہ سوئے ہوئے نہیں
ہیں بلکہ زندہ اور متحرک ہیں، خطرات سے مقابلہ زندگی اور حرکت میں ہوتا ہے جمود
اور سکون میں نہیں ہوتا۔

پس پہلے نہیں تو اب ضرورت ہے کہ ایک ایسی حقیقی رہنمائی کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہو
جو انہیں معطل بیٹھنے نہ دے، چلاتا رہے، لیکن ساتھ ہی نگران بھی رہے کہ کہیں راہ کے ادھر
ادھر گڑھوں اور غاروں میں نہ پھسل پڑیں۔

مرا دو خضر عناں گیر باید از چپ و راست — کہ کج روی نہ کنم ور نہ عزم راہ خطاست

تعیرا! کی صدا بلند کی جائے گی؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا کوئی عقیدہ کوئی خیال، کوئی مقصود کوئی نصب العین، اور کوئی پالیسی نہیں، آپ صرف گورنمنٹ کے چشم و ابرو کی حرکت کا نام ہیں اور صرف اس کو تکتے رہتے ہیں۔ اگر مصلحتاً لطف و مہر کی علامتیں نمایاں ہوئیں تو "سمعنا و اطعنا" کہہ کر سربسجود ہو گئے اور اگر مصلحت نے گوشۂ چشم رقیبوں کی طرف پھیر دیا تو لگے منہ بسورنے اور آنسو بہانے۔ سوال یہ ہے کہ خود آپ کے پاس بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟

ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں بلکہ پیشتر سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انہیں الاولس دینا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے سامنے بھی ہندوؤں کی پولٹیکل جد و جہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بہ قدم چلنا سیکھ جائیں۔ بیشک ہمارے عقیدے میں بھی آج کل مسلمانوں کے لئے عبرت اور تنبیہہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس عبرت سے حاصل نہیں کی گئی۔ لیکن پیروانِ "اسلامِ مبین" کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا ہو، اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انھیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی بچی کچی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دنیا کو ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے، یا بستر نزاع پر سورۂ یٰسین کو دہرا دینے ہی کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ہمارے نزدیک اسلام کے دامن تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ

اولین اور بنیادی مسئلہ

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس تغیر خیالات کا منشا کیا ہے، اور رُخ کس طرف ہونا چاہیئے؟ ہم کو نہایت رنج اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس لحاظ سے موجودہ تغیرات خیال کا منظر زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے ہم صاف صاف اور بآواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی قدیمی پالیسی کو صرف اس لئے چھوڑتے ہیں کہ تنسیخ بنگال، اور مسئلہ یونیورسٹی کی وجہ سے وہ گورنمنٹ سے روٹھ گئے ہیں یا یہ تغیر صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آزاد خیال ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اب مسلمان بھی پالٹیکس! پالٹیکس!! پکارنے کے لئے مضطرب ہیں۔ تو وہ یاد رکھیں کہ اس نئے تغیر اور انقلاب میں ان کے لئے کوئی برکت نہیں ہے بہتر ہے کہ اب تک جہاں پڑے سسک رہے تھے وہیں بقیہ ایام ذلت و خواری اور کاہلی تاریکی ہی میں رہنا ہے تو پھر اس سے کیا کہ بشکہ وہ کوئی گڑھا ہے یا عمدہ بنایا ہوا تہہ خانہ؟ آج تک ان کی تمام ناکامیوں کی علت حقیقی یہی رہی ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال زندگی کی کسی شاخ کو "سلطان قرآن" کے ماتحت نہیں رکھا، اور جب کبھی کوئی تحریک شروع کی یا اپنے لئے کسی پالیسی کا پروگرام مرتب کیا تو قرآن کریم کو اس طرح بھولے رہے، گویا اس کا نزول تاریخ عالم کا کوئی واقعہ ہے ہی نہیں، اور یہ بھی سچ نہیں کہ وہ اس نام کی کسی کتاب کے پیرو ہیں اگر مسلمان اس تغیر کے بعد پھر اس گمراہی میں پڑنا چاہتے ہیں تو یہ ایک دلدل سے نکل کر دوسری دلدل میں پھنسنا اور ایک دام سے نجات پاکر دوسرے میں گرفتار ہونا ہوگا۔ پھر اگر گمراہیوں کے قفس ہی میں ہمیشہ گرفتار رہنا ہے تو موجودہ قفس میں کیا برائی ہے کہ نئے پنجرے کی جستجو کی جائے۔

بیشک تقسیم بنگال کی تنسیخ اور یونیورسٹی کا مسئلہ ہمارے لئے ایک تازیانہ تنبہ ضرور ہے اور یقیناً شاء اللہ واب عند اللہ ہونگے، اگر اس سے عبرت نہ پکڑیں، لیکن ہماری آئندہ پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ وہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہیئے جو اپنے قیام کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو۔ فرض کیجئے کہ کل گورنمنٹ نے بنگال کے دو نہیں بلکہ دس ٹکڑے کر دیئے اور وزیر ہند نے اعلان کر دیا کہ یونیورسٹی کا نام علی گڑھ نہیں بلکہ مسلم ہوگا، کیونکہ جو گورنمنٹ ایک دفعہ تقسیم کر کے اسے منسوخ کر سکتی ہے، پھر کیا اس حالت میں مسلمانوں کی پالیسی پر ایک تیسرا انقلاب طاری ہو جائیگا؟ اور پھر تغیر!

کی جگہ، خود دوسروں کو اپنا کعبۂ مقصود اور قبلۂ اعمال بنا رہی ہے؟ سیاسی بحث توضمنی ہے ہمارا اصلی ماتم اتنے ہی پر موقوف نہیں، ہم کو تو یہ نظر آرہا ہے کہ آج مسلمانوں کے لئے تعلیم، اخلاق، معاشرت، سیاست، بلکہ مدنی زندگی کی ہر شاخ میں ان کے لیڈر صرف اسی کو فرضِ رہنمائی سمجھتے ہیں کہ ان کے آگے دوسری قوموں کے اعمال پیش کردیں۔ تہذیب وانسانیت کی ضرورت ہے، تو مسلمان یورپ کی شاگردی کریں پولٹیکل آزادی کی ضرورت ہے تو اپنی ہمسایہ قوموں سے بھیک مانگیں پھر ہمیں بتلایا جائے کہ خود بد بخت مسلمانوں کے پاس بھی کچھ ہے یا نہیں؟ جو مسلمانوں کے رہنما قوم کے جلبِ قلوب کے لئے مذہب کے ذکر کو ناگزیر دیکھ کر، اپنے شاندار اسپیچوں پر مذہب! مذہب! اور اسلام! اسلام! پکارتے ہیں، قطعِ نظر اس کے کہ خود ان کی زندگی میں اس اسلام کا اثر کہاں تک موجود ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی قوم کو یہ بھی بتلایا ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں خود اسلام کا نمونہ کیا کیا ہے، اور اگر نہیں بتلایا ہے تو قوم کے لئے ایک مسیحی راہنما اور ایک مسلمان لیڈر میں کیا فرق ہے؟ سچ یہ ہے کہ وہ غریب خود جس متاع سے تہی دست ہیں۔ دوسروں کے آگے کیا پیش کریں گے؟

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار؟

یہی بنیادی گمراہی ہے، جس نے جسم ملت کی ریڑھ کی ہڈی تک کو گھلا دیا ہے۔ مسلمان اگر مسلمان ہوتے تو سمجھتے کہ ان کے لئے خود ان کے سوا دنیا میں اور کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا۔ اگر فی الحقیقت دنیا کی کسی قوم کے پاس کوئی عمدہ خیال کوئی واقعی سچائی، اور کوئی اچھا گل پایا جاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بدرجۂ ادنیٰ اسلام میں موجود ہے اور اگر نہیں ہے، تو اس کی اچھائی بھی قابلِ تسلیم نہیں۔ اسلام کے معنی کی اصلی وسعت سے دنیا بے خبر ہے۔ اسلام تو اعتقاد و عمل کی ہر صداقت اور کائنات کے ہر حسن وجمال کا نام ہے۔ جہاں کہیں صداقت اور جمال موجود ہے، یقین کرنا چاہیئے کہ وہ اسلام ہے۔ گو دنیا کو اس کی خبر نہ ہو۔

نہیں ہو سکتا کہ انسانی حرّیت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں اس بارے میں ہمارے خیالات۔ الحمد للہ۔ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ اور گو موقعہ نہیں، مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں "وحدہ لاشریک" ہے، کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں، اسی طرح اس کا "قرآن کریم" اپنی جامعیت اور کمالِ تعلیم میں "وحدہٗ لاشریک" ہے، اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسول کمالِ انسانیت و تعبّد اور قوائے نبوت و اصلاح میں بھی "وحدہ لاشریک" ہے اِن کی صفات و خصائص میں کوئی ان کا شریک نہیں۔

راہِ نسبت طلبی ہیں کہ چہ شایاں رفتم

پس ضرور ہے کہ جو اُمّت اس خدائے واحد، اس قرآن واحد، اور رسولؐ واحد کے دامن تعلیم سے وابستہ ہو، وہ بھی اپنے اندر اس شان وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے وہ بھی اپنے اعمال و زندگی کی ہر شاخ میں "وحدہ لاشریک" ہو اس کے اعمال و خصائص بھی من رآنی فقد رأ الحق کی صدائے اتحاد سے غلغلہ انداز عالم ہوں۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں، زندگی کے ہر حسن و جمال میں اس کے خال و خط مرقع عالم کے لئے نمونہ بنیں۔ وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً کے یہی معنی ہیں اور اسی لئے مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا:۔

یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا	مسلمانو! اگر تم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کر کے متقی بن جاؤ گے۔ تو وہ تمہارے لئے تمام دنیا میں ایک خاص امتیاز اور خصوصیت پیدا کر دے گا۔

جس قوم کو اس صدائے الٰہی نے مخاطب بنایا ہو، اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں غیروں کے لئے نمونہ بننے

ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطاناً فہو لہ قرین

کرتا ہے ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے۔

پھر یکسر گمراہی اور ضلالت ہو جاتی ہے، اس کی زندگی ناکامی اور نامرادی کی تصویر بن جاتی ہے۔ وہ طلب مقصود میں آوارہ گردی کرتی ہے، مگر چوں کہ مقصود تک پہنچانے والے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہیں ہوتا، اس لئے کبھی مقصود تک نہیں پہنچتی۔ مسلمانوں کے تمام ترقی کے ولولوں اور اصلاح کی کوششوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ان کے لیڈر پانی کو ڈھونڈتے ہیں، مگر دوڑتے ہیں ریگستان کی طرف:

اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً۔

ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہوتا ہے کہ پیاسا دور سے اس کو پانی سمجھ کر چلا۔ مگر جب پاس آیا تو کچھ بھی نہ تھا

عود الی المقصود پس اگر مسلمان زندگی حاصل کرسکتے ہیں، تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں۔ آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر یہ بھی ہے کہ فرض کر لیجئے، کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینا پڑی۔ جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں، ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے، البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اصول کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے؟ ذرا غور سے کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول

ولللہ در ما قال:۔

عباراتنا شتی، وحسنک واحد
وکل الی ذالک الجمال یشیر

اللہ اللہ! خدا تو مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ مجھ کو نمونہ بناؤ، اور میری صفات کاملہ سے مشابہت پیدا کرو (تخلقوا باخلاق اللہ) اور آج مسلمان ہیں کہ انسانوں کو اپنا اسوۂ حسنہ بناتے ہیں کہ (تخلقوا باخلاق الافرنج) اور اگر کوئی ان کی نقالی بن آتی ہے تو "انا الافرنج" کا نعرہ لگا کر اس قدر نازاں ہوتے ہیں، کہ حسین بن منصور کو "انا الحق" پر بھی اتنا ناز نہ ہوگا!! کذالک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جس قدر اصلاح کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اتنا ہی ضلالت ان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ وہ جس قدر ترقی! ترقی!! پکارتے ہیں اتنی ہی تنزل! تنزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ گویا دلدل میں پھنس گئے ہیں، جس قدر زور کرتے ہیں، اتنا ہی پاؤں اور دھنستا جاتا ہے، یا ان کے رشتۂ فلاح میں بدبختی کی گرہ پڑ گئی ہے۔ جس قدر کھینچتے ہیں، اتنی ہی وہ اور زیادہ کستی جاتی ہے، او کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج، من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض، اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔

جو قوم خدا سے اپنا رشتہ کاٹ دیتی ہے، اور اس کے فرمان و احکام سے روگردانی کرتی ہے، اس کے اعمال نور الٰہی سے خالی ہو جاتے ہیں، اس پر ضلالت و گمراہی کا ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو اپنا مرکب بنا کر اس کے گلے میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال دیتا ہے:۔

ومن یعش عن

اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی

نہیں گذرتا ۔

مسلمانوں کا نصب العین کیا ہونا چاہئے

پالٹیکس جس کی طرف اب مدتوں کی غفلت کے بعد مسلمانوں نے شیفتگی کی نظر اٹھائی ہے، قومی زندگی کے اعمال کا ایک سب سے بڑا شعبہ ہے لیکن ہم اسے مسلمانوں کے لئے کوئی اصلی مقصود اور بنیادی شئے نہیں سمجھتے۔ اور قوموں کے لئے اگر سیاست ان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے۔ تو اس لئے ہے کہ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لئے وہ سیاسی جذبات سے ایک گرم انگیٹھی کا کام لیتے ہیں لیکن جس قوم کے پاس ایک شعلہ فشاں آتش کدہ موجود ہو، اسے انگیٹھی کی کیا ضرورت ہے؟

جب تنور گرم ہو جاتا ہے تو بہت سی انگیٹھیاں اس سے گرم کر لی جا سکتی ہیں، لیکن انگیٹھی تنور کا کام نہیں دے سکتی ۔

اس وقت برسوں کے جمود نے کروٹ لی ہے، اور گویا انقلاب و تغیر کا ایک اچھا موسم مسلمانوں پر گذر رہا ہے۔ اس وقت جس چیز کی تخم ریزی کر دی جائے گی، آگے چل کر اسی کے پھل کو اپنے دامن میں دیکھ سکیں گے۔ پس اس بارے میں میری دعوت کا لب و لباب یہ ہے کہ مسلمان محض پالٹیکس ہی کو اپنا مقصود حقیقی نہ بنائیں، اور اس طرح ایک عمدہ موسم کو، جس میں وہ شاید ایک پورا باغ لگا سکتے ہیں، صرف ایک ہی درخت کے بونے میں ضائع نہ کر دیں۔ دوسری قوموں کی نظیروں پر نظر رکھنا ان کے لئے کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ ان کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہئے، کیونکہ ان کے پاس ایک شئے ہے جو اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کو اپنا مقصود بنا کر وہ ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ احسن و اکمل لے سکتے ہیں، جو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں۔ ان کو چاہئے کہ ہر طرف آنکھیں بند کر کے اس شئے کو اپنا اصلی مقصود اور نصب العین بنائیں، جس کی تلاش میں انہیں گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ سے خود ان کے

پر مبنی ہو، لیکن وہ ایک ایسی راہ پیدا کرلیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو، جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو، تمام خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہو، نیز کہا جاسکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی پالیسی گورنمنٹ کے اندازِ نظر کا نام ہو۔ لطف و مہر کی بہار آئے، تو آپ کی پالیسی دوسری ہو، اغماض و اعراض کی بادِ خزاں چلے، تو آپ کا آشیانہ دوسری جگہ بن جائے۔ تقسیم بنگال کی تقسیم و ترتیب اور یونیورسٹی کا الحاق و عدم الحاق آپ کی پالیسی کو تیار نہ کرے۔ بلکہ آپ کے منقسم اقلیم دل کا اتصال اور آپ کے شکستہ رشتۂ الٰہی کا الحاق آپ کے لئے دائمی اور ناممکن التبدیل پالیسی مہیا کردے۔

(۲)

ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصاکم بہ لعلکم تتقون	یہی میرا دین الٰہی کا سیدھا راستہ ہے، پس صرف اسی کے ہو رہو، اور اور راستوں میں نہ پڑو، کیونکہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا کر تتر بتر کردیں گے۔ یہ خدا کی تمہارے لئے وصیت ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

میں شاید اپنے مطلب کو اب تک ٹھیک ٹھیک ادا نہ کرسکا اس لئے زیادہ واضح طور پر آج عرض کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ مضمون وسیع اور شاخ در شاخ ضمنی مطالب پر مشتمل ہے، جب لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں تو مجبوراً تفصیل و اطناب سے کام لینا پڑتا ہے تاہم مطمئن ہوں کہ کوئی غیر ضروری بیان زبان قلم پہ

۱۹ نفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون

سے جو تعلیم دی گئی - ان سب کی تعلیم ایک ہی طریق اسلام کی تھی - پس ہم ان میں کوئی تفرق اور امتیاز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ -

ترجو النجات ولم تسلک مسالکہا ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

اگر مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نہایت آزادانہ پولٹیکل پالیسی اختیار کرلی کانگریس سے بھی بہتر ایک پروگرام ان کے ہاتھ میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بڑھ کر جوش اور سرگرمی پیدا کر لی، پالٹیکس میں وہ از سرتاپا غرق ہوگئے، ان کا ہر فرد گلیڈ اسٹون اور مارلے ہوگیا، لیکن ساتھ ہی اگر انھوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلام کی عملی روح پیدا نہ کی، اپنے تئیں دین الٰہی کی سلطنت کے ماتحت داخل نہ کیا، اور خشیۂ الٰہی اور زہد تقویٰ سے محروم رہے تو میں اس یقین کی لازوال طاقت کے ساتھ، جس کے لئے کبھی موت اور شکست نہیں۔ اس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تزلزل اور تذبذب نہیں، از سرتاپا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے۔ اگر آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا، اگر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے اگر مچھلی خشکی میں، اور پرند دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر قانون فطریہ اور نوامیس طبیعیہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں - تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت، اور صفحۂ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تمام نرمی سیاسی ہنگامہ آرائیاں، تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز، اور پولٹیکل پالیسی کے تغیر و تبدل کا ہیجان طوفان اور ایک لمحہ، ایک دقیقہ، ایک عشر دقیقہ تک کے لئے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ ان کی تمام جدوجہد بیکار جائے گی، تغیر کا ابر ان پر سے بغیر ایک قطرہ

گھر کے اندر موجود ہے۔ یعنی صرف اتباع دین مبین اور اعتصام بحبل اللہ المتین ان کے لئے ان کے خدا کے طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ نصب العین ہے اور ایک مسلم ہستی کے لئے اس کے سوا کوئی مقصود حقیقی نہیں ہو سکتا۔ نہ پالٹیکس نہ تعلیم، نہ اخلاق، اور نہ معاشرت، کیونکہ زمین پر جس قدر "کمال" اور "جمال" ہے، وہ سب اس سے ہے، یہ کسی چیز سے نہیں ہے۔ دنیا میں جس قدر خوبیاں اور محاسن ہیں، سب اس کے نیچے ہیں، کیونکہ اس کے اوپر الوہیت کے درجے کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔ دنیا میں جس وقت سے انسانی ہدایت و شقاوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ صرف یہی ایک صراط مستقیم اور ملت قدیم تمام انسانی فلاح و اصلاح کا وحدہٗ لاشریک وسیلہ رہی ہے۔

وقالوا کونوا هودا او نصاری تهتدوا قل بل ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین۔ قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراهیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربهم

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے (یعنی اسلام کے سوا اور طریقہ اختیار کرو) اے پیغمبر کہہ دے کہ کبھی نہیں! ہمارے لئے تو صرف ابراہیم ہی کا طریقہ طریق ہدایت ہے اور اے مسلمانو! تم بھی کہہ دو کہ ہمارا طریق یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قرآن پر جو ہم پر اترا، اور اس تعلیم پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتری، اور موسیٰ اور عیسیٰ کو جو تعلیم دی گئی، اور انہیں پر موقوف نہیں، بلکہ دراصل ورتمام پیغمبروں اور رسولوں کو ان کے پروردگار کی طرف

کہ اس کی ترجمانی کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے حیران ہوں کہ کیوں کر، اور کن لفظوں میں اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں بھی پیدا کردوں؟ تاہم میں یہ کہنے سے کبھی نہ تھکوں گا، کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پروائی سے ایک مذہبی بندش کہہ کر گذر جاتے ہیں، وہ بندش تو ضرور ہے مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے جس کی سلطنت تمام قوانین مادیہ کے نظام حکومت سے بالا تر اور وراء الوریٰ ہے اور نظم کائنات کے تمام اجزاء اسی بندش سے بندھ کر مرتب اور منظم ہوتے ہیں۔ یہی بندش ہے کہ لسان الٰہی نے اس کو کہیں "حدود اللہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے، کہیں "سنت اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کہیں "فطرۃ اللہ" اس کا نام رکھا ہے۔ کبھی "صراط مستقیم" کہا ہے۔ اور کبھی "دین قویم" کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ربانی حکومت کا انتظام ہے، اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط سے نکلنا چاہتی ہے، تو گویا وہ خدا کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتی ہے پھر اس کی سلطنت سے نکل کر شیطانی حکومت میں داخل ہو جاتی ہے۔

یاایھا الانسان	خدا کہتا ہے کہ اے انسان حقیر۔ بتلا کہ
ما غرک بربک	کس چیز نے تجھ کو اس پر آمادہ کردیا کہ اپنے
الکریم۔	رب کریم سے بغاوت کرے؟

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باغی انسان کو کوئی گورنمنٹ پناہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح رب السموات والارض کی بغاوت اور قانون شکنی کے بعد بھی کائنات کا ہر دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے کسی سعی میں وہ کامیاب نہیں ہوتا اور کوئی کوشش اس کی فلاح یاب نہیں ہوتی۔

ومن یبتغ غیر	جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسری
الاسلام دینا فلن	تعلیم کو تلاش کرے گا، اس کی سعی و تلاش
یقبل منہ وھو	کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں

بارش کے گذر جائے گا، ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی، وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے، اتنا ہی چاروں طرف کی لپٹی ہوئی زنجیروں کی بندش سخت تر ہوتی جائے گی۔ گمراہی و ضلالت کا شیطان کبھی ان سے الگ نہ ہوگا، ان کے گلوں میں جو طوق مذلت اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی، جہالت و ضلالت، اکسر و غلامی و ذلت وخواری کی صفوں میں ہمیشہ محصور رہیں گے۔ اور دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ خسر الدنیا والاخرہ ذالک ھو الخسران المبین۔

ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنھا، لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط وکذالک نجزی المجرمین۔

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور جھکنے کی جگہ غرور سے اکڑ بیٹھے تو یاد رکھو کہ ان کے لئے نہ تو آسمانی برکت کا دروازہ کبھی کھلے گا اور نہ بہشت کی زندگی انھیں نصیب ہوگی، ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گذر جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہماری آیات کو جھٹلا کر پھر فلاح و برکت بھی حاصل کرلیں۔

میں نے کہا کہ "اگر آگ جلاتی اور پانی ڈبوتا ہے" نہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈبوئے مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہیں، کہ خدا کا وہ قانون شقاوت وہدایت بدل جائے، جس کے لئے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی مستثنیٰ شہادت موجود نہیں۔ یہ میں لکھ رہا ہوں، اور میرے اندر یقین اور اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے، مگر افسوس

L846

نے جا بجا اشارہ کیا ہے۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔

جتنی مصیبتیں اقوام وملل پر نازل ہوئیں وہ ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے وہ بصورت ایک قانون منضبط کے موجود ہے) اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔

کائنات میں حیات و قیام صرف مسلم کے لئے ہے

اور غور کیجئے تو یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے، جس کے لئے زیادہ دلائل آرائی مطلوب ہو، اگر مطلوب ہے تو اس لئے کہ دنیا میں آج اسلام کے پیروؤں کے لئے سب سے زیادہ اسلام کی دعوت معما ہو رہی ہے۔ اسلام تو فی الحقیقت ان قوائے نظریہ کے صحیح استعمال کا نام ہے، جن کی حکومت سے دنیا کی کوئی شئے خارج نہیں۔ مچھلی کے لئے پانی میں تیرنا، پرندوں کے لئے ہوا میں اڑنا، نباتات کا زمین میں نشوونما پانا، اور انسان کا زمین کے اوپر رہنا یہ سب چیزیں اسلام کے مفہوم حقیقی میں داخل ہیں، کیونکہ اس کا دوسرا نام "سنت اللہ" اور "فطرت اللہ" ہے پھر کیا مچھلی پانی کی جگہ ہوا میں، پرند ہوا کی جگہ پانی میں، اور انسان زمین کو چھوڑ کر سمندروں میں زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر نہیں رہ سکتا، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی شئے غیر مسلم ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ حیات اور زندگی صرف مسلم کے لئے ہے، اور جو قومیں زندہ ہیں، گو ان کو معلوم نہ ہو، مگر ہم کو معلوم ہے کہ وہ اسلام ہی کے سرچشمے سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ اپنی بدبختی ہے کہ پاس رہ کر بھی ہم تشنہ لب ہیں۔

افغیر دین اللہ

کیا وہ لوگ دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور

فی الاخرۃ من الخاسرین کا آخری نتیجہ ناکامی ونامرادی ہوگا۔

قرآن مجید نے امم سابقہ و اقوام پیشیں کا تذکرہ بار بار کیا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ اس "قانون ہدایت وشقاوت" کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جابجا ان اقوام متمدنہ وعظیمہ کے طرف اشارہ کیا ہے، جو آنے والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے احکام الہٰیہ کو پس پشت ڈال دیا، اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کردی، تو کوئی انسانی سعی وتلاشِ فلاح ان کو ہلاکت وبربادی سے نہ بچاسکی۔ یہاں تک کہ آج ان کے آثار واطلال بھی دنیا میں باقی نہیں۔

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم، وکانوا اشد منھم قوۃ و اثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا، وجاءتھم رسلھم بالبینات فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہوگذری ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں تھیں جو ان سے تمدن وترقیات اور قوائے جسمانی میں بڑھ کر قوی تھیں، انھوں نے زمین پر اپنے کاموں کے نشان چھوڑے اور جس قدر تم نے اس کو متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے تمدن پھیلایا ہے لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں ان کو دکھلائی گئیں تو انھوں نے سرکشی، اور بغاوت سے جھٹلادیا، اور برباد وفنا ہوگئے۔ خدا ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن خود انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

یہی اسلام وہ "قانون حیات ومماتِ اقوام" ہے جس کی طرف قرآن

مسلمانوں کے لئے اولین کام

پس موجودہ تغیر کے بعد اب مسلمانوں کو سفر اسی منزل سے شروع کرنا چاہئے جو ان کے سفر کا قدرتی مبداء ہے، اور جہاں سے ان کو پہلا سفر شروع کرنا تھا مگر انہوں نے نہیں کیا۔ ان کو نہ تو پولٹیکل پالیسی کی تلاش وجستجو میں وقت ضائع کرنا چاہئے، نہ اعلٰے تعلیم کے افسانۂ لامتناہی میں پڑنا چاہئے، نہ لیگ کی غلامانہ اور موت آور پالٹیکس پر توجہ کرنی چاہئے، اور نہ کانگریس کی ریلوں میں اپنے لئے نسخۂ فلاح ڈھونڈنا چاہئے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہئے، یعنی بلا یہ سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اپنا ہاتھ دست الٰہی میں دے دینا چاہئے۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

نہ وہ پالٹیکس کو سوچیں اور نہ تعلیم کو، نہ آزادی کی مدح کریں اور نہ غلامی کا طوق پہنیں۔ یہ باتیں ان کے سوچنے یا فیصلہ کرنے کی نہیں ہیں ان کا فیصلہ خدا کو کرنا تھا، اور اس نے کر لیا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ اتباع کلمات اللہ وجمیع "ماجاء بہ القرآن" کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے تئیں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے اتباع و محاکات کے ولولوں سے خالی کر کے، صرف اس ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔ اگر اسلام ان کو پالٹیکس میں بلانا چاہے، تو لبیک کہہ کے دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے، تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد، دو ہی چیزیں اصلی ذریعہ فوز و فلاح ہیں تو وہ سر سے پاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی اور حقوق طلبی ہی میں قومی زندگی اور عزت ہے، تو ان کا وجود یکسر پیکر حریت و جہد حریت ہو جائے۔ اخلاق، تعلیم، تمدن، شائستگی، اصلاح معاشرت غرضیکہ ایک متمدن زندگی کے جتنے اجزا ہیں، ان میں وہ جس طرف بلائے

یبغون حکماً ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون

تعلیم کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ اس آسمان اور زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار اسی دین اللہ کا مسلم یعنی حکم بردار نہ ہو۔

ادخلوا فی السلم کافہ

پس باوجود اس کے کہ ہم پولٹیکل زندگی کو حیات ملی کا ایک ضروری شعبہ سمجھتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہمارے نزدیک کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اس کے اندر سیاسی جذبات مشتعل نہ ہوں، اور باوجود اس کے کہ ہم روز اوّل سے مسلمانانِ ہند کی ایک بڑی بدبختی یہ قرار دے رہے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے غلامی و خوشامد کی دار دئے بے ہوشی سے قوم کی قوم کو مرض النوم میں مبتلا کردیا؛ ہم مسلمانوں کو کبھی یہ صلاح نہیں دیں گے کہ وہ صرف پولٹیکل آزادی کے دلولے ہی کو پیدا کرکے اصلاح و تغیر کی طرف سے فارغ البال ہو جائیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے لئے پولٹیکل پالیسی کے تغیر میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی، اگر ان کے اندر مذہبی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بخار کے مریض کے لئے ڈاکٹر کے آگے یہ سوال نہیں ہوتا کہ اس کا جسم گرم کیوں ہے اور آنکھوں میں سرخی کیوں ہے؟ بلکہ اس پر غور کرتا ہے کہ بخار کی تولید کی اصلی علت کیا ہے؟ اگر آپ صرف مریض کے جسم کی حرارت ہی کے شاکی ہیں، تو زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں، ایک من برف منگوا کر اس کے ریزوں میں اسے بٹھا دیجئے۔ امید ہے کہ سارا جسم ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ کہتے ہیں مسجد کا منارہ سیدھا نہیں، میں روتا ہوں بنیاد ٹیڑھی ہے۔ آپ صرف پالٹیکس کو کیوں ڈھونڈھتے ہیں، جب کہ ایک ایسی مضبوط و لازوال کرسی آپ کو ملتی ہے۔ جس پر نہ صرف پالٹیکس، بلکہ قومی زندگی کی عمارت کے تمام ستون کھڑے ہو سکتے ہیں، اور ستون کے لئے کرسی ناگزیر ہے

ومن یسلم وجہہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقی۔ والی اللہ عاقبۃ الامور

اور جو شخص ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور ساتھ ہی اعمال حسنہ اختیار کئے تو بس یقین کرو کہ اس نے مضبوط رسّی تھام لی اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(۳)

قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق؟ قل اللہ یھدی للحق افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی؟ فما لکم کیف تحکمون؟ وما یتبع اکثرھم الا ظنا، ان الظن لا یغنی من الحق شیئا، ان اللہ علیم بما یفعلون۔

اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو، کہ تمہارے بنائے ہوئے معبودوں میں کوئی بھی ایسا ہے جو راہ حق کی ہدایت کرے؟ کہدو کہ اللہ ہی ہے، جو حق کا راستہ دکھلاتا ہے بس جو حق کی راہ دکھائے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی تعلیم کی پیروی کی جائے یا وہ عاجز انسان، جس کا یہ حال ہے کہ جب تک دوسرا اس کو راہ نہ دکھائے، وہ خود بھی راہ نہیں پا سکتا؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں اکثر لوگ صرف اپنے خیال و وہم کی بنائی ہوئی باتوں پر چلتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہم و گمان حق کے یقین کے مقابلے میں کام نہیں آ سکتا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کارروائیوں سے خوب واقف ہے۔

احرام عہد روز ازل، کعبہ کوئے دوست
جز راہ عشق ہر کہ رود بر خطا رود

اسی طرف جھک جائیں۔ خود ان کی خواہش، کوئی ارادہ، کوئی تعلیم، کوئی پالیسی نہ ہو۔ ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو۔ وہ اس تنکے کی طرح، جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو، اپنے تئیں تعلیم الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیں۔ جس طرف وہ چاہے لے جائے، اور جس کنارے پر چاہے انھیں لگا دے۔ جب خدا ان کا تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے، تو وہ خود اپنے کاندھوں کو کیوں تھکاتے ہیں۔؟

اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا، اور وعدہ الٰہی ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا) تو وہ یاد رکھیں کہ آج جن چیزوں کے لئے بھٹک رہے ہیں، اور نہیں ملتیں، اگر ان کا مطلوب حقیقی یعنی اسلام ان کو مل گیا، تو وہ خود بخود ان کے قدموں پر آکر گر جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کی تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت گمراہ ہو چکے، جو سر عزت کی بلندی کے لئے بنا تھا۔ بہت ٹھکرایا جا چکا اب بھی سنبھل جائیں، کہ خدا کا ہاتھ بیعت لینے کے لئے بڑھا ہوا ہے، وہ اسے چھوڑ کر شیطان کے ہاتھ پر کیوں بیعت کر رہے ہیں؟ ان کے تمام اعضا مردہ و غیر متحرک ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کے لئے سر میں تیل کی مالش یا تلوے کا سہلانا اصلی علاج نہیں ہے۔ ان کو روح کی ضرورت ہے جس دن، جس آن، جس لمحے، ان میں اسلام کی گم گشتہ حرارت عزیزی عود کر آئے گی، اسی وقت پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کے بالوں کی جڑ تک ان کا تمام جسم زندہ ہو جائے گا، ان کا اخلاق، ان کا تمدن، ان کی سوشیل حالت، ان کی سوسائٹی کا نظام اور سب سے آخر مگر سب سے پہلے یہ ان کی پولٹیکل حالت، غرضیکہ حیات ملی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا، جو باحسن شکل و باکمال اعمال ان کے پاس موجود نہ ہو جائے۔

ایک برسوں کا پامالی مضمون دین اور دنیا کا باہمی تعلق بھی ہے۔ بار بار اس کو دہرایا گیا ہے۔ اور ہمیشہ زور دے دے کر کہا گیا ہے، کہ اسلام میں دین اور دنیا کی تفریق کا کوئی سوال نہیں، وہ دین کو دنیا سے الگ نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ دین دنیا ہی کے حسن عمل کا نام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مثل آج کل کے بہت سے اقوال کے یہ قول محض بھی صحیح ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اعمال کا کیا حال ہے؟ وہی مدعیانِ اصلاح جو اس صداقت کو زبانی دہراتے ہیں، ان کی از سرتا پا زندگی، اور ان کی تمام قومی تحریکوں کے اعمال میں بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں؟

حالت یہ ہے کہ خود ہمارے نئے لیڈروں نے دین اور دنیا کے اندر تفریق کی ایک ایسی جھیل حائل کر دی ہے، جو روز بروز دونوں کناروں کو دور تر کر رہی ہے اور ان کو کسی طرح ملنے نہیں دیتی۔ انہوں نے سعی اصلاح و ترقی کی جس قدر تحریکیں شروع کیں، ان کو مذہب سے اس طرح الگ رکھا، گویا نہ تو پیروان اسلام ان کے مخاطب ہیں، اور نہ مسلمانوں کی قوم سے خود انہیں کوئی واسطہ ہے۔ ان کی زندگی، ان کے اعمال ان کی آواز ان کی نظریں ان کی مثالیں، ان کے پیش نظر نمونے، بلکہ ان کے تمام افعال ذکر و اوئیکسر اسلام سے بیگانہ، اور از فرق تا بقدم مذہب سے ناآشنا رہے ہے، انہوں نے ہمیشہ دنیا کو دین سے الگ دیکھا، اور جب کبھی قدم اٹھایا تو دنیا کی طرف، حالانکہ اگر دین کی طرف بڑھتے، تو دنیا خود ان کی طرف دوڑتی۔

یعلمون ظاھرًا من الحیوۃ الدنیا، وھم عن الاخرۃ ھم غافلون	یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری دلفریبیوں ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔

مذہب سے یہ الحاد آمیز بیگانگی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ آج اگر کوئی صدائے قرآنی بلند ہو جاتی ہے، تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتا ہے۔ کہ یہ

صحت کے لئے تندرست کو نہیں مریض کو دیکھنا چاہئے

اگر مریض بد پرہیزیوں اور بیماریوں سے تنگ آ کر چاہتا ہو، کہ آئندہ کے لئے ایک صحیح و تندرست کی زندگی حاصل کرے، تو اس کے لئے حفظ صحت کی کسی کتاب کے پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اپنی بیماریوں اور پچھلی بد پرہیزیوں کا مطالعہ کرے۔ مسلمان اگر آئندہ اپنی حیات ملی کو بیماریوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو ان کے لئے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے گذشتہ اور موجودہ امراض علی الخصوص اپنی بد پرہیزیوں پر نظر ڈالیں اور آئندہ ان سے بچنے کا سامان کریں۔

مسلمانوں کے تمام امراض کی اصلی علت جس نے مختلف عوارض کی شکلیں اختیار کر لی ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انھوں نے تعلیم الٰہی کے عروۃ الوثقیٰ کو چھوڑ دیا، اور اس کے ساتھ مہلک بد پرہیزی یہ ہے، کہ سعی اصلاح و ترقی کا جو قدم اٹھایا، وہ مذہب سے الگ رہ کر اٹھایا، نتیجہ یہ نکلا کہ صحت و تندرستی ہی سے محروم ہو گئے۔ مسلمانوں میں پرانی تحریک تعلیمی ہے۔ اور نئی سیاسی لیکن دونوں کا یہی حال ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ پہلی پوری کامیاب نہ ہوئی۔ اور دوسری اپنی عمر کے چوتھے سال ہی میں بستر نزع پر پائی گئی۔ اب جو کچھ ہے اس کی تجہیز و تکفین کی دھوم ہے، کہ کئی کروڑ مسلمانوں کی پنجاہ سالہ "متفقہ اور مسلمہ" پالیسی کے

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دین اور دنیا کی تفریق

ہم کو مسلمانوں کی گذشتہ جد و جہد ترقی پر بہت کچھ لکھنا ہے، کیوں کہ جب تک پچھلی غلطیاں سامنے نہ آئیں، آئندہ کے لئے ان سے پرہیز ممکن نہیں لیکن یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں، کہ آج کل کانفرنسوں میں ہمارے قومی خطیبوں نے بزم آرائیوں کے لئے جو موضوع اختیار کر رکھے ہیں ان میں

الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنو بما انزل الیک وما انزل من قبلک، یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالاً بعیداً،

اے پیغمبر ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اس زعم باطل میں پڑے ہیں کہ ہم مومن ومسلم ہیں، حالاں کہ وہ کیوں کر مومن ہو سکتے ہیں جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر چاہتے ہیں کہ دوسروں کو اپنا حاکم بنائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ خدا کے سوا دوسروں کی اطاعت سے انکار کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت سخت درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

جن باتوں کو ہمارے لیڈر اسلام سے ناآشنا رہ کر کہتے رہے، اگر چاہتے تو انہی باتوں کو وہ اسلام کی زبان سے ادا کر سکتے تھے۔ تعلیم اگر ضروری تھی۔ علوم جدیدہ کی اگر دعوت دینا چاہتے تھے، معاشرت میں ضروری تبدیلی کے خواہاں تھے، یا اور جتنی باتیں قوم کے آگے پیش کرنا چاہتے تھے، ان میں کونسی شئے ایسی ہے، جس کے لئے قرآن کریم اور تعلیم الہٰی کو سامنے نہیں رکھ سکتے تھے؟ پھر کسی دعوت کے لئے یہ طریقہ مؤثر تھا کہ انسانوں کی نظیر دی جائے، یا یہ، کہ خدا کا حکم ہے؟ غور کیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اگر واقعی یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی دین اور دنیا دونوں ایک ہیں، اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ قرآن نامی ایک کتاب کے پیرو ہیں، اس میں کوئی دھوکا نہیں کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا۔ جس کے پیش کئے ہوئے احکام ان کے لئے ذریعہ فوز وفلاح ہیں، تو ہمارے لیڈروں کی حالت اس سے بالکل متضاد ہونی تھی، جو آج ہم بدبختی سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک ایسی جماعت

کیسی آواز ہے؟ بہت سے اس خیال پر متعجب ہیں کہ مسلمانوں کی پولٹیکل پالیسی بھی قرآن پر مبنی ہو (ر ایت المنافقین لیقسل ون عندک مسل ورا) بہتوں کو یہ کہنے سے نفرت اور غصّے کا بخار چڑھ آتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے جو کچھ ہے قرآن ہی میں ہے اور قرآن ہی سے ہے (قل موتوا بغیظکم) اور بہت ہیں جو فرعون کے جادوگروں کی طرح خوف زدہ ہو رہے ہیں کہ کہیں مذہب کا عصائے موسوی ثعبان مبین بن کر ان کو نگل نہ جائے،

ر ایت الّذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیہ من الموت

جن لوگوں کے دل ضلالت سے مریض ہو رہے ہیں، تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے خوف زدہ ہو کر دیکھ رہے ہیں، جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔

ہم کسی کی نیت کی نسبت زبان کھولنے کا حق نہیں رکھتے، لیکن واقعات اور نتائج بعض اوقات نیت کی پروا نہیں کرتے، اور حکم نتائج پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ آج کل کے کارفرما طبقے میں بہت سے لوگ اعتقاداً ملحد ہوتے ہیں، لیکن اس اعتقاد کو لے کر کیا کیجئے، کہ عملاً سر سے پاؤں تک ان کی جس شئے کو دیکھئے، حسن الحاد کی دلربائیوں کا یہ حال ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اور باتوں سے قطع نظر کیجئے، ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑی یزداں فراموشی اور الحاد پرستی تو یہی ہے کہ ایک گروہ مسلمانوں کی اصلاح کا دعویٰ کرے اور پھر اپنے تمام کاموں کے لئے اسلام کو اور اس کے خدا کو چھوڑ کر انسانی خیالات کے اصنام و طواغیت کو اپنا حکم بنائے:۔

دینے لگیں گے۔ جسم ملت کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ سیاست، اخلاق، تمدن
تعلیم، اصلاح معاشرت، یہ تمام چیزیں اس کے لئے نہایت ضروری اور کارآمد
عضا رہیں۔ لیکن ان سب کی زندگی روح پر موقوف ہے۔ میں نے کبھی لکھا
تھا کہ قومی زندگی کے لئے دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں۔ "پالیٹکس" اور "مذہب"، مگر
یہ کہنا باقی ہے کہ اور قوموں کے لئے صرف پالیٹکس حیات بخش ہو تو ہو۔ مگر
مسلمانوں کے لئے جن کا سارا کاروبارِ حیات مذہب ہی کے دم سے ہے۔
وہ روح مذہب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا! ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون۔

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار سنو! وہ تم کو بلاتا ہے۔ تاکہ تمہارے اندر زندگی کی روح پھونک دے۔ اور یقین کرو کہ اللہ انسان اور اس کے ارادول میں جب چاہتا ہے آڑے آجاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ بالآخر ایک دن تم سب اس کے آگے کھڑے کئے جاؤ گے۔

ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے
زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اور قومیں بھی۔ لیکن مسلمانوں کی تو کوئی
علیحدہ قومیت نہیں۔ جو کسی خاص نسل و خاندان، یا زمین کے جغرافیائی تقسیم سے
تعلق رکھتی ہو۔ ان کی ہر چیز مذہبی ہے، یا بالفاظ مناسب تر ان کا تمام کاروبار
صرف خدا سے ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو نہیں
قرار دیں گے۔ اس وقت تک نہ ان میں قومیت کی روح پیدا ہوگی۔ اور نہ
اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کر سکیں گے۔ آج دنیا "قوم" اور "وطن"
کے نام میں اپنے لئے جو تاثیر رکھتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے وہ اثر صرف "اسلام"
یا "خدا" کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص

ہوتی، جس کے دل اور زبان، دونوں میں اسلام ہوتا، جن کا ہاتھ کسی حالت میں قرآن سے خالی نہ ہوتا۔ بلکہ قرآن کی گرفت سے اس طرح رک جاتا۔ کہ کسی دوسری شئے کو اٹھانے کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ وہ ازسرتاپا مذہب کی تصویر ہوتے اور تعلیم الٰہی کا عملی نمونہ، ان کی ہر صدا مذہب میں ڈوبی ہوتی، اور ہر قدم مذہب ہی کی جانب اٹھتا۔ ان کی زبان کھلتی، تو مذہب کے لئے، اور قلم حرکت کرتا تو مذہب کے نام پر وہ بہتر سے بہتر خیال، اور ہر عمدہ سے عمدہ بات قوم کے آگے پیش کرتے، مگر جو کچھ کہتے مذہب کے واسطے سے، اور جو کچھ لکھتے مصحف کی سیاہی سے۔

وہ جب ہمارے سامنے آتے، تو گو ان کے سروں پر ہیٹ ہوتا، مگر زبان پر قرآن ہوتا۔ ہمیں اس کی چنداں پروا نہ تھی کہ ان کے سر پر کیا ہے؟ مگر اس سے کیوں کر غفلت کریں کہ ان کی زبان پر کیا ہے۔؟

لیکن ایسا ہوتا تو کیوں کر ہوتا؟ دین و دنیا کی عملی تفریق نے قوم کی اصلاح وارشاد کی باگ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں دے دی، جو اگر ایسا کرنا بھی چاہتی، تو نہیں کرسکتی، الحاد ان کے دل میں چپکے چپکے کام کر رہا تھا، اور دماغ مذہب سے ناآشنا تھا، ان کو جس قرآن اور جس اسلام کی خبر ہی نہ تھی، اس کو قوم کے آگے پیش کرتے تو کیسے کرتے؟

روح کی تلاش سے پہلے اُٹھ بیٹھنے کی سعی

پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں، ایک سرد لاش اُٹھ کر بیٹھ جائے، تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی کہ اس کے ہاتھ پر گرم گرم تیل کی مالش کریں، یا سر کو سینکنا شروع کردیں بیشک ہاتھ ایک نہایت کارآمد اور ضروری عضو ہے، مگر صرف اس کو گرم کر دینے سے زندگی کی حرارت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اصلی شئے روح ہے، جس وقت روح جسم میں عود کر آئے گی، خود بخود تمام اعضا کام

آزادی کے ولولے کیوں ان میں نہیں اُبھرے ؟ ایثار و قربانی کی مثالیں کیوں ناپید ہیں ؟ سحر نگار اہل قلم، اور آتش بیان مقرر کیوں نہیں پیدا ہوتے ؟ ان سب کا جواب یہی ہے کہ ایک مردہ لاش سامنے تھی۔ لیڈروں نے اس کے اعضا تقسیم کر لئے۔ کسی نے تلوا سہلایا۔ اور کسی نے سر سینکنا شروع کر دیا۔ مگر روح کی کسی کو فکر نہیں ہوئی۔ پھر تکنے کے لئے بہتوں نے اپنے چہروں کو چولھے سے ملا دیا۔ مگر جتنی پھونکیں ماریں۔ وہ سب یا تو چولھے کے باہر کی مٹی اڑاتی رہیں۔ یا اندر کی جمع شدہ راکھ کو بکھیرتی رہیں۔ آگ بھڑکتی تو کیوں کر بھڑکتی ؟ اور تمام اعضا، کام دیتے تو کیوں کر دیتے ؟ بدبختی ہے کہ اتنی صاف بات بھی کسی کے سمجھ میں نہیں آئی۔ ؟

خلاصۂ مطالب

ہم نے گذشتہ تین نمبروں میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔ بہتر ہوگا اگر ان کو بطور حاصل بیان کے یہاں عرض کر دوں۔

(۱) موجودہ تغیر خیالات ایک قیمتی فرصت ہے۔ اگر ایک دیوار ٹیڑھی کھڑی کر دی گئی ہو۔ اور آپ اس کے نقص کو معلوم بھی کر لیں۔ تاہم کسی بنی ہوئی چیز کا گرانا اور پھر از سر نو بنانا اس درجہ مشکل کام ہوتا ہے کہ ممکن ہے برسوں تک آپ کو نئی دیوار کھڑی کرنے کی مہلت نہ ملے۔ لیکن اگر طوفان یا بارش کے ناگہانی حملے سے گر جائے۔ تو پھر آپ کو نئی دیوار بہر صورت بنانی ہی پڑے گی۔ یہی حال مسلمانوں کی قدیم پالیسی کا ہے۔ وہ خود بخود گر چکی ہے۔ نئی پالیسی کی دیوار بنانے کے لئے اب پچھلی دیوار کے گرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اب جو بنیاد رکھی جائے۔ وہ درست ہو۔

(۲) مسلمانوں کے لئے ہر شے ان کے مذہب میں ہے۔ پس اگر وہ آجکل پلیٹکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کی جگہ اس شے ہی کو کیوں نہ مہیا کر لیں۔ جو نہ صرف پالیٹکس، بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کر دے۔ ؟

ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلے میں کوئی لفظ ہے تو "خدا" یا "اسلام" ہے۔

تشخیص کے بعد

اگر تشخیص کے بعد علاج آسان ہے۔ اگر گذشتہ امراض کی دریافت کے بعد آئندہ کے لئے حصول صحت میں کوئی دشواری نہیں۔ اور اگر صحت کی آرزو کے ساتھ مرض کے حصول کی خواہش کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ تو مسلمانوں کے لئے اُن کی آئندہ شاہراہ مقصود کا سوال بالکل صاف ہے۔ اور وہ ایک ہی ہے۔ آج تک ان کی تمام کوششیں اس لئے بار آور نہیں ہوئیں۔ کہ ان کو آگ کی تلاش تھی۔ چاہیئے تھا کہ چنگاریوں کو پھونکتے تاکہ آگ بھڑکتی۔ اور تنور گرم ہو جاتا لیکن وہ ہمیشہ راکھ کے ڈھیر کو پھونکتے رہے۔ ان کی محنت میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ راکھ پھونکنے سے آگ نہیں پیدا ہو سکتی۔

ونار لو نفخت بہا اضاءت
ولکن انت تنفخ فی الرماد

غلاف اعمال کی یہی مثال ہے۔ جو قرآن حکیم نے دی ہے۔ اور فی الحقیقت قرآن کے سب سے گہرے معارف اس کی مثالوں ہی میں ہیں۔

مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف۔ لا یقدرون مما کسبوا علیٰ شئ ذالک ھوا لضلال البعید۔

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی اطاعت سے انکار کیا۔ ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے۔ گویا راکھ کا ڈھیر تھا۔ کہ آندھی کے دن اس کو ہوا اڑا لے گئی۔ اسی طرح جو کام ان لوگوں نے کئے ہیں ان میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آئیگا۔ یہی گمراہی بڑے درجے کی گمراہی ہے۔

مسلمانوں میں تعلیمی رفتار اب تک مقابلتاً کیوں سست ہے؟ پولیٹیکل

ہاں رہ عشق ست، کہ گشتن ندارد بازگشت
جرم را ایں جا عقوبت ہست استغفار نیست

گذشتہ مطالب کے گوش گذار کردینے کے بعد، اب صرف چند باتیں اور عرض کرنی باقی رہ گئی ہیں۔ اگرچہ سچ پوچھئے تو پوری داستان ہی باقی ہے۔ اور شاید ہمیشہ باقی ہی رہے گی۔

قصۂ عشق بہ شیرازہ نگنجد زنہار
بگذارید کہ ایں نسخہ مجزا ماند

اس تبدیلی کے نتائج

قدرتی طور پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر ایسی تبدیلی عمل میں آگئی (وما ذالک علی اللہ بعزیز) تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔؟ آغاز مضمون میں جن آئندہ خطرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ کیا کیا ہیں۔؟

لیکن غور کیجئے تو در اصل ہماری دعوت اثبات فوائد و نتائج سے مستغنی ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہر وہ انسانی عمل جو تعلیم الٰہی کی ہدایت بخشی سے خالی ہے۔ کبھی فوز و فلاح نہیں پا سکتا۔ اگر ہم اپنی دعوت کی خوبیاں ثابت نہ کر سکیں۔ تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اس کے لئے یہی ایک خوبی کافی ہے کہ اوروں کی دعوت انسانوں کی طرف سے ہے۔ اور اس کی پکار تعلیم الٰہی کی طرف

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا و قال اننی من المسلمین۔

اور اس سے بہتر اور کس کی پکار ہو سکتی ہے۔ جس نے اللہ کی طرف بلایا، اعمال نیک انجام دیئے اور اپنے تئیں کسی انسانی نسبت کی طرف نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف منسوب کر کے کہا۔ کہ میں صرف "مسلم" ہوں۔

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

(۳) قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرض بتلانے ہی کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لئے ایک کامل و اکمل قانون فلاح ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں۔ پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل، جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا۔ ان کے لئے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔

(۴) مسلمانوں کا تمام کاروبار خدا سے ہے۔ اور خدا کے سوا جو کچھ ہے۔ وہ ان کے لئے اصنام و طواغیت یعنی بتوں کا حکم رکھتا ہے۔ پس جب تک وہ خدا کے آگے نہیں جھکیں گے۔ دنیا کی کوئی چیز ان کے آگے نہیں جھکے گی۔

(۵) ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیئے اور ساری طاقت ان میں صرف کر دینی چاہیئے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ اسلام ہی ان کے لئے پالٹکس کی راہ کھولے گا۔ تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و خصائل میں تبدیلی پیدا کر دے گا۔ اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصان اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔ ھذہ تذکرۃ، فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔

(۴)

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔

مسلمانو! اگر اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو تو پھر تم پر کوئی شے غالب نہیں آ سکتی لیکن اگر اللہ ہی تم کو شکست دینا چاہے۔ تو بتلاؤ کہ اس کے بعد پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صاحبان ایمان تو صرف اللہ ہی سے اپنا کاروبار رکھتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں

نے اس کے صفحہ جبلت پر کھینچ دیا ہے۔ اگر باہر کے غوغائے ضلالت نے اس کے سامعہ کو مشغول نہ کر دیا ہو۔ تو جب کان لگائے، اس آواز کو سن سکتا ہے۔ اور جب آنکھ بند کرے۔ اس نقش کو دیکھ سکتا ہے۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید۔ — اور اس میں بہت بڑی بصیرت ہے اس کے لئے، جو اپنے پہلو میں سوچنے والا دل رکھتا ہو۔ اور جس کے سر میں سننے والا کان ہو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ دسترخوان کے لذائذ کا اعتراف کرنے کے لئے ایک تندرست شخص کی زبان چاہیئے۔ نہ کہ ایک ایسے مریض کی، جو رات بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر بستر سے اٹھا ہو۔ اگر آپ کے منہ کا مزہ بگڑا ہوا ہے۔ تو آپ شہد کو حنظل ثابت کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ اپنے کام و زبان کے ذوق رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

پس حقیقت اندیشی کی نظر ڈالیے تو اتباع دین الٰہی کے داعی کے سر بحث واستدلال کا کوئی بار نہیں ہے۔ اس نے جس وقت یہ کہا کہ تعالوا علی ما نزل علی الرسول (اس تعلیم کی طرف آؤ جو خدا نے اپنے رسول کریم پر اتاری) تو وہ اسی وقت سبکدوش ہو گیا۔ کیونکہ اگر اس کی دعوت دلیل کی محتاج تھی۔ تو اس نے دعوے کے ساتھ دلیل بھی پیش کر دی۔ روشنی کے لئے یہی دلیل ہے کہ وہ روشنی ہے۔ اس کی صداقت کی اس سے بڑھ کر برہان مبین اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ انسانوں کی طرف نہیں بلاتا۔ بلکہ داعی الی اللہ و ما نزل علیٰ رسولہ ہے:۔

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ۔ — اس تعلیم کی طرف آؤ جو تم میں اور ہم میں مشترک ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکاؤ۔

انسانی اعمال و اقوال دوسرے انسان کے لئے محتاجِ تصدیق ہیں۔ مگر خدا کی آواز جب انسان کو مخاطب کرتی ہے۔ تو وہ خود حق اور صداقت ہے۔ اور اپنی تصدیق کے لئے کسی استدلال کی محتاج نہیں۔ اگر سچ کوئی متشکل وجود ہوتا۔ اور بولتا۔ تو کیا اس سے دلیل طلب کی جاتی کہ وہ سچ ہے؟ آفتاب اگر کہے کہ میں روشن ہوں۔ تو آپ اس کے جواب میں کیا کہیں گے۔؟

ہم جلدی میں لکھ گئے کہ "ہمارا اعتقاد ہے"۔ حالانکہ "ہر مومن قلب" کا یہی اعتقاد ہونا چاہیئے۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ" وہ صحیح الفطرت انسان، جس کی فطرت اصلی کا ذوق خارجی اثراتِ ضلالت سے بگڑ نہ گیا ہو۔ کیونکہ انسان کی "فطرت اصلی" اور "اسلام" دو مترادف لفظ ہیں۔ اور فطرت انسانی کا اگر کوئی مذہب ہے۔ تو وہ اسلام ہی ہے۔ اس کے خلاف انسان کے جس قدر اعمال ہیں ان کو خارجی اثرات کی پیدا کی ہوئی ضلالت سمجھئے۔ ہر ایسی ضلالت کو جو سرشت انسانی کے خلاف ہو۔ قرآن حکیم "عمل الشیطان" سے تعبیر کرتا ہے۔ کہ عمل رحمانی تکوین فطرت اصلی و ودیعت تمیز ہدایت وضلالت ہے۔ کما ورد فی الحدیث المشہور، کل مولود یولد علی الفطرۃ (او علی فطرۃ الاسلام) فابواہ یھودانہ وینصرانہ (الی آخرہ)

فاقم وجھک للدین القیم۔ فطرۃ اللہ الذی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔

پس صرف دین قیم فطری کے ہو جاؤ۔ وہ خدا کی قائم کی ہوئی فطرت ہے۔ جس پر انسان پیدا کیا گیا۔ اور خدا کی فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

پس ہر صحیح الفطرت انسان کے لئے یہ دعوت ایک ایسی صداقت بحث ہے۔ جو کسی بحث واستدلال کی محتاج نہیں۔ یہ اس کے لئے کوئی نئی دعوت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اندر کی اس صدائے فطرت کا اعادہ ہے۔ جو ہر آن وہر لحہ اس کے اعماق قلب سے اٹھ رہی ہے۔ اور اس نقش خلقت کا عکس ہے۔ جو نقاش قدرت

میں قرآن ہم کو کس طرف لے جائے گا؟ تعلیم میں ہم آج جو علوم وفنون جدیدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو مقصد انتہائی ہمارے پیش نظر ہیں۔ مذہب کی راہ سے بھی وہاں تک پہنچ سکیں گے یا نہیں؟ اور اگر پہنچیں گے۔ تو خالص تعلیمی تحریک اور اس تحریک میں کیا فرق ہوگا؟ معاشرت میں اس کا ہاتھ ہمیں کہاں تک لے جائے گا؟ اور جو زندگی ہماری ہوگی۔ وہ بیسویں صدی کی معاشرتی ضروریات سے مطابق ہو سکے گی یا نہیں۔؟ پالیٹکس میں اس کی تعلیم کیا ہوگی؟ وہ غلامانہ محکومی کو فضیلت انسانی قرار دے گا۔ جیسا کہ اب تک مسلمانوں کا حال رہا۔ یا آزادی وخود مختاری، جمہوریت ومساوات کا ولولہ پیدا کرے گا۔ جس کی طرف موجودہ تغیرات کا عام رجحان ہے" اور پھر بالفرض تعلیم قرآن یا اسلام کی راہ سے ہم نے ایک آزادانہ پولیٹیکل پروگرام مرتب بھی کر لیا۔ تو اس میں عزت وفضیلت کیا ہوئی۔ کیونکہ یہی شئے ہم مذہب سے الگ رہ کر یورپ کی موجودہ جمہوریت کے اتباع اور ہمالیوں کی تنظیم سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔؟

یہ سوالات ہیں، جن کا جواب دینا اس حصہ بحث میں ضروری ہے۔

لیکن تعلیم اور معاشرت سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ پالیٹکس کی شاخ پر نظر ڈالیں، کیونکہ گو آج تک مسلمانوں کی اصلاح پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ تعلیم اور معاشرت کی اصلاح مذہب کی راہ سے شروع کی گئی ہو۔ مگر تاہم چونکہ نئے مصلحین کا سرمایہ اصلاح اب تک صرف تعلیم ہی رہا ہے۔ اس لئے گاہ گاہ ان کے ایوانِ تجدید میں بر بنائے مصالح چند در چند، مذہب کو باریابی کی عزت دے دی جاتی ہے۔ اور چنداں بے التفاتی پر اصرار بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی جیب پر اب تک مذہب کی حکومت کچھ نہ کچھ باقی ہے اور اس صید کے لئے چندے کے جال میں سب سے زیادہ پرکشش مذہب ہی کا ہے۔

تاہم کیا کیجئے کہ بدبختی سے زمانہ وہ آگیا ہے۔ جو ایک مسلمان کے آگے اسلام کی خوبیوں کو ثابت کرنا بہ نسبت ایک مسیحی کے زیادہ ضروری ہے۔ عین نصف النہار کی دھوپ میں کھڑا ہو کر روشن ہونے کا ثبوت کیا ہے۔؟ پیاس کسی کو نہیں ہے مگر پانی سے پوچھتے ہیں کہ اسے کیوں تشنگی کے لئے مفید تسلیم کیا جائے۔؟

حریف کاوش مژگان خون ریزش نئی زاہد
بدست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن

بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اس دعوت کے نتائج پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں روشنی کی برکتیں کسے معلوم نہیں۔ مگر پھر بھی آپ بار بار دہرا دہرا کر کہے جائیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ لوگوں نے تاریک غاروں اور تہہ خانوں کو اپنا نشیمن بنالیا ہے۔ کذالک نصرف الایات لعلھم یتذکرون اور اسی لئے ہم بار بار دُہرا کر موعظت و تذکیر سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ لوگ سوچیں اور غور کریں ہماری دعوت دراصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمان اپنے تمام اعمال میں جب تک کوئی علمی مذہبی تبدیلی پیدا نہیں کریں گے۔ محض سیاسی یا تعلیمی تغیرات و ترقیات ان کے لئے سودمند نہیں ہوسکتیں۔

(۲) تعلیم، معاشرت اور سیاست میں ان کو بربنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیئے؛ بلکہ بربنائے مذہب۔

پہلے حصے کو ہم موخر رکھ کر سردست دوسرے ٹکڑے پر ایک مختصر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

ہم نے گذشتہ نمبر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں تعلیم قرآنی کے ہاتھ پر چھوڑ دیں۔

مدعی بر دہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کہا جائیگا کہ اگر ہم ایسا کریں۔ تو تعلیم، معاشرت اور پالٹیکس

اب ہم صرف اس حصہ مبحث پر نظر ڈالتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے آئندہ کیلئے اپنا پولٹیکل پروگرام مذہب کی بنا پر قرار دیا۔ تو ایک خالص پولٹیکل تحریک کے مقابلے میں کیا نتائج مرتب ہوں گے۔؟

اتباعِ شک اور اتباعِ یقین

اولین اور بنیادی شے تو یہ ہے کہ اگر ایک " راہ یقین " کی دعوت آپ کو پکار رہی ہے۔ تو آپ " شک " اور " ظن " کی طرف کیوں دوڑتے ہیں ؟ وہ پالیسی جو محض انسانی اتباع اور نظر کی بنیاد پر قائم کی جائے گی۔ شک اور گمان ہوگی۔ کیوں کہ انسانی دماغ کا ہر خیال شک ہے۔ خواہ اس کا نام محصور علم ہو۔ محدود تجربہ، اور یقین کا سر چشمہ اگر کوئی ہے تو وہ " اسلام " یا مذہب حقیقی " ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ہر جگہ کفر و ضلالت اور الحاد و دہریت کو " شک " اور " گمان " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ کی انتہائی سرحد میں بھی اگر کوئی ڈھونڈھنا چاہے تو یقین کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک ملحد فلسفی ہر چیز میں شک کر سکتا ہے کہ یہ کیوں کر ہے۔؟ لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ نہیں ہے۔ تو نفی کے لئے حکم یقینی کہاں ہے؟ تو اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن مذہب ایک یقین کی دعوت لے کر آتا ہے۔ وہ حقائق اور وجود میں شک نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ حقائق کے لئے ایک یقین اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ:۔

ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللّٰہ وما انا من المشرکین	یہ ہے میرا طریقہ کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اس یقین پر، جو مجھ کو اور میرے ماننے والوں کو اس طریق پر ہے۔

اس نے ہر جگہ منکرین تعلیم الہٰی کو سب سے بڑا الزام یہ دیا ہے

ما لھم بذالک من علم	ان کے پاس کوئی علم و یقین نہیں

واعظین و مصلحین! حال میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر اسلام و قرآن کے استغراق و انہماک سے بالکل عدیم الفرصت رہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے "حامی تعلیم" "دین فطری" اور "مصلح اخلاق معاشرہ" ہونے کے بہت سے دلآویز اسباق ان کے نوکِ زبان ہیں۔ بعضوں پر تو کانفرنسوں کی خانقاہوں میں جب ہیجان جذبۂ قومی سے عالم تواجد و تراقص طاری ہوتا ہے۔ تو "فطرۃ" اور "اسلام" کا پردۂ بیگانگی و تعین بکلی مرتفع ہو جاتا ہے۔ اور عالم اتحاد کے مشاہدات سے بخود ہو کر "الاسلام ہو الفطرۃ ، والفطرۃ ہی الاسلام" کا ترانۂ وحدت گانے لگتے ہیں۔

یارب ز سیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک دین فطری ہے۔ التی فطر الناس علیہا۔ اور تمام عالم میں کوئی انسانی فطرت ایسی نہیں ہے۔ جو اس کے ساتھ جمع نہ ہو سکے۔ لیکن اگر انسانی خلقت کے بعض نمونے ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے اس دین فطری کے ان نئے مصلحین و واعظین کے ہیں۔ تو پھر تو اسلام کی فطرت کے مقابلے میں شکست تسلیم کر لینا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انسانوں کی فطرت اسلام سے اس درجہ متبائن و متضاد واقع ہوئی ہے۔ کہ آج تک ان کی فطرت اعمال کے ساتھ یہ دین فطری ایک لحہ کے لئے بھی جمع نہ ہو سکا۔ اور گو وہ یورپ کے معترضین اسلام کو نماز کا فلسفہ اور روزے کے دقائق فطریہ سمجھانے کے لئے پورے مستعد ہیں۔ مگر سوئے اتفاق سے اس فلسفہ و اسرار فطرت کو کبھی ان کے ایوانِ اعمال میں باریابی کی عزت نصیب نہیں ہوئی۔ بل قلوبہم فی غمرۃ من ھذا ولہم اعمال من دون ذالک ھم لہا عاملون۔ (ان لوگوں کے دل اس دین فطری سے غافل ہیں۔ اور ان کے دوسرے اعمال بھی جن کے وہ مرتکب ہوتے ہیں)

عدم تغیر واستقلال رائے

ہم نے کسی گذشتہ نمبر میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی ایک ایسی پولیٹیکل پالیسی تیار کرنی چاہیے۔ جو کبھی متغیر نہ ہو۔ اور جس کی بنیاد ایک محکم عقیدہ ہو۔ نہ کہ بعض خارجی اسباب، لیکن مذہب کے سوا اور کون سا اعتقاد ہو سکتا ہے جو تغیر و تبدل سے محفوظ ہو۔؟ انسانی آراء و قیاس میں تغیر لازمی ہے۔ کیونکہ وہ ظنون اور اوہام ہیں۔ اور خارجی اسباب و علل کے تابع، لیکن احکام الٰہیہ کی پہلی پہچان یہ ہے کہ وہ ایسی یقینیات ہوں۔ جن میں کبھی تغیر نہ ہو سکے۔ اگر کوئی مذہبی حکم متغیر ہو سکتا ہے۔ تو وہ اس کا مستحق ہی کب ہے۔ کہ اس کو مذہب کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ ؟ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

پس اگر مسلمانوں کی پولیٹیکل پالیسی ان کے مذہبی اعتقاد پر مبنی ہوئی تو جب تک ان کے دلوں میں اسلام کا اعتقاد باقی ہے۔ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان کے ہمسایوں کی پالیسی بدل جائے گی۔ مگر ان کی پالیسی بدل نہ سکے گی کیونکہ جس راہ نما کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہوگا۔ اس کی راہ ایک ہی ہے۔ اگر گورنمنٹ کی پالیسی میں تغیر ہو۔ تو اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ انسانی حکومتوں کے اصول حکمرانی ہی نہیں، بلکہ سرے سے حکومتیں ہی بدل جائیں، تو بھی اسلام نہیں بدل سکتا۔ اور اسلام نہیں بدل سکتا۔ تو ہر اس سے ماخوذ اور اس پر مبنی اعتقاد بھی نہیں بدل سکتا۔

تصادم احزاب و تزاحم آراء

اب تک مسلمان ملکی ترقی اور آزادی کی تمام تحریکوں سے فی الحال الگ ہو رہے ہیں۔ اس لئے ان کو پولیٹیکل زندگی کے سفر کی کوئی منزل پیش ہی نہیں آئی۔ یہ منزلیں ابتدا سے طے شدہ اور مقرر ہیں۔ اور ہر محکوم قوم جو سیاسی زندگی حاصل کرنا چاہے گی۔ ضرور ہے کہ ان سے ایک بار گذر جائے منجملہ ان منازل کے ایک نہایت خطرناک منزل پولیٹیکل مطالبات کا اصولی

ان یتبعون الا الظن و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا

سوا اس کے کہ شک اور گمان میں گمراہ ہو رہے ہیں۔ حالانکہ شک یقین کے مقابلے میں کب ٹھہر سکتا ہے۔؟

دوسری جگہ کہا:-

هل عندكم من علم فتخرجوه لنا۔ ان تتبعون الا الظن، وان انتم الا تخرصون

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ جو ہمارے آگے پیش کر سکو؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نہیں، صرف اپنے واہموں پر چلتے ہو۔

بلکہ اگر قرآن کریم پر تدبر و تفکر کی نظر ڈالی جائے۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ "کفر" اور "شک" اس کی اصطلاح میں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور وہ کفر کو ہر جگہ شک پرستی سے اور اسلام کو یقین و علم سے تعبیر کرتا ہے۔ (لیکن یہ اس بحث کا موقعہ نہیں)

پھر سوال یہ ہے کہ اتباع و پیروی کی مستحق وہ تعلیم ہے۔ جو یقین اور اعتقاد بخشتی ہو۔ یا وہ، جس کا تمام تر حاصل شک اور ظن ہے۔؟

افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع، امن لا یهدی الا ان یهدی، فما لکم کیف تحکمون، وما یتبع اکثرهم الا ظنا، ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان الله علیم بما یفعلون۔

جو حق اور یقین کی راہ دکھلائے۔ وہ زیادہ اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اس کی پیروی کی جائے۔ یا وہ انسان جو خود کسی راہ دکھلانے والے کا محتاج ہے؟ تم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنے وہم و قیاس کی اٹکلوں پر چلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہم یقین کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

نتیجے سے محفوظ ہو جائے۔ ہندوستان کا موجودہ پولٹیکل سکون اسی کا نتیجہ ہے۔ اور مصر میں "حزب الوطنی" کی تحریک اسی لئے بار آور نہ ہو سکی کہ وہاں کی ماڈریٹ پارٹی (حزب الامہ) کو انگلستان نے اپنے ہاتھوں لے لیا۔ اور آزادی کی ایک تلوار سے دوسری تلوار کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

مسلمان اگر پولٹیکل جد و جہد کا سفر شروع کرنا چاہتے ہیں (اور افسوس کہ اب شروع کرتے ہیں) تو ان کے لئے بھی اس منزل سے گذرنا ضروری ہے۔ لیکن ہم کو یقین ہے کہ اگر وہ اپنی پولٹیکل زندگی کو مذہب سے وابستہ کر دیں۔ اور جس راہ کو اختیار کریں، اسے اپنا ایک مذہبی حکم سمجھ کر اختیار کریں۔ تو اسلام کے خوارق سے بعید نہیں کہ وہ ان کو ان موانع راہ سے بالکل محفوظ کر دے۔ اور وہ اس امن و سکون کے ساتھ راہ سے گذر جائیں۔ کہ سیاسی جد و جہد کے کلیات میں ان کا وجود ایک مثال مستثنیٰ ہو۔

ہم نے کہا کہ کچھ بعید نہیں۔ لیکن غور کیجئے تو ایسا ہونا یقینی لازمی ہے جب مسلمان اپنی پولٹیکل جد و جہد کو محض سیاسی ولولوں سے نہیں۔ بلکہ اپنے اعمال دینی کی طرح شروع کریں گے۔ تو ان کی زندگی اور اعمال احکام دینی کے تحت میں آکر بالکل محدود و متعین ہو جائیں گے۔ اختلاف و نزاع تو جب ہو، جب انسانی نزاع کو اس میں دخل ہو۔ مذہبی احکام تعبد میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان کا پولٹیکس مذہب کی حکومت میں آ جائے گا۔ وہ خود مختار نہ ہوگا۔ کہ اپنے لئے مقصد اور اس کے حاصل کرنے کے وسائل ڈھونڈھے۔ بلکہ جو ایک ہی مقصد اور ایک ہی طریق حصول مقصد، اس کو مذہب بتلا دے گا۔ مجبور ہوگا۔ کہ صرف اسی میں محدود رہے۔ جس طرح ایک مسلمان نماز پڑھتا۔ اور روزہ رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک سیاسی مقصد کو حکم الٰہی سمجھ کر تلاش کرے گا۔

اختلاف ونزاع، اور اس بنا پر مختلف پارٹیوں کا قیام ہے۔ بغیر اس منزل سے گذرے اس راہ کو طے کرنا تاریخ کے تجربے اور موجودہ واقعات کے مشاہدے کے لحاظ سے تقریباً محال ہے۔ ملکی آزادی کی خواہش کو دل میں پیدا ہونے اور نشوونما پانے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ تو پھر آپ کے پاس کوئی مقیاس الحرارت نہیں ہے۔ جس سے ہمیشہ اس حرارت دماغ سوز کی ڈگری کا ڈگری کا خط دیکھتے رہیں۔ پولٹیکل زندگی مختلف طبائع میں مختلف درجے کی حرارت پیدا کردیتی ہے اور اس لئے پولیٹکل جدوجہد کے شروع ہوتے ہی مختلف جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں سب سے بڑا نزاع ملکی آزادی کی آخری منزل کی نسبت ہوتا ہے۔ کہ وہ کیا ہو۔؟ ایک جماعت خالص جمہوری اعتقاد پر قائم ہوجاتی ہے۔ دوسری جمہوریت کو شاہی اقتدار کے ساتھ قائم رکھنا چاہتی ہے۔

ایک جماعت غیر ملکی حاکموں کے زیر سیادت خود مختار ملکی حکومت پر قناعت کرلیتی ہے۔ دوسری جماعت ملک کو صرف ملکیوں کے لئے چاہتی ہے۔ اور اس کا نصب العین صرف حکومت خود اختیاری ہی نہیں۔ بلکہ اغیار وا جانب سے ملک کو خالی کرنا بھی ہوتا ہے۔ اگر دور نہ جائیں تو اپنے برادران ملک کی پولیٹکل جدوجہد میں اس کی مثال آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اس نزاع احزاب، اور اختلاف مقاصد کا سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوجانا بالکل قدرتی ہے۔ یہ طبیعت انسانی کے طبیعی جذبات، حرص وقناعت اعتدال وسختی۔ اور شدت ونرمی کا پولیٹکل ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے بلا استثنار دنیا کے سیاسی جدوجہد کے عہد کے قریب میں کوئی قوم اس منزل سے گذرے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ اختلاف ونزاع جس درجہ ناگزیر نظر آتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی مضرتیں واضح ہیں۔ سب سے پہلا مضر نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ ملکی آزادی کے حملے سے بچنے کے لئے یہ نزاع حکومت کے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈھال بن جاتا ہے اور حملہ آوروں کا باہمی نفاق، حریف کو فرصت دے دیتا ہے۔ کہ جنگ کے

گھر کے لئے بھی فالو میں موزوں ہے۔ انیس سو برس پیشتر ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ "دشمنوں کو بھی پیار کرو۔ کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو ہی چاہا تو تمہارے لئے کیا اجر۔؟"

اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق بھی ہیں کہ پیار کرو، خاکسار بنو، کسی سے بغض نہ رکھو۔ سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو۔ اور جس کو سامنے دیکھو سر جھکاؤ۔ سوسائٹی نے بھی صدیوں سے ان تعلیموں کو اعتقاداً قبول کر لیا ہے اور اصطلاحی 'اخلاق' 'مذمت' 'پاس و لحاظ' 'شرم و حیا' 'شرافت و انسانیت' تمام الفاظ انہیں معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے مقابلے میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے۔ جہاں اگر اس کی یہ غریب و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ اور دنیا میں اگر اس کی صدا پہلی تعلیم دیتی ہے۔ تو خود اس کا عمل دوسری شکل میں سامنے آتا ہے۔ وہ چور کو قید کرتا ہے۔ قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے۔ نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے۔ اتنی ہی بدی کو بُرا بھی کہتا ہے۔ زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے۔ اس لئے اچھا ہے! عمر کو کہتا ہے کہ تم بداعمال ہو اس لئے بُرے ہو۔ ظالم سے اس کے ظلم کا اور مجرم سے اس کے جرم کا مطالبہ کرتا ہے۔ پہلی حالت میں جس قدر عاجز تھا اتنا ہی اس حالت میں مغرور و متکبر ہو جاتا ہے پہلے اگر عاجز دل کے جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر اپنے سینے پر جگہ دیتا تھا تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر صرف معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی۔ تو اس عمل سے پوری دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں اصول کے لئے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور فیصلہ ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہِ تطبیق

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

السا کت عن الحق شیطان اخرس

کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس، تامرون بالمعروف
وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ۔

(۱)

ایک اصولی بحث

سچ یہ ہے کہ پل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس کا سامنا صرف قیامت کے دن پر ہی کیوں اٹھا رکھا جائے؟ (الدنیا مزرعۃ الاخرہ) آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے۔ یہ پل صراط اور حقیقت (اخلاق) کی دشوار گذار راہ ہے۔ جذبات و امیال انسانی کے اعتدال کا لاینحل مسئلہ ہی اصلی پل صراط ہے۔ بال سے باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور اس کے نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر، آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گزرنا ہو۔

وان منکم الا واردھا
کان علیٰ ربک حتما
مقضیا

تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے نہ گزرے یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے۔ جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حب و بغض، تولا و تبرا، تحسین و تذلیل، اور عفو و انتقام کا بھی ہے۔ ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دل کو محبت کے لئے مخصوص کر دو۔ کہ اس

نہ تھکے۔ شرک و بت پرستی کے اس عام سکون میں اگر کوئی صدائے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے ایک قدیمی نشتر کی طرح۔

لئن اتخذت الٰھاً غیری لاجعلنک من المسجونین۔ — اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تونے اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کردوں گا۔

کا غل مچ جاتا ہے۔ اور صرف یہ معبودانِ باطل ہی نہیں، بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایک قدیمی سنت ہے۔ اور دنیا میں جب کبھی سچائی آئی ہے۔ تو اس کو ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے مقابل ہونا پڑا ہے۔ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔

ایسے موقعوں پر عموماً اخلاقی مواعظ سے کام لیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بڑے آدمیوں پر حملہ کرنا انسانیت اور تہذیب کے خلاف ہے۔ گالیاں دینا کوئی اچھی عادت نہیں، اختلاف رائے ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف آرا رکھنے والوں کی تذلیل و تحقیر کی جائے۔ پھر اگر ایسا کرنے کے لئے آپ مجبور ہیں تو ذرا لہجہ نرم کیجئے اور شکایت بھی کیجئے تو شکر کے لہجہ میں کیجئے نرمی اور محبت سے کام نہ نکلے تو تلخی دکھلانا شان شرافت نہیں۔

آج کل بھی کہ ہشیاری اور بیداری کی نہیں تو خمار و سرشاری کی ایک کروٹ تو مسلمانوں نے ضرور بدلی ہے۔ نکتہ چینوں کی زبانوں کو ایسے ہی ظاہر فریب اور اخلاق نما جملوں سے بند کیا جا رہا ہے۔ پس ہم چاہتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے اصولاً اس مسئلے پر غور کریں کہ فی الحقیقت اس بارے میں کوئی فیصلہ ہمارے پاس ہے یا نہیں؟ کسی کو برا کہنا یقیناً اچھی بات نہیں، دل محبت کے لئے ہے نہ کہ عداوت کیلئے لیکن کیا ایسی صورتیں بھی ہیں۔ جن میں یہ برائی ہی سب سے بڑی نیکی اور بھلائی ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے اسے اخلاق کے عام اصول کے لحاظ سے دیکھئے جب بھی فیصلہ صاف ہے۔ دنیا میں جس دن اخلاق نے کہا کہ نیکی کو نیک اور نیک عمل کو اچھا کہو۔ کیونکہ

گیا ہے۔ عفو و درگذر کے اصول سے کام لیجئے تو دنیا میں نیکی و بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ انتقام و پاداش کی راہ اختیار کیجئے تو دنیا سے رحم و محبت نابود ہو جاتی ہے۔ سب کو اچھا کہئے۔ تو صرف اچھوں کے لئے پھر آپ کے پاس کیا ہے۔ برائی کیجئے تو اس کے سد و داد و فیصلہ کن اصول کیا ہیں۔؟

❊

آج ملک میں جو طبقہ شخصی حکومت کے جراثیم سے مریض ہو رہا ہے وہ گو خود جاں بلب ہے۔ مگر اس کی نظر اپنے مرض پر نہیں بلکہ دوسروں کی شکایتوں پر ہے۔ غلامی کے حلقوں کے لئے سب کے کان چھدے ہوئے ہیں۔ پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ ان حلقوں اور بیڑیوں کے لئے ضرور نہیں کہ وہ تخت و تاج کی طرف سے بخشے گئے ہوں۔ بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر، ہر قیمتی کپڑا، ہر قیمتی موٹر ہر ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکے ہوں۔ ایک قانونی اور موروثی حق رکھتا ہے۔ جس کو چاہے اپنے حلقۂ غلامی کے انتساب کا فخر دیدے۔ رسول عربی ؐ کے وقت میں تین سو ساٹھ بت تھے جن سے بیت خلیل کی دیواریں چھپ گئی تھیں۔ لیکن آج اس کی اُمت میں ہر چمکیلی ہستی لات و منات کی قائم مقام ہے۔ اور ہر حاکم، ہر رئیس، ہر حکام رس اور سب سے آخر، مگر سب سے پہلے۔ ہر خوش لباس لیڈر ایک بُت کا حکم رکھتا ہے۔ پوری ملت ہوجاں کی پوجا اور پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے۔ جو قریش مکہ کے پاس تھا۔ کہ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ ویعبدون من دون اللہ ما لا ینفعھم ولا یضرھم ویقولون ھؤلاء شفعاءنا۔

اس انسان پرستی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح و تحسین کی عادی ہو گئی ہیں۔ جو نکتہ چینی اور نقد و اعتراض کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہر شخص مخاطب سے گر کوئی قدر ‌‌ی امید رکھتا ہے۔ تو وہ یہی ہوتی ہے کہ مدح و منقبت کا ترانہ سنائے اور بادہ تحسین و آفریں کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کھینچ

ہے۔ قاتل کا قتل بدی تھا۔ لیکن عدالت کا فتوے قتل نیکی ہو گیا۔
ہم نے بغیر کسی ترتیب کے چند جملے پھیلا دیئے کیونکہ یہ اخلاق کے ایسے عام اعمال ہیں جن کو یاد دلا دینا ہی کافی ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر انسان اخلاقاً نرمی و آشتی اور محبت و عفو کا مستحق ہے۔ اور کسی کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا اخلاق کے اصول کے خلاف ہے وہ اخلاق کے نام سے ایسی سخت بد اخلاقی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جس پر اگر ایک لمحے کے لئے بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کا تخت گاہ بن جائے۔ نیکی و اعمال صالحہ کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ قانون، اخلاق، مذہب حسن و قبح کی تمیز اور نور و ظلمت کی تفریق کوئی بھی خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ رہے۔

یاد رکھو کہ ہر محبت کے لئے ایک بغض لازمی ہے۔ اور کوئی عاجزی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ متکبر و مغرور کبھی نہ ہو۔ نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا۔ اور خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو شیطان کی دشمنی کی پروا مت کرو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے فیصلہ کن حدود معین ہونے چاہئیں نرمی آشتی اور عفو و درگذر کے مقامات کیا ہیں۔ اور سخت گیری و پاداش و انتقام کا حق کس موقعہ پر حاصل ہوتا ہے۔؟

*

عام اخلاق کے اصول بھی ان سوالوں کا جواب شاید دے سکتے ہیں۔ مگر ہم تو دنیا کی ہر شے کو مذہب ہی میں ڈھونڈھتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم ایک امام مبین، تبیانا لکل شئی، بیان للناس، نور و کتاب مبین، اور انسان کے ہر اختلاف و نزاع کے لئے ایک حاکم ناطق ہے۔ اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجود ظلی اس کے حامل و مبین کی زندگی کے اعمال ہیں کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ

بغیر اس کے دنیا میں نیکی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی وقت اس نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ نیکی کی خاطر بدی کو برا اور بدعمل کو قابل نفرین سمجھو۔ کیونکہ نیکی کو اس کا حق تحسین مل نہیں سکتا۔ جب تک بدی کو اس کی سرزنش اور نفرین نہ مل جائے۔

زیادہ غور کیجئے تو یہ ایک قدیم اور عام معمول یہ بات ہے گو اس کا آپ کو حس نہ ہو۔ دنیا میں اخلاقی محاسن فی الحقیقت ایسے اغراض ہیں۔ جو بغیر کسی اضافی تعلق کے کوئی وجود مستقل نہیں رکھ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے۔ اور اب بھی مشکل ہے۔ پس ان محاسن و فضائل کا اگر کوئی وجود ہے تو صرف ان کے اضداد کے تقابل ہی کا نتیجہ ہے۔ جب تک رذائل انسانی کو نمایاں نہ کیجئے گا۔ فضائل انسانی وجود پذیر نہ ہوں گے۔ اس لئے روشنی اور تاریکی کی مثال شاید فہم مقصد میں معین ہو کر روشنی کا وجود صرف تاریکی کے وجود ہی کا نتیجہ ہے۔

رہا اخلاقی تعلیمات اور اعمال کا اختلاف۔ تو یہ تو اخلاق کے ہر مسئلے میں درپیش ہے مگر درحقیقت دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اخلاق دنیا میں کسی شے کو فی نفسہٖ اچھا یا برا کہنے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی ہر تعلیم نسبت و اضافت سے وابستہ ہے۔ اور اس کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی شے اس کے آگے نہ تو اچھی ہے اور نہ بری، ایک ہی چیز کا بعض حالتوں میں نام نیکی ہوتا ہے۔ اور بعض حالتوں میں بدی۔ یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے۔ عفو و درگذر آشتی و محبت، نرمی و عاجزی انسان کے لئے سب سے بڑی نیکی ہیں۔ لیکن کن کے سامنے؟ عاجزوں و درماندوں کے سامنے، نہ کہ ظالموں اور مجرموں کے آگے، ایک مسکین و فلاکت زدہ پر رحم کیجئے تو سب سے بڑی نیکی، اور ظالم پر کیجئے تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوؤں کو اٹھایئے تاکہ وہ چل سکیں۔ لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگایئے گا۔ تو وہ گرے ہوؤں کو اور گرا دیں گے۔ قانون کو دیکھئے تو وہ جرم کو روکنے کے لئے خود جرم کرتا ہے۔ خوں ریزی اس کے سامنے سب سے بڑی معصیت ہے لیکن خوں ریزی کو روکنے کے لئے وہ قاتلوں کا خون بہانے ہی میں امن دیکھتا

الرسول علیکم شہید! مقابلے میں تمہارا رسول گواہ ہو۔

تفسیر آیات

ان تین آیتوں میں خدا تعالے نے خاص طور پر مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق، قومی امتیاز، اور شرف خصوصی اسی چیز کو قرار دیا ہے کہ گو دنیا میں اعلان حق ہر برگزیدہ ہستی اور جماعت کا فرض رہا ہو۔ مگر مسلمانوں کا تو سرمایہ زندگی یہی فرض ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے کھڑے کئے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی کو جہاں کہیں دیکھتے ہیں اپنے تئیں اس کا ذمہ دار سمجھ کر رد کرتے ہیں۔ آخری آیت میں کہا کہ تم کو ایک وسطی ملت بنایا گیا۔ تاکہ تم اولین و آخرین کے لئے گواہ بن سکو۔ اور اس امر کی، کہ تم نے اپنا یہ فرض ادا کیا یا نہیں، تمہارا رسول امینؐ اللہ کے آگے گواہ ہو۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن قرآن کا یہی اصول ہے۔ دنیا میں سوسائٹی کے آداب اور قانون کا احتساب بھی اسی اصل اصول پر قائم ہے۔

گو تفصیل کا موقع نہیں مگر ان آیات کے متعلق چند تفسیری اشارات کردینا فہم مقصد میں معین ہوگا۔

امر بالمعروف حکم عام ہے

دوسری آیت میں اسی لئے (المعروف) اور (المنکر) پر الف لام استغراق کے لئے آیا تاکہ (بقول امام رازیؒ) معروف اور منکر میں کوئی تخصیص و تحدید باقی نہ رہے۔ اور ظاہر ہو جائے کہ وہ ہر نیکی کے لئے آمر اور ہر بدی کے لئے ناہی ہیں۔ عام اس سے کہ کہیں ہو اور کسی صورت میں ہو۔ وھذا یقتضی کونھم آمرین بکل معروف وناھین عن کل منکر۔

مسلمانوں کے ملی شرف وفضیلت کی علت۔

(خیر امتہ اخرجت للناس) کے بعد امر بالمعروف کا ذکر کیا۔ اور

حسنہ) پس ان سوالوں کا جواب بھی وہیں ڈھونڈھنا چاہیئے۔

(۲)

(اسلام) نے اپنی تعلیم و دعوت اور اپنی امت کے قیام و بقا کے لئے اساس اولین اور نظام بنیادی ایک اصول قرار دیا ہے۔ اور اس کو وہ "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" سے تعبیر کرتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئک ھم المفلحون۔

تم میں ایک جماعت ہونی چاہیئے۔ جو دنیا کو نیکی کی طرف دعوت دے، بھلائی کا کام کرے، اور برائی سے روکے وہی فلاح یافتہ ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بطرز ایک اصول کے پیش کیا ہے۔ اور بظاہر مسلمانوں میں سے ایک گروہ خاص کا اس کو فرض قرار دیا ہے۔ لیکن اسی رکوع میں آگے چل کر دوسری آیت ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ۔

تمام امتوں میں تم سب سے بہتر امت ہو۔ کہ اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک تیسری آیت میں مسلمانوں کا یہ ملی امتیاز اور قومی فرض زیادہ نمایاں طور پر بتلایا ہے۔

وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون

اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اور وسط کی امت بنایا۔ تاکہ لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے

قول کو بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھ دیا ہے۔ وہ بالکل صاف اور غیر پیچیدہ ہے۔

امتہ وسطاً

اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کو مسلمانوں کا فرض منصبی قرار دیا۔ اور فی الحقیقت ایسا
کرنا دنیا میں عدل حقیقی کو قائم کرنا تھا۔ برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج
کیا جائے تو دنیا کے نظم کے قوام کا اس کے علاوہ اور کیا اعتدال ہو سکتا ہے؟
عدل کے معنی ہیں عدم افراط و تفریط، یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا،
اور یہ درجہ مقام (وسط) اور درمیانی ہے۔

گناہ کی حقیقت اور اصطلاح قرآنی میں اسراف

دنیا میں جس قدر
برائیاں ہیں۔ غور کیجئے تو افراط و تفریط، یعنی سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ انسان
کے تحفظ خود اختیاری اور حفظ حقوق کے لئے غیرت، غضب اور جذبات کا ہونا
ضروری تھا۔ لیکن جب یہ جذبات اپنی حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت
کی بخشی ہوئی ایک شے، جو یقیناً نیکی تھی۔ یکایک بدی بن جاتی ہے۔ اور اس کا
نام جرم اور گناہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں
ہر جگہ معصیت اور گناہ کے لئے اسراف کا لفظ اختیار کیا ہے۔ قل یا
عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ،
"اے وہ میرے بندو! کہ تم نے اپنے نفسوں پر اسراف کیا ہے۔ رحمت
الٰہی سے مایوس نہ ہو" یہاں مسرفین سے مراد سخت درجے کے گناہ گار
اور معصیت شعار انسان ہیں۔ کیونکہ آیت کا شان نزول؛ نیز آگے چل کر
(ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا) کہنا اس کی پوری تشریح کر دیتا ہے
اسراف کی تعریف (صرف الشئ فیما ینبغی، زائداً علی ما ینبغی) اور
(تجاوز الحد فی کل شئ "راغب") ہے یعنی کسی چیز کو اس کی ضرورت
سے زائد خرچ کرنا۔ اور ہر شے کا اپنے حد سے تجاوز کر جانا۔"

پھر اس لئے کہ پہلے وصف بیان کرکے پھر اس کی علت بیان کی جائے۔ یعنی مسلمانوں کا بہترین امت ہونا صرف ان کے اس وصف پر منحصر ہے کہ وہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں، خیر کی دعوت دیتے اور شر سے روکتے ہیں۔ (کما تقول زید کریم۔ یطعم الناس ویکسوھم) اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ وصف امتیازی ان سے جاتا رہے۔ تو پھر وہ بہترین امت ہونے کے شرف سے بھی محروم ہو جائیں۔ اور ان کا اصلی قومی امتیاز ان میں باقی نہ رہے۔

تیسری آیت کی تفسیر

تیسری آیت میں ان کو وسط کی امت قرار دیا۔ اور پھر اس کا سبب بیان کیا گیا۔ کہ "تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ ہو"۔ افسوس ہے کہ ایسی صاف اور سلجھی ہوئی بات میں بھی ہمارے بعض مفسرین نے لاحاصل بحثیں پیدا کر دیں۔ اور اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ شہادت دنیا میں ہوگی یا آخرت میں؟ اسلام کا اصلی کارنامۂ غیر فانی، دنیا ہی کی اصلاح تھا۔ مگر مفسرین اس کی طرف سے اس درجہ غافل ہیں کہ ہر شے کو آخرت پر ہی اٹھا رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر اسی شہادت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا گیا ہے کہ:۔ کنت علیھم شھیداً مادمت فیھم (میں اپنی امت پر شاہد تھا۔ جب تک کہ میں ان میں موجود تھا) اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی امت میں دنیا کے اندر ہی موجود تھے نہ کہ آخرت میں، پس یہاں بھی شہادت سے وہی شہادت مراد ہے۔ جو دنیا کی زندگی ...... میں انجام دی جا سکتی ہے۔

تاہم علامہ رازی، کا ہمیشہ ممنون ہونا پڑتا ہے کہ وہ گو ہر آیت کے متعلق طرح طرح کی توجیہات جمع کر دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایک نہ ایک توجیہہ ضرور ان میں موجود ہوتی ہے، جو اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔ اور وہی خود ان کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ اس آیت کے متعلق بھی انھوں نے دوسرے

اسراف اور تبذیر کا یہ فرق خود قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ یہ دونوں لفظ جہاں جہاں بولے گئے ہیں۔ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو خود بخود یہ فرق ظاہر ہو جائے گا۔ مثلاً۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا، ان اللہ لا یحب المسرفین۔	کھاؤ اور پیو، لیکن اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف ایک بالکل صحیح مصرف کا خرچ ہے۔ اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے۔ غذا کھانے ہی کے لئے ہے۔ اور پانی پینے کے لئے، لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے۔ یا ان کی تیاری اور طریق، اکل و شرب میں بے جا روپیہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ اسراف مت کرو۔ لیکن ایک دوسرے موقعہ میں صورتِ خرچ اشیاء اس سے مختلف تھی۔

وات ذالقربیٰ حقہ والمساکین وابن السبیل ولاتبذر تبذیرا	اعزا قارب کا حق ان کو دو۔ نیز مسکین اور مسافر کے حقوق ادا کرو۔ اور دولت کو بے جا ضائع مت کرو۔

یہاں چونکہ مقصود یہ تھا کہ دولت کا مصرفِ صحیح اعزا و اقارب وغیرہ کے حقوق ادا کرنا ہے۔ پس دوسرے کاموں میں اس کو بے موقع خرچ نہ کرو۔ اس لئے اسراف نہیں کہا۔ بلکہ تبذیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

رجوع الی المقصود

حاصل سخن یہ ہے کہ گناہ، معصیت، فسق، جرم اور ہر وہ شے جس کا شمار برائیوں اور بدیوں میں ہے۔ فی الحقیقت بے اعتدالی اور افراط و تفریط ہی کا نام ہے اس کے مقابلہ میں نیکی اور خیر کو صرف ایک ہی لفظ (عدل) سے تعبیر کیجئے کہ وہ ہر شے جس میں عدل پایا جائے۔ یقیناً نیکی اور عمل خیر ہے۔

اس سے بڑھ کر گناہ کی اور کیا تعریف ہو سکتی تھی کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ خرچ کا نام ہے (اسراف) کے علاوہ اصطلاح قرآنی میں ایک لفظ (تبذیر) بھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (بے موقع اور بے ضرورت مال و دولت کو ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں) لیکن تبذیر اور اسراف میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ کسی شے کے خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں بعض چیزیں خرچ تو کی جاتی ہیں۔ ان کے ٹھیک ٹھیک مصرف میں لیکن تعداد صرف ضرورت اور حد معینہ سے زائد ہوتی ہے۔ اور طریق صرف صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک مجرم پر اس کے قصور سے زیادہ غضبناک ہونا اور مناسب سزا دینے کی جگہ مارپیٹ سے کام لینا۔ بیشک ایک مجرم کو اس کے جرم کی پاداش ملنی چاہیئے۔ اور اس لحاظ سے آپ کے غصے اور غضب کا خرچ اپنے صحیح مصرف میں ہوا لیکن جس مقدار اور جس صورت میں غصے کو آپ خرچ کر رہے ہیں۔ یہ اس کے حدود اور اس کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور اسی کا نام (اسراف) ہے برخلاف تبذیر کے کہ اس کی تعریف (صرف الشئ فیما لا ینبغی) بیان کی گئی ہے یعنی "کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا" مثلاً "دولت"، نفس کی ضروری آرام و آسائش نا عزا و اقارب کی اعانت اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔ مگر آپ اسے محض اپنی جاہ نمائش، دنیوی عزت، اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے باسمائے مختلفہ لٹانا شروع کر دیں۔ تو قرآن کریم اس کو (تبذیر) سے تعبیر کرے گا۔ اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے شدید تر ہے۔ اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی ہے کہ مسرف کے لئے تو صرف (ان اللہ لا یحب المسرفین) "خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" فرمایا اور (تبذیر) کے مرتکبین کو (کانوا اخوان الشیاطین) کہہ کر "شیطان کے اخوان و اقارب" میں شمار کیا گیا۔

طرف زیادہ نہ بجی ہو تو اس کا نام اعتدال اور عدل ہوگا۔ قرآن کریم نے اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔

وزنوا بالقسطاس المستقیم خیر واحسن تاویلا۔ — جب کسی چیز کو تولو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو تاکہ وزن میں دھوکا نہ ہو، یہی طریق خیز اور نیک انجام ہے۔

دوسری جگہ ایک سورت اس جملے سے شروع کی ہے۔

ویل للمطففین — ناپ تول میں کم دینے والوں کیلئے بڑی تباہی ہے

عدل کے لئے سب سے زیادہ مشاہدے میں آنے والی اور عام فہم مثال ترازو کی تھی۔ کہ اس کے تمام اعمال کی صحت کا دارو مدار محض اس کے اوپر کی سوئی پر ہے۔ جب تک وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وسط میں قائم نہ ہو جائے۔ وزن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ جوں ہی دونوں پلڑوں کا وزن مساوی ہوگا۔ معاً سوئی بھی وسط میں آکر ٹھہر جائے گی۔

اسی لئے قرآن نے اکثر مقامات میں ترازو کی مثال سے کام لیا ہے۔ اور قیامت کے دن بھی انسانی اعمال کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہوگا۔ فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیہ۔ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ۔ یہی سبب ہے کہ وسط کو عدل کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور فی الحقیقت (وکذلک جعلنکم امۃ وسطاً) میں بھی وسط سے مراد عدل ہی ہے۔

جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ اس سے بڑھ کر کون سی جماعت عنداللہ اور عندالناس عادل ہو سکتی ہے؟ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے ایک عدل قائم کرنے والی امت بنایا۔ تاکہ دنیا کے لئے تم ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔"

خود قرآن مجید بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا۔ کہ (قال

قرآن ہر جگہ ہر طرح کے محاسن و فضائل کو اسی جامع و مانع لفظ سے تعبیر کرتا ہے
اس کی اصطلاح میں صراط المستقیم، توازن قسط، میزان الموازین،
قسطاس المستقیم، اور عدم تطفف اور اسی طرح کے بیسیوں الفاظ اسی ایک
مقام عدل سے عبارت ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر تعلیم میں لا تعتدوا (زیادتی مت
کرو) اور اعدلوا (عدل کرو) کے اصول کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسی راہ عدل
کو اقرب الی التقویٰ بتلاتا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ ہر شے میں، خواہ وہ اس
کی عبادت اور بندگی اور خواہ اس کی راہ میں خیرات و بخشش ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے

ولا تجعل یدك مغلولة
الیٰ عنقك ولا تبسطها
كل البسط، فتقعد ملوماً
محسوراً۔

اور اپنا ہاتھ نہ تو اس طرح سکیڑو کہ
گویا گردن میں بندھ گیا ہے اور نہ بالکل
پھیلا ہی دو۔ ورنہ تم خالی ہاتھ بیٹھے
رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کرینگے۔

ہر کام کے لئے اس آیت میں اعتدال کی ایک جامع مثال بیان کر دی
گئی ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے مراد قیام عدل ہے

پس جیسا کہ ہم نے ابتدا میں اس طرف اشارہ کیا تھا جس جماعت کا فرض
دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر ہوگا۔ وہ دنیا میں ایک ایسی
طاقت ہوگی جو صرف نیکی ہی کی خاطر دنیا میں بھیجی گئی ہے۔ اور چونکہ نیکی عبادت ہے
عدل سے اور بدی اس کے عدم سے، اس لئے فی الحقیقت وہ عدل کو قائم
رکھنے والی اور ہر افراط و تفریط کو کہ بدی اور گناہ ہے۔ روکنے والی جماعت ہوگی۔
اب عدل کی حقیقت پر غور کیجئے تو وہ فی الحقیقت ہر شے کی وسطی اور
درمیانی حالت کا نام ہے۔ کسی ایک طرف جھک پڑے تو افراط و تفریط ہے۔
لیکن ٹھیک ٹھیک درمیان میں اس طرح کھڑے ہیں کہ بال برابر جگہ بھی کسی

ان میں سے ہر فرض اپنی تکمیل کے لئے علم کا محتاج ہے۔ دعوت الی الخیر کے لئے ضرور ہے کہ اعمال کا علم ہو۔ امر بالمعروف کیونکر انجام پا سکے گا۔ جب کہ وہ کام معلوم نہ ہوں گے۔ جن پر معروف کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نہی عن المنکر تو اور زیادہ علم و فضل اور درس و تدریس کا محتاج ہے کیونکہ منکرات میں تمام محرمات و مکروہات فقہیہ داخل ہیں۔ اور جب تک ان کا علم نہ ہو کیونکر اسے روکا جا سکتا ہے۔؟

اس تفسیر کی بنا پر فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ اس آیت (ولتکن منکم) میں "من" تبعیض کے لئے آیا ہے۔ اس سے صرف ایک گروہ محدود (علماء) مراد ہے۔ اور یہ تینوں باتیں صرف انہیں کے فرائض میں داخل ہیں۔

لیکن

علماء نے اس فرض عام کو اپنے لئے مخصوص کر لیا

درحقیقت یہ جین (عملاً و اعتقاداً) ایک ایسی خطرناک غلطی تھی۔ جس کو نہیں سمجھتا کہ کن لفظوں سے تعبیر کروں؟ اس تیرہ سو برس میں اسلام کو ان تمام غلط فہمیوں سے پالا پڑا جو اس سے پہلے امم سابقہ کو پیش آ چکی ہیں۔ لیکن کسی سخت سے سخت تحریف نے بھی مسلمانوں کو ایسا لاعلاج نقصان نہیں پہنچایا۔ جیسا اس غلطی سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ اسلام کی وہ دعوت الٰہی جو ایک عالمگیر اصلاح اور دین الٰہی جامعہ کے قیام کے لئے آئی تھی۔ اسی غلط فہمی سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ خلافت و نیابت الٰہی کا وہ شرف جو مسلمانوں کو عطا کیا گیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے بہ حیثیت ملی وہ تمام عالم میں خدا کا مقدس دست عمل تھے بدبختانہ اسی غلط فہمی سے خاک میں ملا۔ دوسرے روحانی اور پیشوایان مذہب نے جو مشرکانہ اختیارات اپنے لئے مخصوص کر لئے تھے اور جن کی غلامی سے دنیا کو نجات دلانا اس دین الٰہی کا اصلی مقصد تھا۔ اس کی بیڑیاں پھر اسی غلط فہمی کی لعنت سے مسلمانوں کے پاؤں میں پڑیں۔ اور ایسی پڑیں کہ اب تک نہ نکل سکیں۔ چالیس کروڑ فرزندان الٰہی، جن کو اپنے اعمال حسنہ سے دنیا میں خدا کی تقدیس

اوسطھم) اور وہاں بلا اختلاف (اوسطھم) سے مراد (اعدلھم) ہی ہے۔ امام رازی نے بروایت قفال ایک حدیث بھی درج کی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے خود اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی ہے۔ امۃ وسطا ای عدلا۔ اس کے علاوہ مشہور حدیث خیرالامور اوسطھا میں بھی اوسط بمعنی عدل استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی بہتر کام وہ ہیں جو ان میں مطابق عدل ہوں۔ آنحضرتؐ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اوسط قریش نسبا اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اوسط، اعدل ہی کے معنی میں بولا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر اس آیت سے (اجماع) کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ جب امت کی عدالت نص سے ثابت ہوگئی تو اس کا اجماع یقیناً گمراہی و فساد سے محفوظ ہوگا۔

پہلی اور دوسری آیت میں تطبیق

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں خداتعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کا ذکر کیا ہے۔ لیکن پہلی آیت میں بظاہر الفاظ تمام امت کے لئے نہیں، بلکہ امت میں سے ایک خاص جماعت کے لئے اس کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف (الخ) — تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔

لیکن دوسری آیت میں کسی ایک جماعت کی تخصیص نہیں ہے۔ تمام امت کا امتیاز ہی اسی فرض کو قرار دیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف (الخ) — تم سب میں بہتر امت ہو۔ اس لئے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو۔ (الخ)

دونوں آیتیں ایک ہی سورت اور ایک ہی رکوع میں ہیں۔ پھر دونوں میں اختلاف کیوں ہے؟ پہلی میں یہ فرض محدود و مخصوص اور دوسری میں عام ہے۔

تمام خیال یہ ہے کہ پہلی آیت میں خداتعالیٰ نے جن فرائض کا ذکر کیا ہے

دنیا کے تمام مذاہب کے انحطاط و ہلاکت کی ایک بڑی محلّت روسا مذہبی کا معبودانہ اقتدار ہے۔ اسلام نے اس زہر کا تریاق اسی اصول کو تجویز کیا تھا۔ کہ امر بالمعروف کی خدمت کو اس طرح عام اور ہر فرد ملت پر پھیلا دیا جائے کہ پھر کسی مخصوص گروہ کو کسی ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور ہندوؤں کے، برہمنوں اور عیسائیوں کے رومن کیتھولک فادروں کی طرح، مذہبی دعوت و اصلاح کو کوئی جماعت اپنی اقلیم حکمرانی نہ بنالے کہ یفعل مایشاء و یحکم ما یرید لیکن اب صدیوں سے دیکھئے تو مسلمان جن بیڑیوں کا ٹتے آئے تھے ان سے خود ان کے پاؤں بوجھل ہو رہے ہیں۔ اس فرض الٰہی کو علماء نے اپنا موروثی حق بنا لیا ہے جس میں اور کسی فرد کو دخل دینے کی اجازت نہیں۔ شیطان (اپنی قدیمی عادت کی طرح) جب ضرورت دیکھتا ہے ان کو اپنے اعمال ابلیسانہ کے لئے آلۂ کار بنا لیتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جگہ (امر بالمنکر و نہی عن المعروف) کے فرائض ان کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں باقی تمام قوم اپنے اس فرض کی طرف سے غافل و بے خبر ہے اور جہل مذہبی کے سبب سے علماء کے اس غصب حقوق عامہ پر قانع ہو گئی ہے۔ خدا کی حکومت کو بھی اپنے اوپر محسوس نہیں کرتا۔ نیکیوں کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں اور برائیوں پر سے ہر شخص ایسا گذر جاتا ہے۔ گویا اس کو کان سننے کے لئے اور آنکھیں دیکھنے کے لئے ملی ہی نہیں۔ فانہا لا تعمی الابصار، ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

دونوں آیتوں کا منشا ایک ہے

حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں کا منشا ایک ہے اور دونوں اس فرض کو بغیر کسی تخصیص و تحدید کے ہر قائل کلمۂ توحید کا فرض قرار دیتی ہیں۔ البتہ پہلی آیت میں ولتکن منکم کا لفظ اشتباہ پیدا کرتا ہے، کہ

کا تخت جلال بنتا تھا۔ آج اپنی بداعمالیوں سے تمام قومی جرائم اور ملّی معاصی میں گرفتار رہیں۔ اور قہرِ الٰہی کو مدتوں سے دعوت دے رہے ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کی پاداش میں اقوام گزشتہ سے خدا نے اپنا رشتہ توڑا تھا جن کی وجہ سے (داؤد) کے بنائے ہوئے ہیکل سے روٹھ کر رحمت الٰہی نے (اسمٰعیلؑ) کی چنی ہوئی دیواروں کو اپنا گھر بنایا تھا۔ اور پھر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو اپنی نیابت سے معزول کر کے مسلمانوں کو اس پر سرفراز کیا تھا۔

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبینات وما کانوا لیومنوا ، کذالک یجزی اللّٰہ القوم المجرمین۔ ثم جعلنکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون۔ ۵ٌ

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں۔ کہ جب انھوں نے ظلم و معاصی پر کمر باندھی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ انکے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر انھیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔ مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو دنیا کی پادشاہت دے کر ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو۔؟

مگر یہ بدبختی بھی صرف اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

لیکن یہ سب کچھ کیوں کر ہوا۔؟ اس طرح کہ اعتقاد ہی سے عمل وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس غلط فہمی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ:۔ امر بالمعروف جو در اصل ہر فرد اسلامی کا فرض تھا۔ اور صحابۂ کرام کی زندگی اس کی عملی شہادت ہمارے سامنے ہے۔ وہ روز بروز ایک محدود دائرے میں سمٹتا گیا۔ اور سمٹتے سمٹتے ایک غیر محسوس نقطہ بن کر رہ گیا۔ اب اس کے وجود میں بھی شک ہے

ٌ

عاقبۃ الامور — اور سب کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

یہ آیت اس بارے میں بالکل صاف اور فیصلہ کن ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب کرنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین پر حکمران ہونے کے بعد اچھے اور نیک کاموں کو انجام دیں گے۔ پھر ان کاموں کی بالترتیب تشریح کی ہے۔ اور سب کو تسلسل عطف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جو معطوف معطوف علیہ میں تسویہ ثابت کرتا ہے۔ پہلے نماز کا ذکر کیا۔ پھر زکواۃ کا۔ اور یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام آیا ہے اور اسی سلسلۂ اعمال میں جس میں نماز اور زکواۃ بلحجۂ وجوب و فرض بیان کیے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ:۔

(۱) مسلمانوں کو خدا نے جو نصرت و فتح اور دنیا میں کامیابی عطا فرمائی اس کی علت یہ تھی کہ وہ اعمال حسنہ انجام دیں۔

(۲) وہ اعمال حسنہ، علی الخصوص قیام نماز، ادائے زکواۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں۔

(۳) نماز اور زکواۃ ہر مسلمان پر فرض ہے پس امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔

"منکم" بیانِ تبعیض کے لئے ہے یعنی تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت اس فرض کو اپنے ذمہ لے لے۔ لیکن چونکہ آگے چل کر دوسری آیت نے اس فرض میں تمام اُمت کو شامل کر لیا ہے۔ اس لئے یہاں منکم میں کو تبعیض کے لئے قرار دینا ہی غلط ہے۔ بلکہ وہ یقیناً توضیح و تبیین کے لئے آیا ہے جیسا کہ ہر زبان کے محاورے میں عموماً بولا کرتے ہیں۔ مثلاً عربی میں کہیں گے للامیر من غلامہ عسکر و لفلان من اولادہ جند یعنی امیر کے لڑکوں سے فوج کے سپاہی ہیں اور فلاں شخص کی اولاد سے لشکر مرتب ہو رہا ہے تو اس سے امیر کے تمام لڑکے مراد ہوں گے نہ کہ بعض۔ خود قرآن میں ایک موقع پر فرمایا ہے کہ۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بتوں کے علاوہ اور کسی شے کی ناپاکی سے پرہیز نہ کیا جائے۔ غرضکہ یہاں (من) افادہ معنی تبیین کرتا ہے نہ کہ تبعیض (امام رازی) نے دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے اس پر کافی بحث کی ہے فمن شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

لیکن اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم قرآن مجید کی ایک اور آیت اس مضمون کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ اگر امام رازی نے اس آیت کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوتا تو ان کو متعدد آراؤ توجیہات لا حاصل نقل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ سورۂ "حج" کے پانچویں رکوع میں خدا تعالیٰ نے کافروں کے ان مظالم کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے آغازِ اسلام کے مسلمانوں کا سامنا ہوا تھا۔ پھر دفاع و حفظ نفس کے لئے قتال کی اجازت دی ہے اور اس کے بعد کہا ہے :-

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ، وللہ	اگر ہم ان (مظلوم مسلمانوں) کو حکومت اور خلافت دے کر زمین میں قائم کر دیں تو وہ نہایت اچھے کام انجام دیں گے یعنی نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے

تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اختلاف کی تہہ میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ پھر پریشان ہو کر اس اختلاف کو مکی اور مدنی زندگی کے اختلاف حالت کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی حالت میں تھا، نرمی اور عفو و درگذری کی تعلیم سے زندگی کا سہارا ڈھونڈتا تھا۔ لیکن مدینہ میں آکر جب تلوار ہاتھ آگئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی و مسکنت کی ضرورت نہ تھی لیکن "واللہ یعلم انہم لکاذبون"

عفو و انتقام کا اصل اصول

اس بحث کا یہ موقعہ نہیں لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

فقہا کا ایک عمدہ اصول ہے کہ "اصل ہر شئے کی اباحت ہے۔ تا آنکہ کوئی سبب حرمت پیدا نہ ہو" انگور کا عرق فی نفسہ ایک مفید اور عمدہ شے ہے لیکن جب اس میں نشہ پیدا کر دیا جائے اور نشہ کی وجہ سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل اور سوسائٹی کا خروج ہو تو وہ پھر حرام قطعی ہے۔

بالکل اسی طرح اخلاق میں بھی اصل عمل محبت ہے تا آنکہ کوئی سبب لاحق ہو کر بغض سے تبدیل نہ کر دے۔ یعنی دنیا میں ہر شے محبت کے زیر قانون ہے۔ اور کوئی نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہ ہو۔ لیکن اس محبت کے اوپر بھی ایک قانون عام کی حکومت ہے۔ یعنی نفع رسانی اور حقوق العباد کی نگہداشت۔ پس اگر کوئی علت ایسی پیدا ہو جائے جس کے سبب سے محبت کی صورت اپنی محبوبیت کو مسخ کر دے تو ہر محبوب شے کو اپنی نظروں میں مبغوض بنا لو۔ اور جس قدر محبت کی راہ میں محبت کا جوش رکھتے تھے۔ محبت ہی کے خاطر بغض کی راہ میں بغض کا جوش ظاہر کرو۔

غور کرو، قانون دنیا میں کیا چاہتا ہے ؛ محبت یعنی امن کو قائم کرنا، لیکن محبت کی خاطر عداوت، اور امن کی خاطر بدامنی اس کو بھی کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو مہلکات سے نجات دے، لیکن زندگی بخشنے

۳

عدل و اعتقاد

گذشتہ نمبر سے گویہ متحقق ہوگیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے۔ اس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا۔؟ لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، جو اصول قابل عمل نہ ہو وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دلفریب ہو، مگر انسانی مصائب کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے۔ دیکھنا ہے کہ دنیا اس اصول پر بھی عمل کر سکتی ہے یا نہیں۔

"اسلام" یکسر عمل ہے۔ مذہبی تاریخ میں جو انقلابات ذہن و اصول سے عمل کی جانب ہوئے ہیں اور جن کی ابتدائی حالت کا مکمل نمونہ گوتم بدھ اور آخری صورت مسیحی تحریک تھی۔ اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے جس کے بعد مذہب ایک خالص عملی قانون کی شکل میں مبدل ہوگیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں جو اس کی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں۔ پس اگر آج یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ وہ محض ایک ذہنی زندگی رکھنے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

حب و بغض و عفو و انتقام

سب سے بڑی مشکل جو اس اصول کی عملی راہ میں پیش آتی ہے۔ وہ اخلاقی تعلیمات کی دو رنگی ہے ایک طرف عفو و درگذر اور محبت و عاجزی کی تعلیم ہے، دوسری طرف نیکی و بدی کے احتساب کی سختی اور انتقام و عقوبت ہے۔ خود قرآن کریم کی تعلیمات میں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ ایک طرف عفو و نرمی اور حکمت و موعظت کا حکم ہے، دوسری طرف سختی و انتقام اور تشدد و جبر کے احکام پر زور دیا گیا ہے۔ یورپ کے مورخین جب تعصب و جہل کی

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما

اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ تو سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں ایک ایسے ہی موقع پر مومن کا سب سے بڑا وصف یہ قرار دیا ہے کہ:-

اذا ما غضبوا ھم یغفرون

اور جب ان کو غصہ آ جاتا ہے تو خطاؤں سے درگذر کرتے ہیں۔

اصطلاح قرآن میں عزم امور ایک انتہائی وصف ہے جو انبیائے جلیل القدر کی مدح میں آیا ہے لیکن عفو و صبر کرنے والے کیلئے بھی اسی کو استعمال کیا ہے

ولمن صبر و غفر ان ذالک لمن عزم الامور

اور جو صبر کرے اور خطاؤں کو بخش دے تو بےشک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں

احسان عام کی ان تعلیمات کا استقصا کیا جائے تو اس طرح کی بیسیوں آیتیں اور ملیں گی۔

یہ تعلیم تو عام، اور گویا اصل اخلاقی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب عوارض سے حالات متغیر ہوجائیں، اور عفو درگذر کی جو علت تھی (یعنی نفع خلائق اور عدم مضرت رسانی) عفو و درگذر سے خود وہ مفقود ہونے لگے تو اس حالت میں پھر بہ شرط عدل و وسطیت، انتقام اور بدلے کی سختی کو جائز کر دیا۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا

بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی سے کرو۔

آگے چل کر اس آیت کو صاف کر دیا:-

ولمن انتصر بعد ظلمہ

اور اگر کسی پر ظلم ہُوا ہو اور وہ اس کے

لئے اسے موت ہی کے حربے سے کام لینا پڑتا ہے۔ انسان کو پھانسی پر چڑھا کر مارتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ انسان گلا گھونٹ کر نہ مارے جائیں۔

پارلیمنٹ اور جمہوریت، امن اور آزادی مانگتی ہے۔ مگر ان کی خاطر سے شخصی حکومت میں بدامنی پیدا کرنی پڑتی ہے اور آئندہ قتل روک دینے کے لئے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔

قرآن نے حب و بغض اور نرمی و سختی کے اصول کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے اس کی تعلیم یہ ہے:۔

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین و اما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم

خطاؤں سے درگذر کر، اچھی باتوں کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجا اور (اے پیغمبر) تیرے دل میں اگر انتقام کا ولولہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگ۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر احسان عام اور عاجزی اور فروتنی کو اس پیرایہ میں یہ فرمایا:۔

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا کل ذالک کان سیئۃ عند ربک مکروھا

زمین پر اکڑ کے نہ چلا کرو، اس طرح چل کر زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ تمام باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔

سورۂ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے مومنوں کی جہاں خصلتیں گنائی ہیں وہاں پہلا وصف یہ کہا:۔

پہلے عام طور پر نرمی اور آشتی کا حکم دیا تھا، لیکن قتل پر بھی بس نہ کر کے اب شدید سے شدید سختی پر زور دیا۔ حیث قال :۔

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ ۔ — اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔

دونوں تعلیموں میں کسی درجہ تباین و تباعد ہے ۔ مگر در اصل دونوں کا منشا ایک ہی ہے۔ پہلا حکم احسان عام ۔ محبت عمومی اور اصل اخلاق پر مبنی تھا لیکن جب عوارض و لواحق سے حالات بدل گئے تو جس طرح پہلے انسانوں کی راحت اور جذب و نفع کے لئے نرمی کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح اور اسی مقصد سے یہاں سختی و قتل کا حکم دیا اور اس کی علت کو کھول کر بیان کر دیا کہ :۔

الفتنۃ اشد من القتل ۔ — فساد خون ریزی سے بڑھ کر برائی ہے ۔

(۲)

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ۔ — ان کو قتل کرو ۔ یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے ۔

جس طرح قتل کی برائی کو روکنے کے لئے خود قتل کی برائی کو مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے ۔

اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الٰہی کو پاک کرنے کے لئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے ۔

بے شک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے ۔ لیکن سخت گیروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کے لئے بھی اگر سختی نہ کی جائے ۔ نرمی قائم نہیں ہو سکتی ۔ فتنہ و فساد اسے پسند نہیں ۔ مگر فتنہ و فساد کو روکنے ہی کے لئے اسے علاج بالمثل کرنا پڑتا ہے ۔

فاولٰئك ما علیهم من سبیل۔ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق۔

بعد بدلے تو ایسے لوگ معذور ہیں۔ ان پر کوئی الزام نہیں۔ الزام انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے زیادتی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے۔

عام حکم کفار و مخالفین کے ساتھ نرمی و رافت، عفو و درگذر، اور بطریق احسن نصیحت و موعظت کا ہے۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن

خدا کی راہ کی طرف حکمت و وعظ کے ساتھ بلاؤ اور اگر بحث بھی کرو تو اس طرح کا وہ پسندیدہ طریقہ ہو۔

دوسری جگہ مخصوص طرز پر یہود اور نصاریٰ کی نسبت کہا۔

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن

اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو۔ مگر بطریق پسندیدہ۔

لیکن پھر دوسرے موقعوں پر جہاد فی سبیل اللہ کو ایک فرض دین قرار دیا اور سورتوں کی سورتیں اس کے احکام کی نسبت نازل فرمائیں:۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔

جو لوگ تم سے لڑیں۔ تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو۔

اسی آیت کے بعد فرمایا:۔

فاقتلوا هم حیث ثقفتموهم واخرجوا هم من حیث اخرجوکم

ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی انہیں نکال باہر کرو۔

فی السماء و زمین پر رحم کرو تاکہ وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے۔ لیکن رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل بھی ہے پس رحم و محبت میں بھی عدل اور وسط کا ہونا ناگزیر تھا۔ اس بنا پر تعلیم دی گئی کہ جب وہ افراط و تفریط سے بڑھ جائے تو افراط کو روکنے کے لئے تم بھی افراط کرو۔ صفرا بڑھ گیا ہے تو تم بھی بہت زیادہ ترشی کھلا دو۔ تم پر تلوار اٹھائی گئی ہے تو اسے تلوار ہی سے کاٹو۔ تم ذلیل کئے گئے ہو تو تم بھی ذلیل ہی کرو تاکہ تسویہ و اعتدال پیدا ہو۔ یہ سب کچھ عین رحم و محبت ہے نہ کہ سختی و جبر۔ ڈاکٹر مریض کے عزیز سے کم مریض پر مہربان نہیں۔ اس کے تلوے میں کانٹا چبھ کر چبھن پیدا کر رہا ہے لیکن اس چبھن کے دور کرنے کے لئے نشتر کی نوک ہی سے اسے کام لینا پڑے گا۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معہم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس

ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو بھیجا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا (جو ہتھیاروں کی شکل میں سخت خطرناک بھی ہے۔ اور ساتھ ہی بہت سی منفعتیں بھی انسانوں کے لئے اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس آیت میں قرآن نے پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی کو بیان کر دیا ہے۔ خدا ہدایت و اصلاح کے لئے بھیجتا ہے اور ان کو میزان (قیام امن کی ناقدانہ قوت) دیتا ہے تاکہ دنیا میں اللہ کے عدل کو قائم کر دیں۔ لیکن چونکہ اس کے لئے اکثر اوقات قہر و عقوبت کی ضرورت تھی۔ اس لئے ان کو عدل قائم کرنے کے لئے جنگ و قتال کی بھی اجازت دی اور لوہا پیدا کیا، جو طرح طرح کی اشکال اختیار کرتا ہے۔ پس وہ مضر بھی ہے اور مفید بھی۔

ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو تمام صومعے اور گرجے اور تمام عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ کبھی کی منہدم ہوگئی ہوتیں۔

یعنی مقصد الٰہی شفقت و رحمت و احسان عام ہے لیکن جب ایک گروہ اس کی زمین کو فتنہ و فساد سے آلودہ کرتا ہے، بغیر کسی جرم و قصور کے محض عبادت الٰہی کی وجہ سے اس کے نیک بندوں پر ظلم و سختی کرتا ہے، ان کو گھروں سے نکالتا ہے۔ اللہ کی عبادت گاہ میں جانے سے روکتا ہے۔ پھر وہ جب اپنا گھر بار چھوڑ کر وطن سے بے وطن ہوکر ایک دوسرے شہر میں پناہ لیتے ہیں تو وہاں بھی ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، تو ان حالتوں میں مجبور ہوکر پیغمبر کو فتنہ روکنے، مظلوموں کو بچانے شعائر الٰہی کی حفاظت اور حرمت کو قائم رکھنے اور رافت و رحمت سے دنیا کی محرومی کو مٹانے کے لئے سختی سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور تلوار کو کاٹنے کے لئے تلوار بلند کی جاتی ہے۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا

اس موقعہ پر پچھلے نمبر کے اس ٹکڑے پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے جس میں "امۃ وسطا" پر بحث کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی خلافت اور نیابت بخشی تھی۔ پس ضرور تھا کہ وہ بھی صفات الٰہی سے متصف، اور متخلق، باخلاق الٰہی ہوں۔ خدا رحم اور محبت کرنے والا ہے۔ پس حکم دیا گیا ہے کہ ارحموا علی الارض یرحمکم من

وہ اس کی زمین پر ایک عادلانہ خلافت ہو اور اس کی طرح طرح جذبے میں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقعہ پر رحم کو، اور سختی کے موقعہ پر سختی کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تبدیز کا طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ قہر اور قہر کی جگہ رحم)

مقام محبت الٰہی اور یحبہم و یحبونہ

یہی راز ہے کہ خدا نے تمام قوموں کو اپنے اپنے دور میں اپنی خلافت بخشی اور ہر صالح جماعت کو اس ورثہ الٰہی کا حقدار بنایا (ان الارض یرثھا عبادی الصالحون) مگر کسی کو اپنی محبوبیت اور معشوقیت کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ (حضرت داؤد) علی نبینا و علیہ السلام کی نسبت ضرور کہا کہ

یاداؤد! انا جعلنک خلیفۃ فی الارض

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر اپنی خلافت بخشی۔

بنی اسرائیل بھی مدتوں اس پر سرفراز رہے۔ لیکن ان کی نسبت یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ خدا کے دوست اور محبوب بنائے گئے تھے یہ اس امت مرحومہ کی مزیت خصوصی تھی کہ:۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ

عنقریب اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کریگا جن کو وہ اپنا محبوب بنائے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھیں گے۔

لیکن اس جماعت کی علامت یہ بتلائی ہیں کہ:۔

اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم

مومنوں کے ساتھ نرم اور کافروں کیساتھ سخت۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

تشبہ باللہ و تخلق باخلاق اللہ

بس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اسلام انسان کے آگے ایک ارتقائے روحانی کی راہ کھولتا ہے۔ جو کو عبدیت کے مقام تذلل و تکسنر سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا انتہائی نقطہ تشبہ باللہ (یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے والا مقام) ہے اور اسی طرح اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ (خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو) پس ضرور تھا کہ جس ملت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تھی وہ بھی اس صفت الٰہی سے متصف ہوتی۔ خدا اطاعت و عبادت سے (یعنی ہر ایسے کام سے جو قوائے فطریہ کا صحیح استعمال ہو خوش ہوتا ہے۔ پس ایک انسان مومن کو بھی خوش ہونا چاہیئے اور اپنی رضامندی کا اعلان کرنا چاہیئے۔

ہم نے پچھلے نمبر میں اسراف اور تبذیر کی حقیقت سے بحث کی تھی۔ خدا عادل ہے اور رحم و محبت، نرمی و آشتی میں بھی اسراف و تبذیر پسند نہیں کرتا۔ اگر دبائیبل کا (ابن اللہ) رحم محض کا مجسمہ ہے اور عدل کی ترازو کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا تو نہ لے مگر چھوٹے بغیر تو اسے بھی چارہ نہیں۔ اس نے تمام انسانی جرائم و معاصی کو شان محبت کے جوش میں معاف کر دینا چاہا۔ لیکن پھر بھی بدی کو قابل عقوبت ثابت کرنے کے لیئے تمام ابن آدم کو نہ سہی، مگر اپنے بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکھ کر خونی مجرموں کی طرح سولی پر چڑھانا ہی پڑا۔

یہ ناگزیر ہے، دنیا کے لیئے رحمت کی صورت موہنی مگر افسوس کہ سود مند نہیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوشنمائی کی بلندی کی جگہ سختی و خشونت کی لکیریں ہیں لیکن دنیا کا تمام نظام اسی کے دم سے ہے۔ پس خدا نے اپنی ملت کو اپنی صفات کی دعوت دی اور اپنی شان عدل کی طرح اس کو بھی امۃ وسطاً قرار دیا تاکہ

دست محبوب میں محض ایک آلۂ بے رُوح بن کر رہ جاتا ہے۔ اُس کا دل اس کے پہلو میں نہیں ہوتا، بلکہ محبوب کی اُنگلیوں "یقلبھا کیف یشاء" (جس طرف چاہتا ہے پھرا دیتا ہے)۔ محبت کا استغراق خود اس کے محبوب کے صفات و خصائل کا ایک دوسرا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ دیکھتا تو اسی کی نظر سے اور سنتا ہے تو اسی کانوں سے۔ خود اس کی خواہش اور کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ محبوب کی خواہش اس کی خواہش اور محبوب کی مرضی اس کی مرضی بن جاتی ہے زلیخا کو ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ ورنہ اپنی ذلت و رسوائی کے خوف سے یوسف کو بارہ برس تک قیدخانے میں نہ دیکھتی۔ البتہ جب اس راہ میں ترقی کر گئی تو پھر ننگ و ناموس نفس کی زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں۔ اور پکار اُٹھنے لگی۔

ما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء — اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی بیشک میرا نفس بُرائی پر آمادہ کرنے والا ہے۔

خدا نے اپنے مومن بندوں کو صرف اپنا ہی محبوب نہ کہا کہ یہ تو صرف زلیخائی ہوتی بلکہ یحبہم و یحبونہم فرمایا کہ میں اگر ان کو دوست رکھتا ہوں تو وہ بھی مجھ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس تعلق محبت کو محب و محبوبی اور عشق و معشوق دونوں سے مرکب بنایا۔ تاکہ مقام ایمان کی اصلی علامت و خصوصیت ظاہر ہو جائے اور ایمان باللہ فی الحقیقت اللہ کی محبت ہی کا نام ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للہ — اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی خدا سے انتہا درجہ دوستی ہے۔

محبت کی شرط اولین فنا فی المحبوب ہے۔ اس لئے مومن مخلص بھی وہی ہے جو اپنی تمام خواہشوں اور قولوں کو بھول کر صرف خدا کی مرضی اور ارادے پر اپنے تئیں چھوڑ دے۔ خدا کی مرضی اس کی مرضی اور خدا کی خوشی اس کی خوشی ہو۔

یہ مختصر آیت اس مشکل کا پورا حل ہے۔ مومن محبوب الٰہی ہے کیونکہ ایمان باللہ سے بڑھ کر محبت الٰہی کے لئے، اور کون سی شے جالب ہو سکتی ہے۔ لیکن خدا نے اپنی محبت کے ساتھ طرف مخالف کی محبت کا بھی ذکر کیا کہ " میں انھیں چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتے ہیں یحبہم ویحبونہ اور یہاں ارباب ذوق کے لئے ایک نکتہ عجیب ہے۔ حضرت یوسف کے حالات میں یکسر عشق و محبت ہی کا افسانہ ہے۔ مگر وہ محبت محض یک طرفہ تھی (یحبہم ویحبونہم) کی طرح دونوں طرف سے نہ تھی۔ صرف زلیخا ہی کی نسبت فرمایا کہ :-

قد شغفہا حبہ — یوسف کا عشق اس کے دل میں جگہ پکڑ گیا ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ زلیخا جو کچھ کرتی تھی، اپنے نفس کی خاطر کرتی تھی، یوسف کی رضاجوئی مطلوب نہ تھی۔ جب عزیز مصر پر اصلیت منکشف ہو گئی تو ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے باوجود کمال استیلائے محبت و شغف خود ہی یہ صلاح دی کہ :-

ماجزاء من اراد باھلک سوءً الا ان یسجن او عذاب الیم۔ — جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ قید کیا جائے یا سخت عذاب میں گرفتار ہو۔

لیکن عشق و خود پرستی دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ عشق کی تعریف یہ ہے کہ " اولہا قتل و آخرہا حرق " (اس کی ابتداء قتل نفس ہے۔ اور انتہا تمام خواہشوں اور ہوا و ہوس کا فنا) یہاں سب سے بڑی معصیت اپنے وجود کا حس اور اثبات ہے۔

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب

محبت کا اصلی مقام وہ ہے جہاں پہونچ کر نفس اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے اور پھر

اس لیئے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار ہے۔ درہم و دنانیر کو پوجتا ہے۔ لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے۔ اور دنیوی رسوخ و عزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے۔ ممکن ہے اپنے اندر نیکی کے حکم اور بدی کی روک کی طاقت پا سکے۔ وہ مشرک ہے۔ گو زبان سے دعویٰ ایمان کرتا ہو مگر ایمان کی حلاوت اس کو کبھی چکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔

وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون — اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ گو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت مبتلائے شرک ہیں۔

عبادت اور بندگی کے معنی کسی مجسم بت کو پوجنا ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر شے جس کے لینے کا حق صرف خدا ہی کو تھا اگر اس کے سوا کسی دوسری ہستی کو دے دی جائے تو یہ بھی شرک ہے (مگر اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں)

خدا نے سب کچھ انسان کے لیئے مگر انسان کو اپنے لیئے بنایا۔ پس ایمان باللہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان سب کچھ اوروں کو دے دے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا اور کسی کو نہ دے۔ اگر وہ اپنی خواہش اور مرضی کو اس کی خواہش اور مرضی پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعوئے ایمان میں سچا نہیں۔

ہجوم خیالات سے یہ سلسلہ سخن بار بار ٹوٹتا ہے اور پھر چند قدم چل کر واپس ہونا پڑتا ہے۔ حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی ہو سکتا ہے جو ایمان باللہ میں راسخ و مستقیم ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ محبت الٰہی کی راہ میں مستقیم ہو کر سب کو خدا کی راہ میں اختیار کرے اور سب خدا کے لئے چھوڑ دے۔ خود اس کی کوئی ذاتی محبت اور ذاتی عداوت نہ ہو۔ نہ اپنی غرض کے لیئے دوست بنے اور نہ اپنی غرض کے لیئے دشمن وہ ہر شے کو خدا کی آنکھ سے پیار کرے اور اسی کی آنکھ سے دشمن دیکھے۔ اس کا کوئی وجود

یہی معنی خلافت الٰہی کے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کاملہ کا مظہر اور اس لئے اس کا جانشین ہے۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

پس جب مقام ایمان محبت الٰہی اور محبت بغیر حصول فنا فی المحبوب محال، تو یہیں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بے نقاب ہو جاتا ہے (مومن) کی تعریف یہ ہے کہ خود اس کی نہ کسی کے ساتھ دوستی ہو نہ دشمنی۔ نہ کسی کی مدح کرے، اور نہ مذمت، بلکہ وہ دست الٰہی میں ایک بے جان آلہ بن کر اپنی محبت و دشمنی کو راہ محبوب کے لئے وقف کر دے۔ جو خدا کے دوست ہیں وہ اس کے دوست ہوں۔ اور جو اس کے دشمن ہیں وہ اس کے دشمن ہوں۔ اسی کی راہ میں دوستی اور اسی کی راہ میں دشمنی۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ خدا نیکی اور اعمال حسنہ سے خوش ہوتا ہے۔ پس یہ بھی جہاں کہیں نیکی کو دیکھے اپنا سر جھکا دے۔ وہ بدی اور بداعمالی پر غضبناک ہوتا ہے۔ (لا یرضی بعباد الکفر) پس اس کو بھی جہاں کہیں بدی نظر آئے صفات الٰہی کی چادر اوڑھ کر قہر مجسم بن جائے "اذلۃ علی المومنین" علی الکافرین نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہو اتنا ہی بدی کے آگے مغرور و سخت ہو۔

کیا نہیں دیکھتے کہ خدا نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا بھی نام لیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ

تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

الذی یسمع بہ، و بصرہ
الذی یبصر بہ، و یدہ
التی یبطش بها، ورجلہ
التی یمشی بها
ولسانہ الذی یتکلم
بہ ولئن سألنی لا
عطینہ، ولئن استعاذنی
لاعیذنہ -

گیا تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس
کان سے سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا
ہوں میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اسکا
پاؤں ہو جاتا ہوں میرے پاؤں سے چلتا
ہے۔ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں میری
زبان سے بولتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے عطا
کرتا ہوں اور جب پناہ مانگتا ہے پناہ
دیتا ہوں۔

"یحبھم و یحبونھم" کا یہی مقام ہے اور یہیں پہنچ کر پیر
ہرات اپنی زبان ضبط نہ کرسکا اور مضطربانہ چیخ اٹھا کہ "خدایا این چہ بوالعجبی
ست کہ با دوستان خود مے کنی تا وقتیکہ ترا می جستیم خود را یافتم اکنوں خود
را می جویم، ترا می یابم۔

صحابہؓ کی ایک جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر محمدؐ بن عبداللہ
کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مگر ارشاد الٰہی ہوا کہ وہ ہاتھ عبداللہ نہ تھا بلکہ خود
اللہ کا تھا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ
فوق ایدیھم۔ وما رمیت اذ رمیت، ولکن اللہ رمی
و وراء ذالک، فلا اقول، لانی سر، لسان النطق عنہ اخرس

اس کی کوئی زندگی، اس کی کوئی صدا نہ ہو۔ جب چلے تو خدا کے پاؤں سے چلے اور جب سُنے تو خدا کے کان سے سُنے اور جب بولے تو خدا کی آواز اس کے گلے سے نکلے۔ او لنعم ما قیل فی ھذا المقام

من بجاناں زندہ ام و زجاں نیم
من زجاں بگذشتم و جاناں نیم
چشم و گوشت دوست و پایم اوگرفت
من بدر رفتم، سرایم او گرفت
ایں بصر دین گلو چوں آلات اوست
بلکہ ذرات تنم از مرآت اوست
نغمہ از نائیست، نے از نے بداں
مستی از ساقیست، نے از مے بداں
چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدقا بر گردیدہ
گفتن من گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ما چو مست از دیدن ساقی شدیم
مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

یہ (عارف رومی) کی مستانہ نغمہ پردازیاں ہی نہیں ہیں، بلکہ عین ترجمہ ہے اس مشہور حدیث قدسی کا جس کو (امام بخاری) کتاب التواضع میں لائے ہیں کہ:-

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل، حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ

جب میرا کوئی بندہ بذریعہ نوافل کے مجھ سے قریب ہوتا ہے تو اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، پس وہ محبوب بن

★

لیکن اگر حفظ وطن، جہاد فی سبیل اللہ، جوش ملی، اور وطن پرستی کا خون کچھ بھی قیمت رکھتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ سرزمین طرابلس کی کیا قیمت ہوگی؟

۲۶ اکتوبر کا آفتاب جب کہ مسیحی وحشت و درندگی کی خوں ریزیوں کو دن بھر دیکھ کر ساحل طرابلس پر کانپتا ہوا پہنچا۔ تو اس کے لئے اب ظلم و مظلومی، قاتل و مقتولی، قہقہہ و وحشت اور آہ و مایوسی کی جگہ صرف ایک ہی قسم کا منظر باقی رہ گیا تھا۔ موت و حیات کی بقیہ کشمکش روح و جسم کی مفارقت کا آخری اضطراب انسانی احتضار کی تڑپ اور بے قراری، گرم گرم خون کے فواروں کا جوش و خروش، زخموں کی کنکریوں اور کانٹوں پر تلملاہٹ ایڑیوں کی جاں کنی کی بے چینی میں پیہم ٹیک، زندگی کی دنیا پر الوداعی نظر، اور موت کی اس چھائی ہوئی خاموشی میں گاہ گاہ اضافے والی درد کی چیخیں، اور بند آنکھوں سے بہنے والے چند قطرہ ہائے اشک، بس یہی منظر تھا جو اس سرزمین کے تماشائی کے لئے باقی رہ گیا تھا۔

★

کشتگان ظلم و ستم کی برہنہ لاشوں کی تجہیز و تکفین کے لئے جب کوئی ہاتھ نہ بڑھا تو رات کی تاریکی نے چادر ظلمت ڈال دی۔ جبکہ دنیا کی کبھی بند نہ ہونے والی حرکت کی نبض طرابلس کی لاشوں کی طرح بالکل خاموش تھی۔ اور اس کا سرد دل ریت پر جمے ہوئے پتھروں کی طرح منجمد ہوگیا تھا۔ کھجور کے درختوں کے جھنڈ اور مکانوں کے ٹیلوں پر سے چاند کی مدھم روشنی نے سر نکالا۔

آہ! یہی چاند اس وقت کسی نشاط سرائے عیش و عشرت کے صحن میں اپنی دھیمی دھیمی کرنوں کے اندر کیسا شگفتہ اور راحت بخش ہوگا؟ مگر یہاں اس صحرائے وحشت، اس ماتم کدۂ انسانیت اس شہادت زار خوں بار، اور اس خواب گاہ اجساد و اموات میں اس کی خاموش روشنی کیسی غمگین اور المناک ہے۔

شیخ المجاہدین محبوب الاسلام والمسلمین

البطل العظیم غازی انور بک

متع اللہ الاسلام والمسلمین بحفظہ وجودہ وطول حیاتہ

طرابلس کی ایک لیلۃ الشہدا

اس ایک ہی آسمان کے نیچے ایک ہی وقت میں کیسے کیسے مختلف اور متضاد تماشے ہوتے ہیں۔ اگر ہماری طرح آسمان بھی دیکھتا ہوگا تو اس کے سامنے کیسے عجیب اور مدہش منظر ہوں گے۔ ایک گوشے میں نشاط و شادمانی کا ہنگامہ ہے۔ دوسری طرف حسرت و نامرادی کے ماتم سے دنیا کو فرصت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ جس وقت دنیا کے ایک حصّہ میں پھولوں کی سیج پر محواب نواشیں کے لذت یاب کروٹیں بدل رہے ہوں عین اسی وقت کسی دوسرے حصّے میں گرم بالو اور تیز کانٹوں پر خون چکاں لاشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی ہوں۔

لیکن لذت اور عیش کے پرستاروں کو قتیلان حسرت و یاس کا افسانہ سُننے کی مہلت کہاں۔ اگر غم کے ماتم کدوں میں آگ لگ گئی ہے تو عیش کے عشرت کدوں میں گلاب کا چھڑکاؤ کیوں روک دیا جائے۔ دنیا کے کارخانے ہمیشہ غفلت کی کل سے چلے ہیں اور چلتے رہیں گے۔

زخار خار محبت دل ترا چہ خبر
کہ گل بجیب نگنجد قبائے تنگ ترا

تو نہیں، حالانکہ تجھ سے لاکھوں میں نیچے فرش ارضی کی سطح پر، جو خاموش اجسام اس وقت پڑے ہیں، ان کا دل خدا سے قریب ہی نہیں بلکہ اس وقت اسی کی گود میں ہے۔ اس خدائے نیرنگ ساز کی گود میں، جو ظلم و عدوان سے گو خوش نہیں۔ مگر اپنے دوستوں کے لئے یہی پسند کرتا ہے کہ ان کے گلے کٹے ہوئے اور جسم زخموں سے سُرخ ہوں۔" لیکن اس کا ضبط اب قابو سے باہر تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی قدر آگے بڑھا۔ سامنے ایک ٹھنڈی لاش خون کے لتھڑوں کی تہہ سے منہ ڈھانکے ہوئے پڑی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ گولی کی ضرب سے لٹک کر الگ ہوگئی تھی اور ناف سے لے کر چہرے تک سنگینوں اور تلواروں کی نوکوں سے کٹ کٹ کر گوشت کا ایک مسطح ٹکڑا ہوگیا تھا۔ اُس نے جھک کر اس کٹے ہوئے الگ پاؤں کو بوسہ دیا اور اس آواز سے جو دل اور حلق جگہ اٹکی ہوئی تھی۔ چیخ دیا۔

★

اے گوشت و خون کے مقدس ڈھیر! اے محبوبیت الٰہی کی جبروت وعظمت! اے دائمی شرف و تقدیس کی مثال! اے ظلم فانی، اور محبت الٰہی کے قتیل۔ اے حیاتِ ارضی سے روٹھنے والے اور ملاءِ اعلیٰ کے ساکن! اے ملائکہ مقربین کے ہمنشین اور اعلیٰ علیین کے مکین! اے وہ، کہ تیرے خدا کی طرح اب تیرے لئے بھی کبھی فنا و زوال نہیں اے وہ، کہ ایک مرتبہ کٹ کر ہمیشہ کے لئے واصل، اور ایک مرتبہ مر کے ہمیشہ کے لئے زندہ ہے! خدا کے دشمنوں نے تیرے جسم کو بھیانک بنا دیا ہے مگر وہ تیری روح کے حسن کو تو بگاڑ نہیں سکتے تھے۔

جس طرح دشمنوں کی گولی سے تیرا پاؤں تیرے جسم سے الگ ہوچکا ہے مگر

یکایک اندرونِ صحرا کی طرف سے چاند کی بھیانک روشنی میں ایک سیاہ قد نمودار ہوا۔ اس مدینۂ اموات میں یہ ایک تنہا متحرک جسم تھا۔ وہ ایک اونٹنی پر سوار تھا۔ جو اس کی طرح بالکل چپ تھی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا۔ مگر لاشوں کے ڈھیر کو رحمدل اونٹنی اپنے گھٹنوں سے ٹھکرا دینے پر راضی نہ ہوئی۔ وہ نہایت آہستگی سے اتر کر خونِ انسانی کے اس سمندر کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کے لبوں کے ہلنے کی آواز ہے یا دل کی دھڑکن کی۔ مگر جس عالم میں وہ کھڑا ہے یہاں لبوں کی حرکت اور دل کی دھڑکن۔ گویائی میں دونوں برابر ہیں، بلکہ عجب نہیں کہ لبوں سے نکلی ہوئی آواز کو سُننے والا اب یہاں کوئی نہ ہو، مگر دل کی صدا کو ہر لبِ زخم سن کر خون کے آنسوؤں سے جواب دے۔

وہ کچھ عرصے تک غیر متحرک سنگین بت کی طرح خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے گردن اُٹھائی۔ پہلے اپنے سامنے کے ایک منظرِ خونیں پر نظر ڈالی اور چاند کو دیکھ کر بولا۔

آہ! زندگی کے عیش و نشاط پر چمکنے والے چاند! تجھکو آج بھی اس فضائے خونیں پر آ نکلنے کی مہلت مل گئی؟ انسانی غفلت کے لعنت کدوں کو روشن کرنے کے بعد تجھ کو فرصت مل گئی کہ یہاں کی متبرک وحشت کو بھی جھانک کر دیکھ لیں۔ لیکن تو جو ظالموں کے سروں پر بھی چمکتا ہے اور انسانی سبعیت و درندگی کے چہروں کو بھی اپنی کرنوں سے نمایاں کر دیتا ہے۔ کیا حق رکھتا ہے کہ ان مقدس لاشوں پر اپنی ملوث روشنی ڈالے؟

تیرے لئے انسانی فسق و معصیت کے پوشیدہ دریچے کافی نہیں ہیں کہ انسانی شرف و تقدیس کے اس صحرائے مقدس کی پاک تاریکی میں خلل ڈالنے کے لئے آ موجود ہوا؟ تو سمجھتا ہے کہ تیرا آشیانہ ہم سے بلند ہے اور اس لئے تو خدا کے عرشِ کبریائی سے زیادہ قریب ہے۔ شاید تو قریب ہو۔ مگر اس کے پاس

دنیا مر گئی۔ زندگی کہیں بھی نہیں۔ مگر اے شہر خاموشی! اے صحرائے سکوت تیرے ہر خون سے رنگین ذرّہ خاک میں ایک حیات پوشیدہ ہے۔ اے مرنے والو! کیا تم ہم کو زندگی نہ دو گے؟ ہم بدبخت ہیں کہ تم زندہ ہو گئے۔ مگر ہم تمہارے پیچھے موت کی ایڑیاں رگڑیں گے۔ تم نے اپنے مقدس خون کی چھینٹوں کو اپنے قاتلوں سے دریغ نہیں کیا۔ مگر ہم کو محروم رکھتے ہو۔ کاش تمہارے اس خون کا جو راہ ملّت پرستی میں بہا ہے۔ ایک قطرہ بھی میسر آجاتا تاکہ اس سُرخ رنگ سے اپنے آستین و دامن پر گل بوٹے بلاتے اور قیامت کے دن مقام محمود میں جب رحمۃ اللعالمین لوائے رحمت کے نیچے کھڑا ہوتا تو اس قبائے لالہ گوں کو پہن کر اس کے تخت رحمت کو بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ تیری اس امت کے مُردہ سینے سے نکلے ہوئے خون کا دھبہ ہے۔ جس کی یاد سے تو اپنے خدا کی بندگی میں بھی غافل نہیں ہوتا تھا۔ اے وہ کہ جب تیرا وجود رحمت حجاز کفرستان میں رہا۔ خدا کا قہر اس پر نازل نہ ہوسکا۔ واذقالوا لھم انکان ھذا ھوالحق من عندک، فامطر علینا حجارۃ من السماء اوائتنا بعذاب الیم۔ وما کان اللہ لیعذ بھم وانت فیھم (اور مشرکان مکہ سرکشی کے نشے میں کہتے تھے خدایا اگر محمد (صلعم) واقعی حق پر ہے اور ہم ناحق پر تو کیوں نہیں ہم پر آسمان سے پتھر برساتا۔ یا کیوں نہیں کسی عذاب دردناک میں گرفتار کرتا؟ مگر اے محمدؐ! خدا کیونکر ان پر عذاب نازل کرے جب کہ تو بھی ان کے اندر موجود ہے)

تیرا وجود آب و گل میں تھا تو مصیبت نازل نہ ہوئی۔ مگر یہاں تو تیری محبت روح و دل میں موجود تھی، کیونکر دشمنوں کی تلواریں ان پر چل سکیں۔

لیکن نہیں، وہ عذاب الٰہی کے پتھروں کی بارش تھی رُک گئی، یہ محبت الٰہی

چند باریک اور ضعیف رگوں سے اب تک جُڑا ہُوا ہے۔ اسی طرح تیری رُوح بھی اب اس دنیا کے قفس سے آزاد ہوگئی ہے۔ جہاں نیکی ہمیشہ سے مظلوم ہے اور حق کا گذارہ نہیں۔ لیکن اس خاکدانِ ارضی پر تیرے جسم کا آخری بوجھ تیرے پاؤں کی رگوں کی طرح رُوح کو جوڑے ہے اور یہ تعلق بھی عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ جبکہ تیرے جسم سے یہ زمین خالی ہو جائے گی۔ اور انقلاباتِ عالم کا طوفان تیرے خون کے دھبوں کو دھو دے گا۔ اس وقت انسان کی نظریں تیرے نشانوں کو نہیں پاسکینگی مگر فرشتے ہمیشہ آسمان سے اتریں گے۔ تاکہ اس سرزمین کو بوسہ دیتے رہیں اور تیرا آسمانی دوست ہمیشہ پیار کی نظروں سے یہاں کی مٹی کو دیکھے گا۔ تاکہ ساکنانِ جنت کی نظروں میں اس کا شرف ہمیشہ قائم رہے۔ یہاں تک کہ اس کا تختِ آخری فیصلہ کے لئے بچھایا جائے گا۔ اور پھر تو اپنے قتل کے سلسلہ میں کھڑا ہوکر اس کا دامن پکڑے گا" اور " بای ذنب قتلت؟" کے فغاں سے محشرستان قیامت کو ماتم کدہ بنا دے گا۔

چوں بگذرد نظیمی خونیں کفن بمحشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

لیکن اے زمین! اے قاتلوں اور خوں ریزوں سے بھری ہوئی سرزمین اس جسم مقدس کے آخری بوجھ کی عزت کر کہ یہ خدا کی امانت پھر تجھے نہیں ملے گی۔ تجھ پر ہزاروں فدائیانِ ملت اور عشاق وطن اپنی لاشوں کو تڑپائینگے۔ مگر یہ مقتولانِ محبت پھر تجھ کو میسر نہ آئیں گے۔ جس قدر عزت کرسکتی ہے کر لے۔ کیونکہ یہ خدا کی گود میں کھیلنے کے لئے بہت جلد تجھ کو چھوڑنے والے ہیں۔"

★

اب پھر اس کی آواز اس کے قابو میں نہ تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

شورش سے خائف ہوکر بھاگ گئے تھے۔ مقام صفیٰ پر روکے گئے۔ اور فدیہ دینے پر مجبور کئے گئے۔ لنڈن ٹائمس کے ایک تار کے بموجب اس وقت فارس سے ۷۵ میل کے فاصلے پر کرنل مینگس چار ہزار آدمیوں کے ساتھ شہر میں ہنگامہ مچا دینے کی تیاری کر رہا ہے۔

کے پھولوں کی بارش ہے اس کو اور زیادہ ہونا چاہیئے" طاق محبت کی ساری آرائش خون کے چھاپوں، اور گل بوٹوں ہی سے ہے۔

خستنش ہمہ قتل ست نقابش ہمہ خونست

★

وہ یکایک چونک پڑا۔ دیکھا تو چاند اس کی ملامت کی پروا نہ کرکے اور آگے بڑھ آیا ہے اور منظر زیادہ صاف ہے۔ سامنے خون و میت کا ایک سمندر سکون و سکوت میں تھا۔ اس نے پھر ایک مرتبہ جھانک کر سامنے کی لاش پر بوسہ دیا اور کہا:۔

اے کبریائے منتقم و قہار کی نگراں آنکھیں! اے ملائکہ سماوات کی بے شمار جماعتو! اور پھر اے خون کے سمندر، اور لاشوں کے صحرا! تم گواہ رہنا کہ میں اپنے تئیں خدا کے سپرد کر دیتا ہوں۔ ایک لمحے، ایک دقیقے، ایک چشم زدن کے لئے بھی الگ نہیں۔ نہ مجھکو اپنی غیبی تلوار بنائے اور پھر بیکار نہ رکھے۔ یہ خون کب تک بے آواز بہتا رہے گا؟ کب تک خدا کے دشمنوں کی لعنت سے وطن مقدس کی سرزمین ناپاک رہے گی۔ میں ایک بے سروسامان مسافر ہوں اور دشمنوں کی فوجوں کے غول بحر و بر پر قابض، مگر اے خدا! تیری جنود مخفی کہاں ہے؟

یہ کہکر اس نے اپنے گرم آنسوؤں کے چند قطرے اس سرد لاش پر ڈالے اور پھر یکایک پیچھے ہٹ کر اپنی خاموش اونٹنی پر سوار ہوا اور صحرا میں غائب ہوگیا۔

★

یہ صحرائے لیبیا کے امن و قتال کا "تاجدار"

انور بک تھا، اس نے فرانسیسی سفارت خانے اور فرانسیسی معلّم افسروں کا محاصرہ کر لیا۔ نیز مراکش میں عام طور پر اس کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ جو یوروپین باشندے

آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ بعض اسباب خاص سے عاجز ہونے کی وجہ سے عام مجالس کی شرکت قطعاً بند کر دی تھی، اور گذشتہ (خیرپور) کی مجلس میں التجا کی تھی کہ آئندہ اس خدمت سے معاف رکھا جاؤں۔ ارکانِ انجمن نے جب اس کی نسبت ایک خط لکھا، تو پہلے جی میں آیا کہ معذرت کے ساتھ انکار کر دوں لیکن اس کے بعد سوچا کہ وقت تو وہ آگیا ہے جب گونگے بولنے لگیں، اندھے دیکھنے لگیں۔ لنگڑے چلنے لگیں۔ اور بہرے سننے لگیں۔ کیونکہ اسلام اپنے ہر پیرو سے اس کے آخری فرض کا مطلب اور اس شے کا خواستگار ہے جس کے بعد اس کے ذمہ اور کچھ باقی نہ رہے گا اور وہ توحیدِ الہٰی کے حق سے سبکدوش ہو جائے گا۔ پس جو زبان نہیں بول سکتی اس کو بھی بولنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اور جو قدم نہیں اٹھ سکتا، اس کو بھی چلنے کے لئے اٹھنا چاہیئے۔

توحید اخوت اسلامی و عموم رشتہ دینی

قرآن حکیم نے توحید الہٰی کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو "سراجاً منیرا" سے ملقب کیا اور ان کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

انا ارسلناک شاھداً ومبشرا ونذیرا۔ وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا۔	اے پیغمبر! بیشک ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت پہنچانے والا اضلالت وخبائث سے خوف دلانے والا، راہ الہٰی کی طرف داعی، اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا ہے۔

لیکن ایک دوسرے موقع پر آفتاب کو بھی "سراج" کے لقب سے یاد کیا ہے:۔

وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس	اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ

مسئلہ اسلامی

مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ تقریر جو انہوں نے ۲۷ر اکتوبر کو کلکتہ کی ایک عام مجلس میں کی

(۱)

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر۔

☆

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید، ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

برادرانِ اسلام!

عرصے کی خاموشی کے بعد پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔

تحقیق حال ما زنگہ میتواں نمود
لخت ز حال خویش بسیما نوشتہ ایم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا۔ مگر تمام عالموں کے لیئے رحمت قرار دے کر۔

انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی کہ اس نے رشتہ خلقت کی وحدت کو بھلا کر، زمین کے ٹکڑوں اور خاندان کی تفریقوں پر انسانی رشتے قائم کر لئے تھے۔ خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لیئے اپنی قوموں کو باہمی اختلافات ونزاعات کا گھر بنا دیا تھا۔ لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے۔ جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الٰہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت و اتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ :-

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لیئے کہ باہم پہچانے جاؤ۔ ورنہ در اصل یہ تقریب و انتساب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز اور شرف اسی کے لیئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے "ومن آیاتہ اختلاف السنتکم والوانکم"۔ لیکن اس کو وہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں قرار دیتا۔ انسان کے تمام دنیاوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے وہ ایک ہے۔ پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔

سراجا ایک روشن مشعل ہے۔

اس مماثلت اور اشتراک تشبیہ سے مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتاب مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ آفتاب جب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک ودور، اعلیٰ وادنیٰ، سیاہ وسفید، باغ ودشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلاتمیز مکان ومقام ہر شے پر چمکتی اور ہر حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس آفتاب دعوت الٰہی اور نیر درخشاں سمائے رسالت کی عموم فیضان بخشی کا تھا، جو گو سعیر سے چلا، مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا، جس کی کرنوں میں دہنی جانب شریعت الٰہی کی "نور وکتاب مبین" تھی۔ مگر بائیں جانب قیام عدل ومیزان کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی، جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروزمندی تھا۔ کیونکہ آسمان ہدایت پر شریعت الٰہی کے گو سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے تھے۔ لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لئے دنیا کو آفتاب کے طلوع کا انتظار رہتا ہے۔

واللیل اذا یغشیٰ
والنھار اذا تجلیٰ وما خلق
الذکر والانثیٰ

رات کی قسم، جبکہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام اشیا کو چھپا دیتی ہے۔ اور روز روشن کی قسم جبکہ آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کردیتی ہے اور دراصل اس خالق کی قسم جسنے تخلیق عالم کیلئے نر و مادہ کا وسیلہ پیدا کیا

اس آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق و انشقاق کی تمام تاریکیوں کو مٹا دیا۔ اس کی روشنی کی فیضان بخشی میں اسود و ابیض اور عرب و عجم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ "رب العالمین" تھا۔ پس ضرور تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی رحمۃ للعالمین ہو۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے۔ ہر انسان جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا۔ مجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ مصری ہو، خواہ نائیجیریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک، لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے۔ جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں۔ مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے۔ بعید نہیں کہ ایک ماں بچے کو اپنی گود سے الگ کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں گے۔ مگر جو رشتہ ایک حبشی مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے، اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوستہ و یکجان کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی نہیں ہے جو اسے توڑ سکے۔ اور اس زنجیر کو کاٹ سکے۔ جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسان کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزانِ ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگانِ قافلۂ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تعجب ہے اگر ہم اس کا زخم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیروئے توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر، جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامیٔ وطن کے حلق بریدہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے۔ ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعت نزع میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی

اگرچہ سمندروں کے طوفانوں۔ پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دُور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جُدا کر دیا ہو۔

ان ہٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ، وانا ربکم فاتقون

بے شک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں۔

اے برادرانِ ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی جس نے زمین کے دُور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا۔ اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا۔ مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبل بوقبیس کی گھاٹیوں سے اُٹھی۔ مگر دیوار چین سے صدائے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ و فرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقش قدم گن رہی تھی۔ عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سینکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ یہ تمام عالم کی مختلف قومیں، زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے۔ جن کو شیطان رجیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعے پھر ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور ان کے روٹھے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکائتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی شریک رنج و راحت ہو گئے۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم، اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جو تم پر نازل کی گئی جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی۔ اور دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔

روایت کیا ہے کہ:۔

المومن للمومن کالبنیان، یشد بعضہ بعضا — ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے، جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اپنے جامع و مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ:۔

اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ — کافروں کے لئے نہایت سخت، مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔

ان میں جس قدر سختی ہے، باطل اور کفر کے لئے۔ اور ان کی جس قدر محبت الفت ہے، حق و صدق، اور اسلام توحید فاعتبروا ایھا المسلمون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون

جامعہ اسلامیہ یا پان اسلام ازم

جب سے اسلام دنیا میں موجود ہے یہ اخوت و وحدت بھی موجود ہے۔ مگر یورپ کا حدیدو سینۂ شیطانی اس کو کسی مجہول الحال اور حدیث العہد" اسلامی اتحاد سیاسی" سے تعبیر کرتا ہے اور اس اصنغاث احلام کی تعبیر اس کو ایک خون افشاں ہلال کی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی ایسے وقت کے تصور سے اپنے تئیں لرزاں و ترساں ظاہر کرتا ہے۔ جب کہ تمام عالم میں چالیس کروڑ مسلمانوں کی تلواریں بیک یک چمک اٹھیں گی۔ عیسائیوں سے ان کے گذشتہ چار سو سال کی مسیحی خون ریزی کا حساب لیا جائے گا۔ اور خذوہ، فغلوہ ثم الجحیم صلوہ، کے نعروں کے ساتھ تمام دنیا کے درختوں پر صلیب پرستوں کی معلق اور مصلوب لاشیں ان کے خدائے مصلوب کی لاشوں کی طرح لٹکنے لگیں گی۔

آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو۔ اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھن رہے ہیں، تو ہم اللہ اس کے ملائکہ اور اس کے رسولؐ کے آگے ملعون ہوں۔ اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ حالانکہ اگر اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے، تو مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوؤں میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی، کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ اس چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ملّت اسلام ایک جسم وحد ہے۔ اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹے چبھے تو جب تک باقی اعضاء کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں۔ ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بیخبر رہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ محض اظہار مطلب کا زورِ بیان ہی نہیں ہے۔ بلکہ عین ترجمہ ہے۔ اس حدیث مشہور کا، جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:۔

مثل المومنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم، مثل الجسد اذا اشتکیٰ لہ عضو تداعیٰ لہ سائر الجسد بالسھر والحمی	مسلمانوں کی مثل باہمی محبت و مرحمت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔

اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے جو کو ابو موسیٰ اشعری نے

اسلام کے زیر اثر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کو بھی یورپ کی مسیحی حکومتیں کسی ایسی تقسیم کے ساتھ۔ جو توازن دولی پر موثر نہ ہو۔ آپس میں بانٹ لیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے، اور جس شخص نے کم از کم گذشتہ دس برسوں کے اندر واقعات سے آنکھیں بند نہیں کر لی ہیں۔ نہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے۔ پھر اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے سینے میں پیوست کر دینے کے لئے تیز کیا جا رہا ہے تو کیا مضائقہ۔ اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہوں گے؟ اگر خدا پرستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیمی ہے۔ اور یہ کوئی نئی مسیحی سازش نہیں، تو پیروانِ توحید کا حملہ مشرکین سے بچنے کے لئے اتحاد اخوت بھی کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ یورپ جانتا ہے کہ مسئلہ مشرقی کے لئے کوئی بچاؤ اگر اسلام کے پاس ہے تو اس کا حقیقی اتحاد اسلامی ہے، اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس پر متفق ہو جانا ہے کہ اپنی قدیمی سیادت اور شرت کو محفوظ رکھیں۔ اسلامی زندگی کی آخری اسلامی تلوار صرف ترکوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ایک ترکی حکومت جس کے کئی قیمتی اجزاء پر مسئلہ مشرقی کی قینچی چل چکی ہے۔ مسیحی اتحاد کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے؟ البتہ اگر چالیس کروڑ قلوب اسلامیہ ہلال کے نیچے جمع ہو جائیں۔ تو پھر وہ ایک ایسی قوت ہے جس کو سینکڑوں سکندر اور رہنے بال بھی مل کر فنا نہیں کر سکتے۔ یورپ چونکہ یہ جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ غفلت اور اغراض پرستی نے مقامی و وطنی سرشاریوں میں مسلمانوں کو مبتلا کر دیا ہے اور ان کے باہمی بین الملی اتحاد کے جسم میں مغربی الحاد کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں۔ اس لئے گو فی الحقیقت کسی ایسے "اسلامی اتحاد کا وجود نہیں ہے لیکن وہ وقت سے پہلے پیدا ہونے والی مقاومت کا استیصال کرنا چاہتا ہے اور اس مشہور قاعدے کی رو سے کہ "الفناء وقوع المرض خیر من معالجتہ بعد وقوعہ" اسلام کو فنا کرنے سے پہلے اس کے

مگر یورپ کے چہرۂ خونیں کا عکس ہے جو اس کو عالم اسلامی کے آئینے میں نظر آتا ہے۔

میں نے جب کبھی اس قسم کی تحریریں پڑھی تو لکھنے والوں کے تعصب پر اس قدر متعجب نہیں ہوا ہوں۔ جس قدر اس کا جواب دینے والے مسلمانوں کی جہالت بلکہ اسلام فراموشی پر جب کبھی یورپ کے شیاطین سیاست نے "پان اسلام ازم" کی صدا بلند کی ہے تو معاً مسلمانوں نے ڈر ڈر کر اور کسی خونی مجرم کی طرح سہم سہم کر اپنی بریت کے بے اثر دلائل کی وظیفہ خوانی شروع کر دی ہے اور پھر اکثر اوقات غیروں کو خوش کرنے کے لئے اس میں اس درجہ غلو کیا ہے کہ خود اپنے تئیں بھول گئے ہیں۔

"مسئلہ مشرقی" اور "پان اسلام ازم"

لیکن حضرات یقین کیجئے کہ "پان اسلام ازم کا فرضی خطرہ جس غرض مخفی سے دنیا کے سامنے لایا جاتا ہے بہت کم مسلمان ہیں جن کی نظر اس کی حقیقی علت پر ہوگی۔ اس خطرے کے اعلان پر بریت اور احتیاط کی کوشش بالکل بے فائدہ ہے، کیونکہ اس کی بنیاد جہل نہیں بلکہ ایک نہایت سخت ابلیا زحکمت عملی ہے۔ قبل اس کے کہ مسلمان "پان اسلام ازم" کے جرم سے کانوں پر ہاتھ دھریں ان کو خود یورپ سے پوچھنا چاہیئے کہ "مسئلہ مشرقی" کی حقیقت کیا ہے؟ فما کان جوابھم فھو اجوابنا۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج نصف صدی سے یورپ کی تمام مسیحی طاقتوں نے ایک خاص متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے اور اس کا نام "مشرقی مسئلہ" یا "مشرق کا فیصلہ آخری" رکھا ہے۔ مشرقی مسئلہ کی حقیقی غایۃ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے بقیہ قوائے سیاسیہ کا بتدریج خاتمہ کر دیا جائے اور بالفاظ صاف تو یہ، کہ دنیا کے جس قدر حصے

کو کہاں ڈھونڈیں ؟

پروفیسر (مکسین ہارڈن) جو اسٹریا کے سب سے بڑے اخبار (زنگفت) کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہے۔ چند سال ہوئے ہیں کہ اس نے مسئلہ مشرقی پر لکچر دیا تھا۔ اور اس کا خلاصہ (لنڈن ٹائمس) نے چھاپا تھا۔ مجھ کو یاد ہے کہ اُس کی آواز ان جملوں کو پورا کر کے رُکی تھی۔

"اب اور کب تک اسلام کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ کہ وہ اپنی ہزار سالہ وحشت و خونخواری کے واقعات بیسویں صدی میں دُہراتا رہے ؟ کب تک یورپ اپنی باہمی رقابت کے ہاتھوں عالم انسانیت کی مظلومی کا تماشا دیکھتا رہے گا۔ اسلام ایک خطرہ ہے اور اس کا بقا تمام تر خطرہ۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یورپ اسلام سے جو زمین کا ٹکڑا لے لیتا ہے، وہ اس کا قدرتی حق ہے۔ اور وہ ل یورپ کے لئے مال غنیمت ہے۔ جس کی واپسی کا خیال بھی جنون ہے۔

یورپ اسلام کے چالیس کروڑ نفوس انسانی کو تمدن اور تہذیب کے نام سے فنا کر دینا بیسویں صدی کی سب سے بڑی مدنی خدمت سمجھتا ہے۔ لیکن روس میں آج کئی ملین عیسائی موجود ہیں جو عثمانیوں سے ہزار درجہ یوروپین تمدن سے البعد ہیں۔ سب سے پہلے اس خنجر تہذیب کی دھار کی مستحق ان کی گردنیں کیوں نہیں سمجھی جاتیں ؟ اور اگر جس تہذیب کے نام پر صلیبی جنگ جاری کی گئی ہے یہ وہی تہذیب ہے جس کی ٹریجڈی ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو رومانی تمثال نے طرابلس دکھلائی تھی تو ہزار سلامتی ہو تجھ پر، اے وحشت و خونخواری۔ اور ہزار ہزار رحمت و برکت نازل ہو تجھ پر اے افریقہ اور ناٹیجریا کی بربری و درندگی۔ اور کبھی تیرے سایۂ برکت سے ہمارے سر جدا نہ ہوں۔

بجاؤ کی ڈھال کو فنا کر دینے کی تدبیروں میں مصروف ہے۔

پھر کیا ہو گیا ہے ان ملاحدہ مسلمین اور متفرنجین مارقین کو جو "پان اسلام ازم" نام سنتے ہی "صبا ناصبا نا" کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں اور ہاں قسمیں کھا کھا کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ ہماری یورپ پرستی، اور اسلام دشمنی کی پُر امن وفاداری میں کوئی اسلامی اتحاد خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ کیا وہ اس انکار و تبری سے ٹھیک ٹھیک اس غرض و غایت کو پورا نہیں کرتے، جو اس عمل شیطانی سے خود یورپ کے پیش نظر ہے؟

پروفیسر (ویمبرے) جس نے اٹھارہ برس کی عمر سے تیس برس تک ترکوں کا نمک کھایا ہے اور اس کے بعد ہمیشہ ایک اسلام پرست اور عثمانی خواہ دوست کے سرائے یلدیز کی شاہانہ مہمان نوازیوں سے متمتع ہوتا رہا ہے۔ کل کی بات ہے کہ (بوداپیسٹ ہیرلڈ) میں اس تمہید کے اعادے کے بعد کہ وہ مسلمانوں کا دوست ہے لکھ رہا تھا۔

اسلام کی حمایت سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ عنقریب فنا ہو جائے گا اور اس کو فنا ہی ہو جانا چاہیئے۔ مسلمان ایک ایسی وحشی قوم ہے جس میں نہ تو "طبیعتہ" کا وجود ہے اور "طبیعتہ" کو وہ محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کو صرف خدا کی عبادت گذاری آتی ہے۔ مگر دُنیا میں کام کرنا نہیں آتا۔ تمام انسانی حس و شعور ان سے سلب ہو گئے ہیں صرف ایک دینی جذبہ ان میں باقی ہے۔ نہ ان کا کوئی مسلک ہے، اور نہ کائنات میں مقصد۔ پس اب یورپ کے لئے یہی باقی رہ گیا ہے کہ وہ اسلامی حکومتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لے۔"

یہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دوست کی آواز ہے لیکن اب دشمنوں

ریت پر اب تک اس جمے ہوئے خون کے ٹکڑے باقی ہیں۔ جو تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے ایک پیشرو نے بہایا، مراکش میں ان لاشوں کا شمار کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جن میں سیکڑوں کو مٹی کے بوجھ کی جگہ تمہارے گھوڑوں کے سموں کی پامالیاں اور تمہارے جنگی بوٹوں کی ٹھوکریں نصیب ہوئی ہیں۔

یہ تمہارے تمام خباثت شیطانی دنیا کے لئے تہذیب و تمدن کی رحمت اور امن اور صلح کی برکت ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آٹھ سو اٹالین قیدی۔ عزیزیہ اور بطروق کے صحرائی قبائل کی قید میں دن میں پانچ مرتبہ اس غذا سے بہتر غذا کے سامنے بٹھائے جاتے ہیں۔ جو فوج طرابلس کے عام افسر کو نصیب ہوتی ہے اور جبکہ اس وقت جبکہ نخلستان طرابلس میں مسلمانوں کے شیر خوار بچوں اور خانہ نشین عورتوں کا قتل عام کیا جاتا ہے، ڈیڑھ سو سے زیادہ اٹالین قیدیوں کو شجاعت بے خاص اپنا خیمہ دے دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ریگستان کی گرد اور تپش کے عادی نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں لیکن پھر بھی اسلام اور اسلام کے محافظ ترک، وحشت و بربریت کا پیکر ہیں۔ اور صرف تہذیب و شائستگی کی تکمیل کے لئے ان کو مٹا دینا چاہیئے۔

پس اے برادرانِ ملت! جس "پان اسلام ازم" کو یورپ پیش کر رہا ہے۔ اگرچہ اس کے وسائل آخریں زمانہ سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں۔ مگر اس سے بربیت کی بے فائدہ کوشش نہ کیجئے۔ جس چیز کو آپ اپنی بریت میں پیش کریں گے اس سے وہ بے خبر نہیں ہے۔ آپ اپنی بریت کے اظہار میں آج کل کے ملاحدۂ مسلمین کی طرح خواہ اپنی جنس اسلامی کو جنس مغربی سے کیوں نہ بدل لیں۔ لیکن وہ کبھی "پان اسلام ازم" سے اپنے تئیں بے خطر نہ دکھلائے گا کیونکہ وہ دانستہ آپ کی ایک اصلی مدافعانہ قوت اتحادی کو اس طرح فنا کر دینا چاہتا ہے۔ آپ انکار کریں یا اقرار دونوں حالتوں میں اس کا سلوک یکساں ہوگا۔

وجود ک ذنب لایقاس بہ ذنب

حضرات! یورپ کے نزدیک "مسئلہ مشرقی" کا حل بالکل ایک قدرتی عدل و انصاف ہے۔ چالیس کروڑ نفوس اسلام کو مٹا دینے کا عملی تہیہ کوئی تشویش انگیز بات نہیں۔ یہ اس پرانی مسیحی وصیت کی تبلیغ و تکمیل ہے جس کو سلینٹ لوقا نے شہزادہ امن (مسیح) کی زبانی دنیا کو سنایا تھا۔ کہ "میرے وہ دشمن جو نہیں چاہتے کہ میں ان پر حکمرانی کروں ان کو یہاں لاؤ اور میرے قدموں کے آگے ذبح کر دو۔ پس اس میں کوئی انسانی ظلم نہیں۔ قوموں کے قدرتی قانون کا احترام اس بارے میں بالکل بے معنی ہے۔ اگر کوئی شے قابل توجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ یورپ کی رقیب حکومتیں ایک دوسرے پر بازی نہ لے جائیں۔ جسم اسلام کی اس طرح بوٹیاں نوچی جائیں کہ ہر بھیڑیے کے منہ میں مساوی تقسیم کے ساتھ ایک ایک لقمہ آجائے لیکن جامعہ اسلامیہ، اسلام کی قدرتی اخوت، اس کا روز اوّل سے قائم کردہ رشتہ، اتحاد، تو یہ ایک سخت سے سخت معصیت اور جرم ہے جس کا کوئی ذی روح مخلوق مجرم ہو سکتا ہے۔ یہ ایک کھلا عدوان و فساد ہے۔ یہ ایک وحشیانہ تعصب اور بربرانہ خونخواری کی سازش ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کے لیے تعزیر اور عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایک ایسی تاریک زندگی ہے جو صرف اس لئے ہے کہ اسے مٹا دیا جائے۔ ذالک قولھم بافواھھم، یضاھون قول الذین کفروا من قبل، قاتلھم اللہ انی یؤفکون۔

لیکن اے اقوام یورپ! اے دردانہ قافلہ انسانیت! اے امثال درندگی و سبعیت! اے مجمع وحوش وکلاب۔ ظلم و عدوان؟ اور خون و خونریزی تاچند۔ کب تک انصاف ظلم سے روشنی تاریکی سے مغلوب رہے گی؟ تبریز میں تمہارے ہاتھوں انسانوں کی گردنیں سولی میں لٹک رہی ہیں۔ طرابلس کی

سچ یہ ہے کہ ہم اپنے "اصلی پان اسلام ازم" کو کھو چکے ہیں، اور یہی علت حقیقی اسلام کے اصلی ضعف اور انحطاط کی ہے۔ مگر چونکہ اس کا بیج اب بھی ہم میں موجود ہے۔ گو برگ و بار نہیں۔ اس لئے یورپ چاہتا ہے کہ اس طرح کے انتشارات سے بہما اور ڈرا کر ہم کو آئندہ کی ہوشیاری اور بیداری سے بھی باز رکھے۔ اور یہی اتحادی قوت کا بھی اس کی نشو و نما سے پہلے خاتمہ کر دے۔

مسئلہ مسلم یونیورسٹی اور مسئلہ بقائے اسلام

اے حضرات! یاد رکھئے کہ آج اسلام کے لئے مسلمانوں کی کوئی وطنی اور مقامی تحریک سُود مند نہیں ہو سکتی اور اس کشتی کے تیرنے کے لئے اصلی (نہ کہ یورپ کے اختراعی) "پان اسلام ازم" کے سوا کوئی اور بادبان نہیں ہے۔ ایک قوم جو ریگستان عرب سے دیوار چین تک آباد ہے۔ اس کو زمین کے کسی خاص ٹکڑے کا تغیر کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

جس قدر مقامی کوششیں آج عمل میں آ رہی ہیں، خواہ وہ مصر میں ہوں یا ترکی میں۔ الجزائر میں ہوں یا اس تیرہ زار ہند میں، میرے عقیدے میں یہ سب کچھ ہمنا شیطان کا ایک عمل السحر ہے جو اس لئے مسلاتا ہے، کہ سونے والوں کا اُٹھنا اسے پسند نہیں۔ میں نے کہا کہ ہم میں سچا "پان اسلام ازم" یا بالفاظ اصلی رشتۂ اخوت دینی باقی نہیں رہا۔ لیکن کیونکر باقی رہے۔ جبکہ ہندوستان میں ایسے عظیم الشان اشغال ہمارے لئے موجود نہیں ہے جو نفس اسلام کے بقا سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ہم غریب ترکوں یا ایرانیوں کی کیونکر خبر لیں؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ہمیں (علیگڈھ) میں ایک یونیورسٹی بنانی ہے۔ اس کے لئے تیس لاکھ روپیہ جمع کرنا ہے۔ یہ مانا کہ دنیا کی کوئی سرزمین ہے جہاں خود اسلام کے بقا و فنا کا سوال درپیش ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ مسلم یونیورسٹی ہمارے قومی مقاصد کا اصلی نصب العین ہے۔ کعبۂ علی گڈھ کے شب زندہ

مثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث
اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس کو اگر دتکار دو، جب بھی زبان باہر لٹکاتا رہے گا، اور اگر اس کو چھوڑ دو جب بھی زبان ہلاتا رہے گا۔

کاش مسلمانوں میں پان اسلام ازم ہوتا

مسلمان " پان اسلام ازم " کے نام پر استغفار پڑھ رہے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اے کاش آج مسلمانوں میں " پان اسلام ازم کا وجود ہوتا۔ وہ " پان اسلام ازم " جس کو ترکی یا انگلستان کے مسلمانوں کی کسی خفیہ کمیٹی نے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ روز اول سے اس کی ہم کو دعوت دی گئی ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تفرقوا۔
ایک دین الٰہی کی رسی سب مل کر پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو۔

اگر پان " اسلام ازم " کا اصلی وجود ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ ہمارے سامنے ایران پر قیامت گذر جاتی، مراکش کا خاتمہ ہو جاتا۔ طرابلس میں مسلمانوں کی لاشیں تڑپتیں اور ہمارے قلوب میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی۔ روضہ مبارک حضرت امام رضا علیہ السلام کی دیواریں ملاعنۂ روسیا کی گولہ باری سے گر گئیں۔ برقہ کی مسجدوں کے میناروں پر اٹلی کے مشرکین و مریم پرست چڑھ گئے۔ تا کہ عین اس مقام پر جہاں خدائے واحد کی تقدیس و تسبیح کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں۔ رومن کیتھولک بت پرستی کا علم نصب کریں۔ لیکن مجھ کو بتلاؤ کہ کتنے ہندوستان میں مسلمان ہیں، جن کے دلوں میں زخم لگے، اور کتنے ہیں، جن کے جگر میں ٹیس اٹھی۔

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمان

ہیں۔ جبکہ تمام کائنات انسانوں کی جگہ ملائکہ معصومین کی بہشت نذار بن جائے گی۔ اور قتل و خونریزی کو لوگ اس طرح بھول جائیں گے جس طرح موجودہ عالم نے امن اور صلح کو فراموش کر دیا ہے۔ اس آرزو کے حسن و جمال پر کون دل ہے جو فریفتہ نہیں ہوگا۔ لیکن کیا کیجئے کہ دنیا امید و آرزو کی نہیں بلکہ حقائق و نتائج کی جگہ ہے۔ اور انسان جب تک فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے۔ اس وقت تک ایسی امیدوں کا اخلاق کے صفحوں سے باہر پتہ لگنا ممکن نہیں۔ آج اگر پوچھا جائے کہ قوموں کی زندگی اور زندگی کے مظاہر کہاں تلاش کئے جائیں تو اس کا جواب علم و فن کی بڑی بڑی درسگاہوں اور علوم اولین و الآخرین کے کتب خانوں میں نہیں ملے گا۔ بلکہ ان آہن پوش جہازوں کے مہیب طول و عرض سے جن کی قطاریں ساحل کے طول میں پھیلی ہوئی اور جن کے روزنوں سے انسان پاش توپوں کے دہانے نکلے ہوئے ہیں۔

پس حضرات! وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہو۔ مگر زندہ وہی رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی اقوام کی زندگی کا منبع، قیام عدل و میزان کا وسیلہ انسانی سبعیت اور درندگی کا ہتھیار، اور مظلوم کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ہی ڈھال ہے۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس

اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔ اور ان کو کتاب اور میزان دی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا جو ہتھیاروں کی شکل میں سخت خطرناک بھی ہے، اور نفع رساں بھی۔

وارثِ عبادت کی چہل سالہ تہجد گذاری کی مراد و آرزو، اور ہمارے رہنمائے اوّل کی دی ہوئی شریعت تعلیم کا یوم تکمیل ہے۔ جس دن یونیورسٹی بن جائے گی۔ اس دن الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دنیا کی وحی اسٹریچی ہال کی چھت پر نازل ہوگی۔ ترکوں کی ہمدردی اور ایرانیوں کی مصیبت پر ادائے فریضہ تشکر کے بعد ایک ریزولیوشن پاس کر دیا جائے گا۔ مگر اس افسوس پر ملامت نہ کیجئے کہ کمبخت طرابلس کے جھگڑے سے یونیورسٹی کے چندے میں فرق پڑ گیا۔ اولٰئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدی فماربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین

اے عزیزانِ ملت! قوموں اور ملکوں کی زندگی کا نہیں۔ بلکہ اسلام کی زندگی کا سوال ہے۔ فرض کیجئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے سارے منصوبے پورے کر لئے اور ان کا ہر فرد تعلیم اور دولت کا ایک مرکب طلائی بُت بن گیا۔ لیکن اگر سرے سے خود اسلام کی سیاسی طاقت ہی پر چھری چل گئی تو پھر علی گڈھ میں یونیورسٹی ہی نہیں بلکہ چاندی اور سونے کی بہشت شداد بھی بن جائے۔ مگر اس کے حور و غلمان کس کا ترانہ گائیں گے؟

السیف اصدق انباء من الکتاب

اے اخوان عزیز! یاد رکھئے کہ دنیا میں امن، صلح اور ترک قتل و غارت کا تصور کتنا ہی خوشنما ہو مگر دنیا کی بدقسمتی سے اب تک اصلی قوت تلوار کی قوت، اور زندگی کا سرچشمۂ آبِ حیات خون کی ندیوں اور فواروں ہی میں ہے۔ دنیا پر اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا ہے کہ تلواروں کی صداقت ضعیف ہوئی ہو اور امید نہیں کہ آئندہ بھی کبھی ایسا زمانہ نصیب ہو۔ غریب اخلاق نے ہمیشہ اپنے تنگنائے بیکسی میں چھپ کر کسی ایسی دنیا کی منتیں مانی

دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا صرف ایک ہی رشتہ ہے، دینی اخوت اور "پان اسلام ازم" کا، مگر ترکوں سے ہمارے دو رشتے ہیں، پہلا اخوت دینی کا کہ وہ بھی مسلمان ہیں۔ اس لئے خدا نے ہم کو ہمیشہ کے لئے ان کے رنج و راحت کا شریک بنا دیا ہے۔ دوسرا اس سے بھی قوی تر رشتہ خلافت دینی اور اسلام کے آخری سیاسی مرکز ہونے کا کہ آج کلمہ اسلام کی حفاظت کی آخری تلوار صرف ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کسی اور حصے سے اسلام کی حکومت مٹتی ہے تو ہم روتے ہیں، کہ ہمارا ایک عضو کٹ گیا۔ لیکن ترکوں پر جب کوئی آفت لائی جاتی ہے، تو تڑپ جاتے ہیں کہ ہمارا دل دو نیم ہو گیا ہم جب ترکوں کے لئے مضطرب ہوتے ہیں تو ہمارا اضطراب مسلمانوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے لئے ہوتا ہے۔

حضرات!

وہ قوم جس کا ظہور تیرہ سو برس ہوئے "مکہ" نامی ایک جزیرہ نما سے ہوا تھا اور جو مسلم کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ اس کا عقیدہ تو یہی ہے جس کو میں نے بیان کیا، لیکن بدبختی سے ایک دوسری قوم بھی ہم میں موجود ہے، جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیوی عزت و شوکت کا جوا کھیلا ہے اور اس کے لئے ملتِ مظلوم کو ایک بازیچہ بنا لیا ہے۔ ہوائے نفس جن کا آلہ ہے۔ حکام و امرا جن کے معبود ہیں۔ درہم و دینار جن کا قبلہ ہے۔ غلامی و تعبد جن کی شریعت ہے۔ جو قریش مکہ کے صامت و ساکن بتوں کی جگہ سمندر پار سے آئے ہوئے متحرک بتوں کو پوجتے ہیں۔ جو وحی الٰہی کی جگہ سمائے شملہ سے اترے ہوئے احکام و فرمان کو اپنی کتاب و سنت یقین کرتے ہیں اور جن کے قلوب "اصابع الرحمٰن" کی جگہ "اصابع الشیطان" میں ہیں۔ (یقلبھا کیف یشاء) غرضیکہ الذین یستحبون الحیاۃ الدنیا علی الاخرۃ،

اسلام کی پولیٹیکل طاقت کا مرکز وحید

مسلمان یاد رکھیں کہ آج صرف ایک ہی تلوار ہے۔ جو دین الٰہی کی حمایت میں بلند ہو سکتی ہے۔ اور وہ صرف آل عثمان کی مقدس شمشیر خلافت ہے۔ یہ اسلام کے گذشتہ قافلۂ جہاں باری کا آخری نقش قدم اور ہمارے آفتاب اقبال کی آخری شعاع اُمید ہے یہی سبب ہے کہ ہمارا ترکوں سے رشتہ محض اخوت دینی ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بھی مقدم تر رشتہ "خلافت اسلامیہ" کے دینی احترام کا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی قوم بغیر کسی سیاسی مرکز کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اسلام کا کوئی مرکز سیاسی اگر ہے تو صرف خلافت آل عثمان ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو۔ اگر اس کا فرض دینی ہے کہ اسلام کے بقا کا خواستگار ہو تو یہ بھی فرض دینی ہے کہ خلافت آل عثمان کے تعلق کو ایک خالص دینی رشتے کی طرح اپنے دل میں محفوظ رکھے اور دنیا کی جو حکومت اس کی دشمن ہو اس کو 'اسلام کا دشمن' اور جو اس کی دوست ہو اس کو اسلام کا دوست یقین کرے۔ کیونکہ مسلمانوں کی دوستی اور دشمنی، انسانی اغراض کے لئے نہیں بلکہ صرف دین الٰہی کے لئے ہے۔

مسلمانانِ ہند کی نسبت بار بار سیاسی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے کسی اسلامی حصے کے واقعات سے اس درجہ متاثر نہیں ہوتے جس قدر ترکی کے حوادث و حالات سے۔ اگر محض رشتۂ اخوت اور اشتراک مذہب ہی اس اثر پذیری کی علت ہے تو اس میں ترکوں کی خصوصیات کیا ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو اس واقعی ضروری سوال کے جواب میں یا تو نفاق سے کام لینا چاہتے ہیں۔ یا کفر سے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے بہتر راہ اسلام کی ہے۔ مسلمانوں کے بغیر ادنیٰ تامل کے صاف صاف اس پیچے سوال کا سچا جواب دے دینا چاہیئے۔ تمام

وَالْآخِرَة، وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔

آخرت میں اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے ایک ذلت بخش عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب زمانے نے پلٹا کھایا ہے۔ زمین اور آسمان دونوں طرف سے تازیانہ ہائے عذاب ان پر پڑ رہے ہیں۔ اس لئے گو دل نہ ہلے ہوں مگر زبانیں کچھ کچھ ملنے لگی ہیں۔ اب ترکوں سے اس قدر بے مہری ظاہر نہیں کی جاتی۔ خلافت اسلامی کا نام آتے ہی اس سے انکار تبری کے "تار" پانیر" میں نہیں بھیجے جاتے، مدت سے کوئی پمفلٹ بھی مسئلہ خلافت پر شائع نہیں کیا گیا۔ روزلیوشنوں کے پاس کر دینے سے بھی چنداں انکار نہیں ہے۔ بعض اصحاب کو تو بظاہر اس درجہ قلب ماہیت ہو گئی ہے کہ علانیہ ترک مجروحین کے لئے چندے میں بھی شرکت کر رہے ہیں۔ تاہم ہم کو معلوم ہے کہ اس انقلاب حالت کی اصلی علت کیا ہے؟ اور ان کے ظاہر اور باطن میں باہم کیا ربط ہے؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا، وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

یہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دل سے تو ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ظاہری کارروائیاں جس قدر ہماری ہیں وہ ایک تمسخر و دل لگی سے زیادہ نہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔

اے اخوانِ ملت۔ آج وقت آ گیا ہے کہ دلوں پر سے پردے اٹھ جائیں اور کفر اور ایمان میں تمیز ہو جائے۔ یقین کیجئے کہ یہ ایک سب سے بڑی اور شاید آخری

ویصدون عن سبیل اللہ، ویبغونہا عوجا، اولئک فی ضلال بعید۔

تو اے حضرات! اس قوم کے عقیدے میں "پان اسلام ازم" یا السلام کا بین الملی اتحاد" ایک کفر صریح ہے۔ خلافت اسلامی کوئی شے نہیں ان کو اپنی "خلافت راشدہ" کے سوا اور کسی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھنا چاہیئے اگر ایسا کریں تو فرض اطاعت اولوا الامر کی خلاف ورزی کے مجرم۔ ترکی فتح پر تبریک وتہنیت کا تار دینا داخل "تخفیف الحرقی" اور بغیر ان کے معبودان کونین کی اجازت کے قطعاً حرام ومعصیت کے بین الملی اثر کے مٹانے کے لئے تیس برس سے اپنا مشن پھیلا رہے ہیں۔ ایک آلۂ عمل رہے ہیں اور ہمیشہ دنیا کو اس کا یقین دلایا ہے کہ مسلمانان ہند کو خلافت اسلامی اور ترکوں کے بقار وفنا سے کوئی تعلق نہیں۔

حالانکہ جس وقت اپنے معبودان باطل کے آگے ان لوگوں کی زبان و قلم سے یہ جملے نکل رہے تھے۔ یقین کیجئے کہ اس وقت اللہ اور اس کے ملائکہ کی لعنت اور پھٹکار ان پر نازل ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس طرح بے تعلقی ظاہر کرکے یہ اس رشتے کو کاٹ رہے تھے۔ جس کو خدائے ابراہیم و محمد (علیہما الصلوۃ والسلام) نے تمام دنیا میں قائم کر دیا ہے۔ اور گویا اس پر اپنی رضا و مسرت ظاہر کرتے تھے کہ وہ لاکھوں مسلمان جو اس آخری وقت میں کلمۂ توحید کی حفاظت کر رہے ہیں، صلیب پرستوں کی تلواروں سے فنا کر دیئے جائیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے تھے کیونکہ مسلمانوں کی اذیت پر خوش تھے۔ اور مسلمانوں کی اذیت پر خوش ہونا عین اللہ اور اس کے رسول کی اذیت پر خوش ہونا ہے۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ، لعنہم اللہ فی الدنیا	جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں۔ دنیا اور

ہے کہ قدرت الٰہی اپنے دین مبین کی حفاظت کے لئے دوسروں کو چُن لے۔ اور ہم کو اسی طرح اپنے دروازے سے مطرود و مردود کر دے۔ جس طرح ہم سے پہلے بہت سی قومیں ہو چکی ہیں۔

یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید وما ذالک علی اللہ بعزیز	اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر و سائل ہو۔ اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور ایک دوسر مخلوق پیدا کر دے اور اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

اللہ کے عجائب کاروبار قدرت کے یہ تماشے پہلے ہی دن سے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ اس نے مکہ کی سرزمین کو سرزمین محبوب کا شرف عطا فرمایا اور قریش مکہ کو اپنے نور رسالت کا حامل بنایا۔ لیکن جب انہوں نے اس احسان الٰہی کی قدر نہ کی تو غیرت الٰہی نے کہا کہ وہ اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے کچھ سرزمین مکہ ہی کا محتاج نہیں ہے۔ پس حق کی اعانت کے لئے مدینے والوں کو بھیج دیا۔

یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ	اے مسلمانو! تم میں سے کوئی دین حق سے منہ موڑے گا تو اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو موجود کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اسکو دوست رکھیں گے۔

الی الجھاد فی سبیل اللہ

اے اخوان عزیز! میں جس چیز کے اعلان سے نہیں ڈرتا۔

تعجب ہے اگر آپ اس کی سماعت سے خوفزدہ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ہر اس

ابتلائے عظیم ہے جو صرف اس لئے ہے کہ اللہ مدعیان ایمان کو آزمانا چاہتا ہے۔

ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین منکم	اور اللہ تم کو آزمائے گا۔ یہاں تک کہ سچے مجاہد اور صابر جھوٹوں سے الگ ہو جائیں۔

آج وہ دن آگیا ہے جب مسلمانوں کے دل پہلوؤں کی جگہ ان کے چہروں پر آجائیں گے۔ جب کہ یا تو دلوں کی سیاہی سے اُن کی پیشانیاں بھی تاریک ہو جائیں گی یا دل کی ایمانی روشنی ان کی پیشانی پر چمکنے لگے گی۔

یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خالدون	وہ دن جب کہ یا تو چہرے چمک اُٹھیں گے۔ یا سیاہ پڑ جائیں گے۔ پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد انکار کیا اور ان کے لئے وہی عذاب ہوگا۔ جس سے وہ انکار کیا کرتے تھے اور جن لوگوں کے چہرے چمکنے لگیں گے ان کے لئے اللہ کی رحمت کا آشیانہ ہوگا جس میں ہمیشہ کے لئے ان کو جگہ مل جائے گی۔

یاد رکھئے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلمہ توحید کی حفاظت کے لئے ہم مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام میں کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری سے اسلام کی حفاظت کا فرض ادا کر گئیں۔ اگر اس آخری آزمائش میں بھی ہم پورے نہ اترے تو کیا عجب

خدا نے باپ کے ارادے، اور بیٹے کی جان کی قربانی کو "اسلما" کے لفظ سے تعبیر کیا کہ فی الحقیقت اصلیت اسلام یہی ہے۔
عزیز جان دینا تو اسلام کا وہ پہلا عہد ہے جس کے بغیر وہ کسی ہاتھ ہی اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا۔

ان اللہ اشتری	بے شک اللہ نے مومنوں کے
من المومنین انفسھم	فانی جان و کو خرید لیا ہے
واموالھم بان لھم	تاکہ اس کی قیمت میں جنت کی باقی
الجنۃ	اور دائمی زندگی عطا فرمائے۔

اے عزیزان غیور! مال و متاع دینوی کا جو حال ہے۔ وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہے؟ کون ہے جس نے اپنی زندگی میں دولت وجاہ کے فنائے عاجل کے دو چار تماشے نہیں دیکھے ہیں۔ رہی جان تو وہ بھی ایک ایسی جنس فانی ہے جو رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے ہی کے لئے ہے۔ آپ دیں یا نہ دیں لینے والا ایک دن لے کر ہی چھوڑے گا۔ پھر جو چیز رائیگاں جانے والی ہی ہے۔ اگر اسے دے کر مفت کا احسان اپنے دوست کے سر رکھ سکیں تو اس سے بڑھ کر اور کون سا سودا ہو سکتا ہے؟

جاں بجاناں دہ، دہ وگرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش اے دل ایں بکن یا آں بکن

یا ایھا الذین امنوا	اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے
مالکم اذا قیل لکم انفروا	کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہ
فی سبیل اللہ اثاقلتم	خدا میں نکل کھڑے ہو تو تم زمین پر ڈھیر
الی الارض، ارضیتم	ہو جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے بدلے
بالحیاۃ الدنیا من	دنیا کی زندگی پر ہی قناعت کر لی ہے؟

مومن پر، جو اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے۔ فرض ہے کہ آج جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ سب سے پہلا جہاد اس کے لئے جہادِ مال ہے اور اگر اس کے بعد ضرورت ہو تو جہاد نفس وجان۔ مال ومتاع کو بیچ دو اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر تیار رکھو۔ آج اگر ضرورت پیش نہ آئی تو کیا مضائقہ، کل کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ یہ متاع ایسی نہیں جس کی تیاری بے کار جائے۔

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز مے خواہی
متاع جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا

مسلمانو! یاد رکھو کہ اوروں کی جانیں ان کے قبضوں میں ہوں گی، مگر ہم مسلمانوں کی جانیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اسلام ایک خرید و فروخت ہے جو ناقص کو لیتا ہے اور کامل کو دیتا ہے۔ فنا کو خریدتا ہے اور بقا اس کی قیمت میں دیتا ہے۔ ہم نے جس وقت اقرار کیا کہ ہم مسلم ہیں۔ اسی آن اس کا بھی اقرار کر لیا کہ ہماری جانیں اسلام کے ہاتھ بک گئیں۔ اسلام کے معنی ہی یہی ہیں کہ خدائے واحد کے آگے اپنی گردنوں کو جھکا دینا۔ پھر خواہ وہ اسے دوستوں کی گود میں ڈال دے یا دشمنوں کی تیغ کے سپرد کر دے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابراہیم نے حکم الٰہی کے آگے سر جھکا دیا اور حضرت اسمٰعیل کی گردن قربان ہونے کے لئے مستعد ہو گئی تو اس وقت فرمایا:۔

فلما اسلما وتله للجبين وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذالك نجزي المحسنين

پس جب وہ دونوں (مسلم) ہوئے اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا، تاکہ ذبح کرے تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم (بس کرو) تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔

قرآن نے کیا راہنمائی کی ہے؟

اسوۂ ابراہیمی!

ایں رہ منزل قدس است بیندیش و بیا
میل ازیں راہ خطا باشد ہاں تا نکنی

بابل کے آثار قدیمہ جو ابھی حال میں برآمد ہوئے ہیں۔ علمائے اثریات (ARCHAEOLOGIST) کی توجہ کو موجودہ صدی کو ہٹا کر آج سے تیس صدی پیشتر کی جانب پھیر دیا ہے۔ جبکہ عرصہ کی ایک کمزور مخلوق نے سیاروں کے طلوع و غروب سے خدا شناسی کا سبق لیا تھا۔ اور ایک سیارہ پرست قوم کو ظلمات کفر سے روشنی میں لانے کی کوشش کی تھی۔

دنیا نے اپنے ابتدائی عہد میں ایک زمانہ وہ بھی دیکھا ہے جب انسانی تمدن کی بدیع المثل ترقی نے قدرت اور بندوں بیچ کی حد فاصل باقی نہیں رکھی تھی۔ قدرت کے صدہا راز آشکارا ہو چلے تھے۔ اور جس قدر حیرت انگیز قدرتی طاقتیں مخفی تھیں انسان نے تقریباً سب سے کام لینا سیکھ لیا تھا۔

آگ، پانی، ہوا، مٹی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر انسان نے حکومت نہ کی ہو سیارۂ زمین کی اختیار گویا ہاتھ میں تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فضاء محیط کے کروں اور سیاروں کو بھی ایک طرف سے اپنا بنا لیا تھا۔ اور اپنی ضروریات میں ان کی مہیب طاقتوں سے بھی نہایت آسانی و سہولت کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

نقولا تسلا (نکولس ٹازلے) کو ہنوز مریخ کی آبادی سے تعلق پیدا کرنے

الآخرة ؟ فما متاع الحياة الدنيا فی الآخرة الا قلیل ۔ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما، ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا ۔ ان اللہ علی کل شیئ قدیر ۔

اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو کہ آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کا مال و متاع بالکل ہیچ ہے ۔ اگر تم صدائے جہاد سن لینے کے بعد بھی خدا کی راہ میں نہ نکلو گے تو خدا تم کو اسی غلامی کے عذاب دردناک میں مبتلا کرے گا اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو دین مبین کی مدد کے لئے مستعد کر دے گا ۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

میں اسے مطلق العنان کر دیا تھا کہ

محابا کیا ہے ؟ میں ضامن، ادھر دیکھ !
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا ؟

غرض کہ وہی عظمت جب اپنے انتہائی مظاہر میں نمایاں ہوں تو انسان میں کہاں تک سرکشی نہ آئے گی ؟ مادہ کی الوہیت کلدانیوں پر چھا گئی تھی۔ خدا کو بھول گئے تھے اور بندگانِ خدا کے ساتھ اسی ظلم اور زبردست آزادی کے ساتھ پیش آئے تھے۔ جو آج موجودہ تمدّن کے مخصوصات نمایاں میں سے ہے۔

کلکتہ، بمبئی، برلن اور لندن میں جس طرح عظمائے رجال کے جا بجا بُت نصب ہیں۔ اسی طرح کلدانیوں نے بے شمار مجسمے قائم کر رکھے تھے۔ اور ان کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ چونکہ قدرت کو روئے زمین سے تاریکی مٹانی تھی۔ اس لئے اسی قوم اور اسی ملک سے ایک ایسے نامور اور عظیم الشان خدا شناس کو اٹھایا جس نے اس طلسم کی حقیقت واضح کر دی اور کواکب پرست کلدانیوں پر ملکوت السموات و الارض کے اسرار فاش کر دیئے۔

یہ خدا شناس ہستی، ابراہیم علیہ السلام ابن آزر (تارخ) کی تھی۔ جن کو توحید و صداقت کی دعوت و اشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم تشنۂ خون تھی۔ حکومت اپنی پوری طاقت سے مقاومت کو آمادہ تھی۔ ایک زمانہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس خدا پرست مخلوق کو آگ کے حوالے کر کے رہیں گے۔ بایں ہمہ ان کے عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ بقول مسیحی مورخ (مارگری گوری ابوالفرج ملطی) کے انھوں نے تن تنہا کلدانیوں کے بُت خانے میں آگ لگا دی۔ (مختصر الدول۔ صفحہ ۲۱) اور اتنی بڑی مہم انجام دینے پر بھی کوئی زبردست طاقت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ وہ بقول تورات " عراق سے ترکِ

میں کامیابی نہیں ہوئی ہے لیکن تاریخ کو اس ابتدائی زمانے کے علمی وعملی ترقی پر حیرت ہے کہ زمین والے آسمان تک پہنچ گئے تھے۔ اور آسمانی آبادی سے جو چاہتے تھے کام لیتے تھے۔ بستیاں بساتے، شہر کے برج بناتے تو اس کا قبہ آسمان تک پہنچا دیتے۔ سیر گاہیں اس شان کی ہوتیں کہ مکانات ہیں۔ عمارتیں ہیں۔ محل سرائیں ہیں۔ آبادی ہے۔ اور اوپر نظر اٹھاؤ تو ایک وسیع اور بہت ہی وسیع باغ آویزاں ہے۔ شہر میں آیند و روند کی چہل پہل ہے۔ سڑکیں ہیں۔ گاڑیاں ہیں دوکانیں ہیں اور اوپر دیکھئے تو ایک عظیم الشان دریا لہریں مار رہا ہے۔

یہ عجیب وغریب مدنیت کلدانیوں کی تھی۔ جو ارض عراق کے فرمانروا تھے۔ جن کی جلالت کا یہ عالم تھا کہ توراۃ کے پیغمبر بھی انھیں عشر (محصول دہ یک) دیتے تھے اور ان کے قانون سے تالیف توراۃ میں مدد لیتے تھے۔

وسائل تمدن کی فراہمی و فراوانی ایک عالم کو سرکش بنا چکی ہے۔ ان الانسان لیطغیٰ ان رّاٰہ استغنیٰ۔

ایک ذرہ سی ملکی ومالی عظمت جو انسان کو انسانیت سے گزار دیتی ہے۔ جو اس قدر مغرور بنا دیتی ہے کہ لنڈن ٹائمس کے صفحات پر زبانِ سیاست کو اس اعلان سے بھی باک نہیں ہوتا کہ "ایک معمولی انگریز سپاہی کے خون کے مقابلہ تمام ایرانی آبادی کی کچھ وقعت نہیں۔ جو ایک با اختیار ملکہ کی حیثیت میں ایک غاصب وظالم وخونریز سلطنت کو انسانی قتل عام پر مبارکباد دیتی ہے۔ جو ایک فرمانروا سے یہ عصبیت ظاہر کراتی ہے کہ ایک ملک کو چند قومیں پامال کر چکی ہیں۔ اور اب اسے مجبور کرتی ہیں کہ اس پامالی پر قانع ہو جائے۔ جس نے ۲۵ برس پہلے ایک وزیر اعظم کی زبان سے ایک ایسے ملک کا خون چوس لینے کی تلقین کرائی تھی جو خود اسی کا محکوم تھا۔ جس پر اس کی ثروت کی بنیادیں قائم تھیں۔ جو اس کے تاج سلطنت کا درخشندہ گوہر مانا جاتا تھا اور جس کے باشندوں نے اپنے ملک ومال خود اس کے تصرف

انفسهم فقالوا انكم انتم الظالمون
ثم نكسوا على رؤسهم، لقد علمت
ما هؤلاء ينطقون. قال اتعبدون
من دون الله ما لا ينفعكم شيئًا
ولا يضركم اُفٍّ لكم ولما
تعبدون من دون الله، فلا
تعقلون ؟ قالوا حرقوه وانصروا
الهتكم ان كنتم فاعلين قلنا يا
نار كوني بردًا وسلامًا على
ابراهيم له واراد وا به كيدًا
فجعلناهم الاخسرين ونجينا
ولوطا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ جس نے آسمانوں اور
زمینوں کو پیدا کیا۔ وہی تمہارا بھی پروردگار
ہے اور میں اپنی بصیرت اور یقین سے اس پر شہادت
دیتا ہوں۔"

ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں بخدا
ضرور بالضرور تمہارے ان بتوں سے تمہارے
جانے کے بعد ایک چال چلوں گا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم لوگوں کے جانے کے بعد بت
خانہ میں گئے۔ اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا۔ صرف سب سے بڑے بت کو
چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں
جب لوگ آئے اور یہ حال دیکھا تو لگے
آپس میں کہنے کہ جس نے معبودوں کے ساتھ

له حضرت ابراہیم کے حق میں آگ کیونکر بردو سلام یعنی ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی تھی؟ مفسرین نے بہت
اس باب میں بہت سی توجیہیں کی ہیں۔ ابو مسلم محمد بن بحر اصبہانی کا قول ہے قلنا یا نار کونی بردا وسلاما
المعنی انه سبحانه جعل النار بردا وسلاما علی ان هذا کلاما کقوله ان یقول له
کن فیکون (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۷۵) یعنی قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ: ہم نے کہا اے آگ
ابراہیم کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ اس کے یہ معنی تھا کہ خدا نے آتش ازدر او رفتنہ گر کلدانیوں
کی آگ سے حضرت ابراہیم کا کچھ نقصان نہ ہونے دیا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔
اس کی نظیر کن فیکون والی آیت ہے جس کے معنی یہ بتائے جاتے ہیں کہ خدا نے پیدا ہونے والے
عالم کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ ہو جا۔ وہ ہو گیا۔ یہاں بھی کچھ لفظوں میں یہ حکم نہیں ملا تھا۔ اور نہ خدا نے
واقعی گفتگو کی تھی۔ بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی ظہور عالم سے متعلق ہوا اور اسی مشیت
کے مطابق موزوں و مناسب طریق پر اس کی تکوین ہونے لگی۔

وطن کر کے صحیح و سلامت اُس مُلک میں چلے گئے۔ جہاں خدا نے ان کو برکت دینے اور انھیں ایک بڑی قوم بنانے کا وعدہ کیا تھا (تکوین ۱۲×۱۔۵)
یہودیوں کی مقدس کتاب (تلمود) میں یہ واقعات شرح و بسط سے مذکور ہیں جن کو قرآنِ کریم نے اور زیادہ پھیلا کر بیان کیا ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے۔

ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل
وکنا بہ عالمین۔ اذ قال لابیہ وقومہ
ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون
قالوا وجدنا اباءنا لھا عابدین۔ قال
لقد کنتم انتم وآباؤکم فی ضلٰل مبین
قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین
قال بل ربکم رب السمٰوٰت والارض
الذی فطرھن وانا علی ذٰلکم من الشاھدین
وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا
مدبرین فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم
الیہ یرجعون قالوا من فعل ھذا بآ
لھتنا انہ لمن الظالمین قالوا سمعنا
فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم
قالوا فاتوا بہ علیٰ اعین الناس
لعلھم یشھدون قالوا ءانت
فعلت ھذا بآلھتنا یا ابراھیم
قال بل فعلہ کبیرھم ھذا فا
سئلوھم ان کانوا ینطقون فرجعوا الی

حضرت ابراہیم کو نے ابتداءِ عمر ہی سے فہم سلیم اور درجۂ رشد و حکمت عطا فرمایا تھا۔ اور ہم اس سے اچھی طرح واقف تھے۔

"عونِ الٰہی کے اُس مقدس وقت کو یاد کرو جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ پتھر کی مورتیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو، کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ اپنے بڑوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھتے آئے ہیں"، حضرت ابراہیم نے کہا: "پس یقیناً تم اور تمہارے بڑے دونوں صریح گمراہی میں پڑے رہے ہیں۔" اس پر انھوں کہا: "یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا واقعی یہ تمہارا کوئی حقیقی خیال ہے یا محض دل لگی کر رہے ہو" انھوں نے جواب دیا کہ "دل لگی کی اس میں کیا بات ہے؟ یہ تو اصلی

تھے۔ ہم نے اپنی قدرت کا اعجاز دکھلایا اور کہاکہ اے آگ ٹھنڈی ہوجا۔ اور ابراہیم کے لئے سلامتی۔

انسانوں نے ہمارے داعی الی الحق کو نقصان پہنچانا چاہا۔ پر ہم نے ان کو ناکام وخاسر کیا۔

بظاہر تو یہ ایک قصہ ہے۔ اور بدقسمتی سے اب تک اسی حیثیت سے اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔ مگر غور کیجئے تو قرآن کریم نے اپنے انداز خاص میں ایک دفتر معارض کھول دیا ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ کے اندر صدہا رموز اخلاق و سیاست اور حقائق نفیس اصلاح و دعوت پوشیدہ ہیں۔ مہلت ملے تو اس واقعہ کے ایک ایک ٹکڑے پر ایک ایک مقالہ مستقل طور پر لکھنا چاہیئے۔ سردست صرف چند مناسب وقت اشارات آپ کے سامنے ہیں۔

فکر و تدبر سے کام لیجئے تو اس واقعہ سے چند خاص نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) جس ملک میں ظلم عام ہوگیا ہو۔ خدا اور بندوں کے حقوق مرمشق تعدی وتطاول ہورہے ہوں۔ شرک جیسے ظلم عظیم کے ازتکاب میں باک نہ ہو۔ اللہ کو چھوڑکر دوسری طاقتوں اور انسانی قوتوں کے آگے لوگ سربسجود ہوں۔ وہاں ہر اس شخص کا جس میں ایک ذرّہ بھی ایمان واسلام ہو۔ یہ ایک مقدس فرض ہے کہ مظالم ومفاسد کے استیصال کے لئے آمادہ ہوجائے اور بغیر کسی مداہنت ونفاق کے کامل آزادی اور نڈر اور بے باک لب ولہجہ میں خدا کے بندوں کو خدا کی جانب بلائے۔ اسلام کی علانیہ دعوت کرے اور کفر وضلالت کے مٹانے میں ذرا بھی تامل نہ ہو۔

(۲) خدا کو استبداد پسند نہیں۔ جو لوگ ارباب اقتدار ہوں۔ دولت و حکومت رکھتے ہوں۔ انسانوں پر اُن کا تصرف ہو۔ دنیا کی ہر ایک چیز پر انھیں فرمانروائی کی طاقت دی گئی ہو۔ پھر اتنی سب نعمتیں ملنے پر بھی خدا کو بھول جائیں

الی الارض التی بارکنا فیہا للعالمین۔
(۲۱ - ۷۴ - ۶۳)

کس نے یہ گستاخی کی؟ جس شخص نے ایسا کیا یقیناً وہ بڑا ظالم تھا۔ اس پر بعضوں نے کہا کہ وہ نوجوان جسے ابراہیم کے نام سے پکارتے ہیں ان بتوں کا ذکر کر رہا تھا ہو نہ ہو یہ اسی کی کارروائی ہے۔ لوگوں نے شور مچایا کہ اس کو یہاں سب کے سامنے پکڑ کے حاضر کرو۔ تاکہ جو کچھ سوال وجواب ہو اس کے لوگ گواہ رہیں۔

چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کو لے کر آئے۔ اور ان سے پوچھا کہ ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تو نے کی۔ انھوں نے الزاماً کہا۔

"نہیں، یہ بت جو سب میں بڑا ہے۔ اسی نے کی ہوگی۔ انھیں سے پوچھ لو اگر یہ جواب دے سکتے ہیں۔!"

اس دندان شکن جواب کو سنکر سب کے سب ششدر رہ گئے، اور اپنے دل میں اپنی گمراہی کے قائل ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ سچ ہے تم ہی برسر ناحق ہو۔

مگر با ایں ہمہ سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔ وہ پھر اپنے سروں کے بل اندھے گمراہی کے گڑھوں میں ڈھکیل دیئے گئے۔ اور حضرت ابراہیم سے کہنے لگے کہ یہ تم نے کیا کہا۔ تم کو تو معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے۔

انھوں نے کہا "پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو خود ہی مجبور محض ہیں، نہ کسی کو کچھ نفع پہنچائیں نہ نقصان۔ لعنت ہے تم پر اور تمہاری ان چیزوں پر جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ یہ کیا ہے کہ ایسی ظاہر اور کھلی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟

جب وہ لوگ حضرت ابراہیم سے عاجز آگئے تو اور کچھ نہ کر سکے۔ غیظ وغضب سے پاگل ہو کر آپس میں شور مچانے لگے کہ بس اگر کچھ کرنا ہے تو اس کا یہی کہ اس بے باک شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ اور اس طرح اپنے معبودوں کی حفاظت کرو۔

جب کہ وہ یہ تدبیریں کر رہے تھے تو ہم بھی اپنی تدبیروں سے غافل نہ

ناڈ و فریاد کرنے کی صورتیں اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک کہ ان سے کشود کار ممکن ہو۔ جہاں یہ باتیں بے سُود ہوں، وہاں ایمان کا صرف ایک ہی مظہر ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو استعمال طاقت کے قابل بنائیں۔ اور پھر اس طاقت سے منکرات اور مفاسد و مظالم کو مٹائیں۔

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ، وبشر الذین کفروا بعذاب الیم لا یستاذنک الذین یومنون باللہ والیوم الاخر ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم واللہ علیم بالمتقین انما یستاذنک الذین لا یومنون باللہ والیوم الاخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون

(۹ - ۷)

جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کر رکھا تھا۔ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے انھیں صاف جواب ہے۔ اگر اب بھی تم پھرے رہے تو جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور کافروں کو عذاب دردناک کی بشارت سنا دو جو لوگ خدا کا اور روز آخرۃ کا یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنی جان و مال سے شریک جہاد نہ ہوں۔ تم سے خواہانِ اجازت تو وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ کا اور روز آخرۃ کا یقین نہیں رکھتے اور اُن کے دل میں شک پڑے ہیں پس وہ اپنے شک کی حالت میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں ؛

حضرت ابراہیم کے واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ ایسی حالت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ دُنیا میں اس وقت وہی ایک مسلمان تھے مگر نہ یہ تنہائی انھیں دعوت الی الحق سے مانع ہو سکی۔ وہ نہ انھوں نے ردِّ مظالم اور تغیر منکر کیلئے صرف

مستند بن بیٹھیں۔ قانونِ الٰہی کو توڑنے لگیں۔ نظامِ اسلام کی توہین کریں۔ استبداد میں اتنا غلو رکھتے ہوں کہ انسان ہو کر خدا بن بیٹھیں اور اپنے آئین استعباد کے خلاف کسی کی کچھ بھی سماعت نہ کرتے ہوں۔ تو ایسی قوم کو اُس کی غلط کاریوں سے علانیہ آگاہ کر دینا چاہیئے۔ علم وحق معروف لے کر مفاسدۂ منکرات کے خلاف آمادۂ جہاد ہونا چاہیئے اور نہایت آزادی حق و استقلال کے ساتھ اس طرح اس خطرناک و سنگلاخ وادی میں قدم رکھنا چاہیئے کہ یہ طلسم فریب لُٹ جائے اور دنیا میں پھر خدا کی بادشاہی قائم ہو جائے۔

(۳) مسلم کی حدیث مشہور ہے:۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

اس حدیث کو تم نے بارہا سُنا ہوگا۔ مگر کبھی اس کی تعلیم کے اصول و حقیقت پر بھی نظر ڈالی ہوگی۔ حضرت ابراہیم کے اسوۂ حسنہ سے اس کے سمجھنے میں مدد لو۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ قانونِ الٰہی کے منشا اور احکام کے خلاف جہاں کوئی ایک بُرائی بھی نظر آئے۔ معاً ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے زورِ بازو سے اس کے مٹانے کی کوشش کرے۔ یہ خصوصیت حقیقی ایمان داروں کی ہوگی۔ لیکن جس میں اتنی قوت نہ ہو وہ زبان سے بُرا کہے اور بُرائی کے خلاف بہ آواز بلند احتجاج (پروٹسٹ) کرتا رہے۔ اس مذاق کے لوگ ایک طرح ناقص الایمان سمجھے جائیں گے۔ جس سے یہ بھی نہ ہو سکے وہ کم از کم اپنے دل میں ہی اس آگ کو سلگاتا رہے۔ یہ ایمان کا بالکل ہی آخری اور بہت ہی ضعیف و کمزور درجہ ہے۔ لیکن جو طبیعتیں اتنا احساس بھی نہ رکھتی ہوں اُن میں فرائض کی خواہ مخواہ کتنی ہی پابندی موجود ہو مگر یقین کر لینا چاہیئے کہ ایمان سے اُن کو مطلق سروکار نہیں۔

مگر یاد رہے کہ ازالۂ منکرات و مفاسد کے لئے دل میں کڑھنے اور زبان سے

جائیں گے۔ مستبدین کے عزۂ رو جبروت سے مرعوب ہو کر دعوت الی الحق کی تحریک رد نہیں کی جاتی۔ اور اگر رُکتی بھی ہے تو اس طرح کہ :-

رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

(۸) دعوت الی الحق کے لئے شجاعت قلب درکار ہے۔ جرأت لسان کی حاجت ہے۔ زور آزر دست و بازو کی ضرورت ہے کہ خواہ کچھ ہی پیش آئے اور خواہ کیسی ہی زحمتیں سنگِ راہ ہوں۔ مگر اپنے مشن کو سنبھالے رہے۔ کام کئے جائے اور کبھی مرعوب نہ ہو۔

(۹) بڑے کام کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ صرف دفع وقت سے دفع استبداد ممکن نہیں۔ اس قربان گاہ پر سب سے پہلے اپنی جان کی بھینٹ چڑھانے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے۔ اس راہ میں سنگلاخ منزلیں طے کرنی پڑیں گی۔ مشکل سے مشکل امتحان دینے ہوں گے۔ شدائد و نوازل سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور ہر قدم پر اس دستور العمل کی پابندی کرنی پڑے گی کہ :-

ترکِ جاں و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اول منزل ست

حضرت ابراہیم نے کیسی خطرناک جرأت کی تھی ؟

(۱۰) حق و صداقت کی مقاومت ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ دستِ ستم اس میں خلل ڈال سکتا ہے۔ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ پر اس کو فنا نہیں کر سکتا۔ عزم و ثبات سے تمام بندشیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ مخالفین ذلیل ہوتے ہیں۔ استبداد سے نجات ملتی ہے اور انجام کار برکت حاصل ہوتی ہے کہ والعاقبۃ للمتقین !

دعوت الی الحق کی یہ نتیجہ خیز اسکیم خود حضرت الہیٰ کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اب صرف اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ نئی اسکیم بنانے کی ضرورت نہیں جو لوگ شب و

وظیفۂ قلب وزبان تک ہی کفایت کی بلکہ جب یہ کوشش سود مند ہوتے نہ دیکھی تو دست و بازو سے بھی طاقت آزمائی کے لئے آمادہ ہو بیٹھے۔ پس ایمانداروں کو مزدور ہے کہ اس کی پیروی کریں۔

(۴) دعوت الی الحق کی ابتداء اپنے گھر سے چاہیئے۔ یہی صورت حضرت ابراہیم نے اختیار کی اور اسی کی تعلیم اظہار دعوت کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی کہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریب ترین اعزہ کو ڈراؤ) ان مبادی میں کامیابی ہو یا ناکامی۔ تاہم تجربہ و اختیار اندبصیرت کو اس سے مدد ملے گی اور پھر دعوت عام کے لئے اسکیم مرتب کرنے میں صرف دماغ کی قوت منجملہ ہی پر زور دینا نہ پڑے گا۔ بلکہ تجربہ و عمل کے نتائج سامنے ہوں گے۔

(۵) دعوت الی الحق کو مداہنت، پاس مراتب، لحاظ عظمت سے کچھ سروکار نہیں۔ کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی عزیز کی محبت کا اس پر کوئی اثر نہ پڑنا چاہیئے اولاد پر والدین سے زیادہ کس کے احسانات ہوں گے۔ لیکن دیکھتے نہیں کہ حضرت ابراہیم کو جو کچھ کہنا تھا، سب پہلے اپنے باپ ہی سے کہا اور جو کچھ کرنا تھا۔ اس کے سرانجام دینے میں باپ کے حقوق ابوت ذرا بھی مانع نہ ہو سکے۔

(۶) احیاء صداقت اور اقامت حق اور عدل کے لئے مخفی تدابیر بھی کرنی پڑتی تھیں۔ پوشیدہ طور پر کید و تدبیر سے بھی کام لینے کی حاجت پڑتی ہے اور اس مدعا کے لئے یہ تمام باتیں جائز و درست بلکہ ضروری و لازم العمل ہیں۔ حضرت ابراہیم نے بت خانہ میں کیا تھا۔

(۷) کفر و شرک و استعباد نے دلوں میں خواہ کیسی ہی تاریکی پھیلا دی ہو، انسان اپنی انسانیت سے کتنا ہی گذر گیا ہو باطل کی طاقتیں مردہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ تاہم حقیقت ایک ایسی چیز ہے کہ اخلاص کے ساتھ مؤثر انداز میں جب اس کو پیش کیا جائیگا تو سخت سے سخت منکروں کے سر بھی اس کے آگے جھک

اُسوۂ نُوحی

ہشیار کہ سیلابِ فنا در پیش است

ہاں مشو مغرور بر حلم خدا، قدرت کی آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہیں۔ جور و ستم، تشدد و تباہ کاری۔ استبداد و مردم آزادی، ان سب پر خدا کی نظر ہے۔ جس طرح مسجدیں گرائی جاتی ہیں۔ خانقاہیں جاتی ہیں۔ کمزور جماعتیں ستائی جاتی ہیں۔ خدا ان تمام باتوں کو دیکھتا ہے سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے کہ لعلھم یرشدون (شاید یہ خود ہی راہ راست پر آجائیں) زبردست ہستیوں کو جب اس پر بھی تنبہ نہیں ہوتا۔ زبردست آزاری میں مطلق کمی نہیں آتی۔ طغیان و سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو ان بطش ربک لشدید (پروردگار عالم کی گرفت بڑی سخت ہے) کی وعید ہیجان میں آتی ہے۔ "دیر گیرد سخت گیرد مرد را" کا طوفان جوش کھاتا ہے اور تر و خشک سب کو بہا لے جاتا ہے۔

اس ذیل میں سب سے پہلا طوفان وہ تھا جس نے عصر حجری و عصر نباتی کے بعد عصر حیوانی کے آغاز عہد میں تقریباً تمام دنیا کی حالت بدل دی تھی۔ علمی زبان میں اس طوفان کو "طوفان عام جیولوجی" کہتے ہیں۔ سطح زمین کی غلظت نے اندر کی مشتعل حرارت کے تمام منافذ و مخارج بند کر رکھے تھے بخارات کا التہاب بڑھتا رہا اور زمین کی ابتدائی حالت آتش فشانی کی گنجائش بھی نہ نکال سکی۔ استبداد کی تنگ گیریاں بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکیں۔ سمندر کے وسط میں دفعتاً پہاڑیوں کا سلسلہ کھل گیا۔ ملتہب مادے جوش و خروش سے پھوٹ بہے۔ ہولناک سیلاب نے تمام کرۂ زمین کو چھالیا اور تقریباً جتنی جاندار ہستیاں تھیں سب کو بہا لے گیا۔ یہ طوفان جس کی عمومیت ناقابل انکار ہے۔ موجودہ نسل انسانی سے قبل کا ہے۔ اس کے

روز نئی اسکیموں کا خواب دیکھتے ہیں۔ اُن کو یہ پیام پہنچا دو، یہ پاک موضوع اس سے زیادہ تشریح کا طالب تھا مگر افسوس :-

کہ بادۂ حوصلہ سوز است و جملہ مستند

خشکی کا اب ٹھیک اندازہ ہو گیا تھا۔ کشتی آگے بڑھائی گئی۔ سامنے ایک پہاڑ نظر آیا وہیں ٹھہر گئی۔ اہلِ کشتی اتر پڑے۔ دیوتاؤں کے آگے سر کے بل گرے۔ قربان گاہ بنائی بھینٹ چڑھائی، مدینۃ الشمس سے دفینہ نکالا۔ بابل کو پھر آباد کیا اور بستیاں بسائیں۔

علمائے طبیعت و آثار کی رائے میں توراۃ کے واقعۂ طوفانِ نوح کی تفصیل اسی روایت سے ماخوذ ہے۔

تیسرا واقعہ "طوفان ہیرا پولیس" کا ہے۔ جس کی تشریح "لوسیانوس" نے کی ہے۔ واقعات سب ملتے جلتے ہیں۔ حسبِ معمول اس طوفان کی نسبت بھی یہی ادعا ہے کہ صرف "دیکالیون" اور اس کے گھر والے بچ رہے تھے۔ اور ساری آبادی غرق ہو گئی تھی۔ دیکالیون کی کشتی "ہیرا پولیس" کو پہنچ کر ٹھہری تھی۔ وہیں اُس نے ایک ہیکل بنایا۔ جس کو پسینہ آتا تھا۔ اُس پر وحی اترتی تھی۔ اور وہ آدمیوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔

چوتھا طوفان جزیرۂ ساموتراس کا تھا۔ جس سے مورّخ ڈیوڈورس کی رائے میں بحرۂ مرمر (مارمورا) نکلا۔

پانچویں غرقابی قدیم یونان کے علاقہ "بولیسی" کے طوفان سے ہوئی جو بادشاہ اوجیج کے عہد میں حضرت مسیح سے نو سو برس پیشتر بحرۂ "کوپالیس" میں سیلاب آنے سے آیا تھا۔ آکسٹنیس" نے جو مندر "ہیبون" کا بڑا پجاری تھا۔ اس کے جزئیات پر نہایت شرح و بسط سے گفتگو کی ہے اور وینس (زہرہ) دیوتا کے دفعتہً رنگ و صورت و حجم و رفتار بدل جانے کا اسے نتیجہ ٹھہرایا ہے۔ ادبیات مشرق میں یونان کی غرقابی یہیں سے نکلی ہے۔

چھٹا طوفان بادشاہ دیکالیون" فرمان روائے تھسلی کے عہد میں میلادِ مسیح سے ایک ہزار چھ سو برس قبل آیا تھا۔ اور تھسلی کو بہا لے گیا تھا۔ ہیرودوٹس کی روایت ہے کہ تھسلی ایک بڑا دریا تھا۔ سمندر کے دیوتا "بنتون" نے اُس کا

بعد جتنے طوفان آئے وہ خاص خاص ممالک و مقامات تک محدود تھے۔

نوعِ انسانی کی تکمیل کے بعد جو طوفان آئے ہیں اُن میں سب سے بڑا اور سب سے پہلا طوفان غالباً ہندوستان کا تھا۔ جس کی نسبت "وشنو" نے اپنے ایک معتقد پجاری کو اطلاع دی تھی کہ سات دن میں ایک طوفان آئے گا جو اُن تمام مخلوقات کو کہ میری توہین کرتے ہیں ہلاک کر ڈالے گا۔ تم ایک کشتی میں سات رشیوں اور اپنی عورتوں کے ساتھ بیٹھ جانا اور ہر طرح کے حیوانات کو بھی بٹھا لینا۔ اساطیر ہند (آرین میتھولوجی) کے مطابق یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ وشنو نے خاتمہ طوفان کے بعد شیطان کو قتل کر ڈالا۔ وید مقدس کے جتنے نسخے تھے سب چھپا ڈالے اور اپنے مخلص پجاری کو آلہیات کی تعلیم دے کر ساتویں امنو کا خطاب عنایت کیا۔

دوسرا ہولناک طوفان جس کے واقعات کلدانی روایتوں میں ملتے ہیں۔ بابل میں آیا تھا۔ یہ واقعہ بادشاہ "ذی زونزوس" کے عہد کا ہے جس کو "کرونس" دیوتا (زحل) نے اس کی اطلاع دی تھی۔ اور خواب میں کہدیا تھا کہ انسان کے فتنہ و فساد نے مجھے غضبناک کر رکھا ہے۔ میں ان کو تعزیر دوں گا۔ اور سب کو طوفان سے ہلاک کر ڈالوں گا۔ تم اور تمہارے خاندان والے البتہ بچ رہیں گے۔ مبدء و منتہا و اوساط اشیاء کے متعلق جو تحریریں ہیں ان سب کو لے کر "سیپاریس" مدینتہ الشمس، میں دفن کردو اور ایک کشتی بناؤ جو طول میں پانچ استاد اور عرض میں دو استادی ہو۔ (ایک استاد ایک سو پچیس فٹ کے برابر تھا۔ اہل و عیال کو لیکر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اور اپنے آپ کو پانی کے سپرد کردو۔ ذی زونزوس نے امتثال امر میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ طوفان کم ہوا تو کشتی سے دو چڑے (کنجشک) اڑا دیئے خشکی کا نام و نشان نہ تھا۔ پہلی مرتبہ چڑا واپس آیا۔ دوسری مرتبہ کی آمد میں پنجوں میں کیچڑ بھری تھی اور چونچ میں گھانس تھی۔ معلوم ہوا کہ خشکی نمودار ہو چلی ہے۔ تیسری مرتبہ گیا تو پھر واپس نہ آیا۔

مالا ان اجری الا علی اللہ وما
انا بطارد الذین امنوا انہم
ملاقوا ربہم، ولکنی ارئکم
قوما تجہلون ویا قوم من
ینصرنی من اللہ ان طردتہم؟
افلا تذکرون ولا اقول لکم
عندی خزائن اللہ ولا اعلم
الغیب ولا اقول انی ملک
ولا اقول للذین تزدری
اعینکم لن یؤتیہم اللہ خیرا
اللہ اعلم بما فی انفسہم
انی اذا لمن الظالمین ۰ قالو
یا نوح قد جادلتنا فا
کثرت جدالنا فاتنا بما
تعدنا ان کنت من الصادقین
قال انما یاتیکم بہ اللہ
ان شاء وما انتم بمعجزین،
ولا ینفعکم نصحی ان اردت
انصح لکم ان کان اللہ یرید
ان یغویکم ہو ربکم والیہ
ترجعون ام یقولون افتراہ، قل
ان افتریتہ فعلی اجرامی وانا بری
مما تجرمون۔

مگر وہ جانتے ہو کیا ہم اُس پر تمہیں مجبور کر
سکتے ہیں؟ لوگو! میں اگر ان کو نکال بھی دوں تو
خدا کے مقابلے میں کون میری مدد کریگا؟ کیا تم
اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ
(۱) میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (۲) نہ میں
غیب جانتا ہوں (۳) نہ اپنے آپکو فرشتہ کہتا
ہوں (۴) اور جو لوگ تمہاری نظروں میں
حقیر ہیں میں اُن کی نسبت یہ بھی نہیں جانتا کہ
خدا ان پر فضل ہی نہیں کریگا۔ انکے دل
کی بات تو خدا ہی جانتا ہے میں ایسا کہوں
تو ایک ظالم بھی ہوں گا۔ کفار نے کہا۔ نوح
تم ہم سے بہت جھگڑ چکے۔ سچے ہو تو جس
عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لاؤ۔ نوح نے
جواب دیا کہ" خدا کو منظور ہوگا تو وہی
عذاب بھی تم پر نازل کرے گا۔ تم خود کو
عاجز نہ کر سکو گے۔ خدا ہی کو اگر تمہیں
گمراہ کرنا منظور ہے تو میں کتنی ہی نصیحت
کرنا چاہوں میری نصیحت تمہارے کام نہ
آئے گی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اور
اُسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے

کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں بنا رکھی ہیں؟
تم کہدو کہ میں نے اگر یہ باتیں بنائی ہیں تو اسکا گناہ مجھ
پر ہے اور تم جو گناہ کرتے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

پانی بہا دیا اور ملک میں طوفان آگیا۔

ان واقعات پر خرافات کا اثر تو مزید غالب ہے مگر اصلیت سے خالی نہیں۔ علم الطبیعۃ کے مشہور ترین فرانسیسی مؤلف (موسیو ڈوبے) نے تاریخ الانسان الطبیعی (ص ۲۴ - ۲۸، ۳۵ - ۴۲) میں ان پر نہایت حکیمانہ نظر سے ریویو کیا ہے۔

ساتواں طوفان حضرت نوح کے عہد میں آیا تھا۔ یہ حادثہ میلاد مسیح سے تین ہزار ۳۳۸ برس قبل کا ہے اور اس وقت پانچ ہزار دو سو ۱۵ برس ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی پوری تشریح کی ہے۔ سورۂ ہود میں ہے :-

ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ انی لکم نذیر مبین ان لا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیوم، فقال الملاء الذین کفروا من قومہ ما نراک الا بشرا مثلنا وما نراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل، بل نظنکم کاذبین قال یاقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی واتانی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم، انلزمکموھا وانتم لھا کارھون ویاقوم لا اسألکم علیہ

ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ لوگو! میں تم کو صاف صاف خطرہ سے آگاہ کئے دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کیا کرو۔ مجھکو تمہاری نسبت ایک روز عذاب کا خوف ہے۔ سرداران قوم کفار نے اس پیغام کو سن کر کہا کہ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ہی جیسے بشر تم بھی ہو۔ بظاہر ہم میں جو ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں انہوں نے تمہاری پیروی بھی کی ہے اپنی نسبت تم لوگوں میں ہم کو کوئی برتری بھی نظر نہیں آتی بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔
نوح نے جواب دیا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے، میں اگر اپنے پروردگار کے کھلے رستے پر ہوں۔ اس نے مجھ کو اپنے جناب سے نعمت و رحمت بھی عطا کی ہے۔ تم کو وہ رستہ دکھائی بھی نہیں دیتا تو اس حالت میں کہ تم اس کو

وهی تجری بهم فی موج کالجبال، ونادی نوح ابنه وکان فی معزل یابنی ارکب معنا، ولاتکن مع الکافرین، قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لاعاصم الیوم من امر الله الامن رحم وحال بینهما الموج فکان من المغرقین،

کشتی ان سب کو پہاڑ جیسی موجوں میں لئے چلی جا رہی تھی۔ اس حالت میں نوح نے اپنے بیٹے کو، جو الگ تھا پکارا کہ "بیٹا آؤ! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ کافروں کے ساتھ نہ رہو۔" اس نے کہا۔ میں ابھی کسی پہاڑ کے سہارے جا لگتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچا لیگا۔ نوح نوح نے کہا۔ آج کے دن خدا کے غضب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ بچے تو وہی بچے جس پر خدا رحم کرے۔ اسی حالت میں باپ بیٹے کے مابین ایک موج حائل ہوگئی۔ ڈوبنے والوں کے ساتھ نوح کا بیٹا بھی ڈبو دیا گیا۔

وقیل یا ارض ابلعی ماءک، ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر، واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین ونادی نوح ربه فقال رب ان ابنی من اهلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال یا نوح انه لیس من اهلک انه عمل غیر صالح فلاتسالن مالیس لک به علم انی اعظک ان تکون من الجاهلین، قال رب انی اعوذبک ان اسالک مالیس

کام تمام ہو چکا تو حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے۔ اور اے آسمان تھم جا۔" پانی اتر گیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں کی جماعت دور ہو۔"

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار، میرا بیٹا بھی میرے ہی گھر والوں میں۔ تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔" جواب ملا کہ "اے نوح وہ تمہارے گھر والوں میں شامل نہیں۔ وہ بدکار رہے، جو بات نہ جانتے ہو ہم سے اس کی درخواست نہ کرو ہم تمہیں سمجھائے دیتے ہیں کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔" نوح نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار!

واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومک الا من قد امن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون، و اصنع الفلک باعیننا و وحینا ولاتخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون ویصنع الفلک وکلما مر علیہ ملاء من قومہ سخروا منہ قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم۔

حتی اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول ومن امن وما امن معہ الا قلیل،

وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا، ان ربی لغفور الرحیم۔

نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے علاوہ اب ہرگز کوئی ایمان نہ لائیگا۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں تم اس کا کچھ غم نہ کرو۔ تم ایک کشتی ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق بناؤ اور ان ظالموں کے متعلق مخاطب نہ کرو۔ یہ ضرور غرق ہونگے۔

نوح کشتی بنانے لگے۔ قوم کے وجیہہ اور رودار لوگوں کا جب اُن پر گذر ہوتا تو وہ اُن سے تمسخر کرتے۔ نوح جواب دیتے کہ تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جیسے آج تم ہم پر ہنس رہے ہو اسی طرح کل کو ہم بھی تم پر ہنسیں گے۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا کہ رسوائی بخش عذاب کس پر آتا ہے اور دوامی تکلیف کس کی راہ میں حائل ہوتی ہے؛

یہ کیفیت اسی طرح رہی۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور نے جوش کھایا تو ہم نے نوح کو کہا ان سب کو کشتی میں بٹھا لو۔ ہر جوڑے کے دو دو جفت کو اپنے گھر والوں کو ان کے علاوہ جن کی نسبت پہلے قول ہو چکا ہے اور اُن کو جو ایمان لا چکے ہیں۔" اور اُن کے ساتھ تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے۔

نوح نے ان سب سے کہا "آؤ کشتی میں بیٹھ جاؤ بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا۔ حقیقت میں میرا پروردگار غفور الرحیم ہے۔

گنہگار قوم کو سزا دینے کے لئے خدا نے سارے جہان کو جس میں بہت سی بے گناہ جماعتیں بھی رہی ہوں گی۔ بہت سے بے قصور اشخاص بھی ہوں گے۔ بہت سی ناکردہ گناہ آبادیاں بھی ہوں گی، غرق کر ڈالے۔ اور روئے زمین پر کسی متنفس کو زندہ ہی نہ چھوڑے۔

یہ ارادیں آج اس زمانے میں وارد کی جا رہی ہیں لیکن قرآن کریم نے اس عہد میں جبکہ طوفان نوح کی عمومیت سے کسی کو انکار نہ تھا صاف لفظوں میں اعلان کر دیا۔ الذین ظلموا انہم مغرقون (جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہی غرق کئے جائیں گے) قوم نوح اس ظلم وستم کی خوگر تھی وہی غرق ہوئی — انھیں بستیوں میں طوفان آیا اور سیلاب فنا انھیں ظالموں کو بہا لے گیا۔

(۲) فرزند نوح کے تذکرے سے جو کافروں کا شریک حال تھا اور طوفان میں ڈوب کر مر گیا۔ توراۃ خاموش تھی۔ قرآن نے یہ فروگذاشت ظاہر کر دی اور دکھا دیا کہ مولفین توراۃ کی جمع وتالیف کس پایہ کی ہے۔

(۳) واقعہ طوفان کے بعد حضرت نوح کی توجہ کاروبار زراعت کی جانب مصروف ہوئی۔ انگور کا ایک باغ لگایا۔ شراب نکالی اور پی کر مست ہو گئے۔ گھر میں پہنچے نوشہ کا عالم تھا۔ کپڑے اتار دیئے اور سو رہے۔ حام نے ان کو برہنہ دیکھ کر اپنے بھائیوں کو خبر دی۔ سام و یافث گئے اور برہنگی چھپا دی۔ بیدار ہونے پر جب حضرت نوح کو واقعہ معلوم ہوا تو کنعان کو بددعا دی۔ توراۃ نے اس بددعا کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں، کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ خداوند سام کا خدا مبارک کنعان اس کا غلام ہوگا۔ خدا یافث کو پھیلائے وہ سام کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو (تکوین ۹-۲۵-۲۷) حام حضرت نوح کا بیٹا تھا (تکوین ۷-۱۰-۱۸-۱۰-۱) اور کنعان حام کا لڑکا تھا (تکوین ۱۰-۶-۹-۲۶)

لی بہ علم، والا تغفر لی و ترحمنی اکن من الخاسرین
قیل یانوح اھبط بسلام منا وبرکات علیک وعلی امم ممن معک وامم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم (۱۱-۹ءایم)

میں ایسی جرأت سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تجھ سے اس کی درخواست کروں۔ میری گستاخی اگر تو نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کریگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔" سب کچھ جب ہو چکا تو حکم دیا گیا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے نیچے اترو۔ یہ برکتیں تمہارے اور اُن اقوام کے شامل حال رہیں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ بعد کی قومیں بھی ہم سے نفع اٹھائیں گی۔ لیکن آخر کار ہماری جانب سے اُن کو دردناک عذاب پہنچے گا۔"

یہ واقعات کسی قدر اضافہ واختصار کے ساتھ توراۃ میں بھی مذکور ہیں۔ توراۃ نے ان میں کچھ باتیں بڑھا دیں۔ کچھ حذف کر دیں۔ کچھ خبط کر ڈالیں۔ مثلاً:۔

(۱) توراۃ کا بیان ہے کہ طوفان عام تھا۔ روئے زمین کے جتنے برّ اعظم اور جزیرے تھے سب غرق ہو گئے تھے۔ پانی زمین پر بے انتہا چڑھ گیا۔ تمام اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے ہیں سب چھپ گئے۔ سارے جاندار جو زمین پر چلتے تھے۔ پرند، چرند، جنگلی جانور، اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور جتنے انسان تھے سب مر گئے۔ ہر ایک متنفس مخلوق جو خشکی پر تھی مر گئی۔ روئے زمین کے تمام موجودات جن میں جان تھی سب کے سب مٹ گئے۔ انسان سے لیکر حیوان تک کیڑے مکوڑوں اور آسمانی پرندوں تک سب مٹ گئے۔ فقط نوح اور جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے بچ رہے۔

(تکوین ۷ - ۱۹ - ۲۳)

یہ عمومیت عقل کے بھی خلاف تھی۔ تاریخ بھی خاص اس واقعہ کی تعمیم میں اس امر کی مؤید نہ تھی۔ علم الآثار بھی تکذیب کر رہا تھا۔ طبقات الارض کی شہادت بھی اس کے حق میں نہ تھی۔ اور یہ بات تو کسی طرح قیاس میں آسکتی ہی نہ تھی کہ صرف ایک

قرآن کریم نے بھی اسی حقیقت کی تائید کی ہے۔ سورۂ قمر میں ہے :-

ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر وفجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر (۵۴ - ۱۱ - ۱۲)

ہم نے موسلا دھار مینہ سے آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ زمین کے سوتے جاری کر دیئے۔ آخر جو اندازہ مقرر ہوا تھا اُسی کے مطابق آسمان کے پانی مل گئے۔

بے شبہ فار التنور (تنور جوش میں آیا) کے الفاظ بھی قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدیم محاورۂ عرب میں "تنور" "روئے زمین" کو کہتے تھے۔ حدیث میں ہے :-

عن ابن عباس انہ قال فی قولہ "وفار التنور" قال التنور وجہ الارض قال قیل لہ اذا رایت الماء علی وجہ الارض فارکب انت ومن معک قال والعرب تسمی وجہ الارض تنور الارض[1]

تنور نے جوش کھایا کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ تنور کے معنی روئے زمین کے ہیں، یعنی حضرت نوح کو حکم ہوا کہ جب دیکھو کہ روئے زمین پر پانی چڑھ گیا تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اہل عرب نے "روئے زمین" کا نام "تنور زمین" رکھ چھوڑا ہے۔

---

[1] رواہ ابو جعفر قال حدثنی یعقوب بن ابراہیم قال حدثنا ھشیم قال اخبرنا العوام بن حوشب عن الضحاک عن ابن عباس انہ قال الخ، و بطریق اخر عن المثنی قال حدثنا عمرو بن عون قال اخبرنا ھشیم عن العوام عن الضحاک الخ و بروایتنا اخری عن ابی کریب و ابی السائب قالا حدثنا ابن ادریس قال اخبرنا الشیبانی عن عکرمۃ فی قولہ وفار التنور قال وجہ الارض، و بروایتہ اخری قال حدثنا زکریا بن یحیی بن ابی زائدۃ و سفیان بن وکیع قالا حدثنا ابن ادریس عن الشیبانی عن عکرمۃ وفار التنور قال وجہ الارض۔

گستاخی کنعان سے نہیں بلکہ اس کے باپ سے سرزد ہوئی تھی (تکوین ۹- ۲۲ - ۲۵) لیکن تورات صاف کہہ رہی ہے کہ حضرت نوح اُس سے ذرا بھی نہ بولے، نہ ناراض ہوئے۔ اظہار جلال ہوا بھی تو کنعان پر جو بالکل بے قصور تھا۔ اور جسے اس واقعہ سے براہ راست کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ قرآن نے اس کہانی کا تذکرہ تک نہ کیا اور خاموشی کی زبان میں بتا دیا کہ سرے سے یہ مذکورہ ہی غلط ہے۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بہ علما۔

قرآن موعظت و عبرت ہے۔ اخلاق و آداب ہے۔ بشیر ترقی و نذیر تنزل ہے لیکن تاریخ و تمثیل نہیں ہے۔ بایں ہمہ جو غلط واقعے مشہور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تصحیح کر دیا کرتا ہے۔ حضرت نوح کا واقعہ بیان کر کے وہ بڑے دعوے سے اعلان کر رہا ہے۔

تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا فاصبر ان العاقبۃ للمتقین۔ (۱۱ - ۱۴)

غیب کی چند خبریں ہیں، ہم ان کو بطریق وحی تم کو سناتے ہیں۔ اس پیشتر تم اور تمہاری قوم کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ اب صبر و ثبات کو شیوہ بناؤ۔ جو لوگ متقی ہیں اُنھیں کا انجام بخیر ہے۔

طوفان کیونکر آیا؟ مفسرین کی غالب اور عام رائے یہ ہے کہ کھانا پکانے کا ایک تنور تھا اُسی سے طوفان کا چشمہ پھوٹا۔ لیکن اس خیال میں کوئی انداز مجاز یا تمثیل مضمر تھی جو نہیں سمجھی گئی۔

تورات کا بیان ہے کہ جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اُسی روز بحر محیط کے تمام سوتے پھوٹ نکلے آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس شبانہ روز تک زمین پر مینہ کی جھڑی لگی رہی۔" (تکوین ۷ - ۱۱)

واقعہ نوح کی ذیل میں تعلیم الٰہی کے خاص خاص پہلو یہ ہیں:۔

(۱) مادہ کی گوناگوں صورتگری جب کسی قوم کو خدا سے بالکل ہی غافل بنا دے۔" قانونِ الٰہی کی حدود ٹوٹنے لگیں۔ طغیان و سرکشی عام ہو جائے۔ علم کی فراوانی حجابِ اکبر کا کام دینے لگے، تمدن ضلالت کی جانب راہنمائی کرتا ہو۔ خدائے واحد کی پرستش سے اتنا بھی سروکار نہ ہو کہ اُس کی پرستش گاہوں کا ادب کیا جائے۔ تو ان حالتوں میں دعوت الی الحق فرض ہے۔ اس فرض کے ادا کرنے میں خواہ کیسی ہی بندشیں عائد ہوں۔ زبانِ تقریر کو روکنے کے لئے مجرمانہ سازشوں کے نام سے قانون بنائے جائیں۔ لسانِ تحریر کو بند رکھنے کی غرض سے تعزیری ایکٹ پاس ہو با ایں ہمہ ان بندشوں سے جو نتائج پیش آنے والے ہوں اُن کے اظہار سے خاموش نہ رہنا چاہیئے اور علانیہ کہہ دینا چاہیئے کہ اس گمراہی کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

(۲) دعوت الی الحق کے لئے جو لوگ کمربستہ ہوں گے۔ انھیں اس فرض کے ادا کرنے میں اپنی شاندار امتیازی حیثیت قائم کرنے کی فکر نہ ہونی چاہیئے کہ ارباب اقتدار کی نظروں میں درخورحاصل کرکے پہلے اپنی ممتاز پوزیشن قائم کرلیں۔ پھر کام شروع کریں۔ یہ بے راہ روی کا طریقہ ہے اور ایسی خصوصیت کی تمنا خام خیالی ہے۔ داعی الی الحق کو بظاہر اُس کی کمزور پوزیشن پر طعنے دیئے جائیں گے۔ تعریض ہوگی۔ بے وقعتی کی جائے گی۔ اُن کو جھوٹا کہا جائے گا ہنسی اُڑائی جائے گی۔ وہ ان سب کو انگیز کریں گے۔ اور اپنے فرض کو پورا کرکے رہیں گے۔

(۳) داعی الی الحق کی جماعت کچھ ایسی وسیع نہ ہوگی۔ معمولی افراد اُس کے شریکِ عمل ہوں گے۔ جو عام نظروں میں ذلیل و رذیل دکھلائی دیں گے۔ اُن میں یہ بھی خصوصیت نہ ہوگی کہ جن مقتدر جباروں کی دعوت کرنی ہو اُن پر کچھ احسان کئے ہوں یا انھیں منت پذیر بنانے کے لئے چندے دیئے ہوں۔ رزولیوشن پاس کرائے ہوں،

تورات کے موجودہ تراجم کے کشتی نوح کا مستقر کوہ ارارات کو قرار دیا ہے۔ (تکوین ۸-۴) لیکن یاقوت حموی نے اصل زبان سے توراۃ کا جو لفظی ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس بجائے ارارات" جودی" مذکور ہے ؎ (معجم البلدان طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۱۶۳) یہ پہاڑی (جودی) موصل کے علاقہ میں دریائے دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے اور یہی وہ علاقہ ہے جس کے مضافات میں قوم نوح آباد تھی۔ اصل میں" جودی ایک گاؤں کا نام تھا (معجم البلدان۔ جلد ۳۔ صفحہ ۵۱) اور پہاڑی کا وہ سلسلہ جو اُس گاؤں سے متصل تھا۔ کوہ جودی کے نام سے مشہور تھا۔ اسی نواح میں" قروا" و"بازبدا" کی مشہور آبادیاں تھیں۔ وہاں یہ پہاڑی انھیں کے نام سے موسوم تھی۔ ابوحنیفہ دینوری نے اسی مناسبت سے کشتی نوح کا مستقر جبل قروا بازبدا کو ٹھہرایا ہے۔ (اخبار الطوال صفحہ۔ ۳) اور ابن نے بھی یہی روایت نقل کی ہے (معارف صفحہ ۸) مشہور مسیحی مؤرخ گریگوری ابوالفرج ملطی نے ان سب کی تطبیق کر دی ہے کہ جبل قردا اور کوہ جودی دونوں ایک ہی ہیں۔ مختصر الدول صفحہ (۲) کوہ ارارات کا وسیع سلسلہ جا بجا مختلف ناموں سے مشہور تھا۔ تورات کے موجودہ ترجمہ میں صرف پہاڑ کا اصلی نام بتا دینا کافی سمجھا گیا لیکن قرآن نے اُس پہاڑی چوٹی کی جگہ بھی بتادی جہاں کشتی ٹھہری تھی۔

؎ سریانی و کلدانی زبان میں توراۃ کے جو نسخ ہیں۔ ان میں بھی سفینۂ نوح کا مستقر کوہ جودی مذکور ہے۔ دائرۃ المعارف العربیہ کے مسیحی مؤلفین لکھتے ہیں کہ روایات اب تک اسی قول کی تائید میں ہیں کہ اس حادثہ کا مرکز یہی پہاڑی جودی تھی۔ بردمس جو اسکندر اعظم کا معاصر تھا اُس کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ جودی کی چوٹی پر کشتی کے آثار بھی اُس کو ملے تھے۔
(دائرۃ المعارف حرف جیم)

زور سے اس کو قائم بھی رکھیں گے ۔ ان کو جواب دے دینا چاہیئے کہ خدا کو اختیار ہے
چاہے تم کو تباہ کر ڈالے یا زندہ رہنے دے ۔ دعوۃ الی الحق کو ان امور سے تعلق
نہیں ہے

(۱۰) دعوۃ الی الحق مشکوک اور مشتبہ نظروں سے دیکھی جائے گی ۔ اس کے
داعیوں کو سخن ساز و مفتری کہا جائے گا ۔ لیکن سلسلۂ سعی و تدبیر تمام ان باتوں میں مشتعل
نہ آنی چاہیئے ۔ البتہ اپنی پوزیشن کو واضح کر دینا چاہیئے ۔

(۱۱) طغیان و جبروت کا انہماک دلوں اور دماغوں میں قبول حق کی صلاحیت
باقی نہیں رہنے دیتا ۔ ایسی طبیعتیں کبھی راہ راست پر نہیں آ سکتیں ۔ ان سے کنارہ
کش ہو جانا چاہیئے ۔ قطع نظر کر لینی چاہیئے اور ان کا بالکل ہی بائیکاٹ کر دینا چاہیئے
وہ ظالم ہیں ستم پیشہ ہیں ، سیلاب فنا میں غرق ہو جائیں گے ۔ ان کے متعلق کسی قسم کی
گفتگو نہ کرو ۔ اپنے بچاؤ کی آپ تدبیر نکالو ۔ طوفان حوادث سے محفوظ رہنے کے لئے
سفینۂ نجات بناؤ ۔ اس کے بنانے میں سرگرمی کے ساتھ لگے رہو ۔ ورخدا نے جو
تعلیم دی ہے اسی کے مطابق کام کرو ۔

(۱۲) اس کام میں انہماک و سرگرمی کو دیکھ کر لوگ ہنسیں گے ۔ ہنسنے دو تمہیں
اپنے کام سے کام ہے ۔

(۱۳) حفاظت کا جو ذریعہ اختیار کیا جائے ۔ وہ صرف اپنے لئے مخصوص نہ ہونا
چاہیئے ۔ بقدر گنجائش ارباب استبداد کے علاوہ جو عذاب الٰہی کے مستحق ہیں ایک حد
تک دوسرے بندگان خدا کے لئے بھی سامان حفاظت بہم پہونچانا چاہیئے ۔
مگر اس کی نوعیتیں مختلف نہ ہوں ———— ورنہ مود وحدت میں
خلل نہ پڑے ۔

(۱۴) جباروں سے بے تعلقی و بائیکاٹ میں قرابت و رشتہ داری کا پاس
و لحاظ ممنوع ہے ۔ کوئی خاص عزیز ہی کیوں نہ ہو ۔ نہایت ہم خصوصیت کیوں
نہ ہو ۔ گر دائرۂ حق و صدق سے جہاں باہر قدم نکالے کہ تباہی آئی ایسے

وہ اس طلسم فریب سے اپنے کو تقویت نہ دیں گے بلکہ نہایت صفائی اور سادگی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جو کرنا ہوگا گزریں گے۔

(۴) دعوت الی الحق کے لئے صاف بیانی، تلخ گوئی، اور درشت گفتاری ناگزیر ہے۔ البتہ صداقت کو تسلیم کرانے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) دعوت الی الحق حصول جاہ وکسب مناصب کا ذریعہ نہیں ہے۔ کہ اس کے نام سے اچھے اچھے عہدے حاصل کئے جائیں۔ پبلک سروس میں نمایاں جگہیں ملیں۔ مال و دولت بڑھے۔ اس مقدس فرض کا معاوضہ دینے والا صرف خدا ہے۔ اجر یا اجرت جو پیش نظر ہو اسی سے طلب کرنی چاہیئے۔

(۶) جو لوگ داعی الی الحق کے شریک عمل ہوں۔ ان سے بے تعلقی وعلیحدگی کے لئے خواہ کیسا ہی دباؤ ڈالا جائے مگر سختی سے انکار کردینا چاہیئے۔

(۷) داعی الی الحق کے پاس نہ خدائی کے خزانے ہوں گے، نہ اس میں فرشتوں کی صفت ہوگی۔ نہ غیب داں ہوگا۔ انسان کی معمولی حیثیت رکھتا ہوگا۔ اور اسی حالت میں بڑے بڑے جباروں کی حیثیت بگاڑ دینے کا الٹی میٹم دے گا۔

(۸) دعوت الی الحق کے لئے موقع ومحل کی تلاش بے سود ہے کہ مستبدین کی طبیعت جب حاضر دیکھ لیں اس وقت تبلیغ کا کام شروع کریں۔ یہ موقع شناسی ضروری نہیں۔ ہر حالت میں کام کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اس شدت سے کرنا چاہیئے کہ دیکھنے والے گھبرا اٹھیں۔ سننے والے تنگ آجائیں اور برملا کہنے لگیں کہ مقابلے کے لئے ہم تیار ہیں۔ جو کچھ کرنا ہو تم بھی کر دیکھو۔

(۹) نتیجہ ناکامیاب ہی کیوں نہ رہے۔ استبداد میں خواہ کچھ بھی فرق نہ آئے مگر دعوت الی الحق کی سرگرمی میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ جو لوگ فخر رہے ہوں کہ ہم نے تلوار سے فتوحات حاصل کئے ہیں۔ تلوار ہی کے

رہتے ہیں ؟

یہ واقعات پیش آنے والے ہیں، اور ضرور پیش آنے والے ہیں ۔

فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ

اس میں کامیابی مطلوب ہو تو سلسلہ عمل کی توسیع، صبر و ثبات کا اہتمام اور تقویٰ و طہارتِ نفس کا نمو پیدا کرو ۔

لیستخلفنکم فی الارض کما استخلف الذین من قبلکم ولیبدلنکم من بعد خوفکم امناً۔

لوگ وہی ہیں جو عملِ صالح اور حقیقی کیرکیٹر سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ کفار کی طرح ان کا بھی بائیکاٹ کر دینا چاہیئے۔ اُن پر رحم کرنا یا اُن کے حق میں سفارش کرنی جُرم ہے۔ اور سخت جُرم ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔

(۱۵) ظالموں اور جابروں کو ہدایت نہیں ہوا کرتی۔ نمدھم فی طغیانھم یعمھون؛ ان کی سرکشانہ ضلالت کچھ زمانے تک قائم رہے۔ کچھ مدت تک بندوں پر خدائی کرتے رہیں گے۔ آخر خدا کی حجت پوری ہوگی۔ اپنی روش تبدیل کرنے کے لئے انہیں متعدد موقعے دیئے جائیں گے۔ مگر اُن کے استبداد میں کیوں فرق آنے لگا۔ انجام کار سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ حکومت جاتی رہے گی۔ سطوت وعزت فنا ہو جائے گی۔ نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ دنیا میں خدا کی بادشاہت قائم ہوگی۔ اور پھر اُنہیں مظلوموں کو برکات الٰہی نصیب ہوں گے۔ جن کو ایذا رسانی میں ایک دنیا کو مزہ آرہا ہے۔

(۱۶) فنائے استبداد کے بعد مسلمان کامیاب ہوں گے۔ اُن پر خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ زمانہ بھر کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔ لیکن بعد کی نسلیں جب خدا کو بھول جائیں گی۔ جب اضطہاد واستعباد رنگ لائے گا۔ جب پھر عزم وثبات و استقلال میں ضعف آنے لگے گا۔ تو اُن پر بھی تباہی آئے گی۔ کامیابی کے لئے صبر وثبات وتقویٰ ایک لازمی چیز ہے۔ جو قوم اس کی خوگر نہ ہوگی جس نے قدرت کو اپنے استقلال واتقا (اعلیٰ کیرکٹر) کا ثبوت نہ دیا ہوگا۔ اُسے کامیابی کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیئے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (۳-ع-۱۴)

کیا تم اس خیال میں ہو کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حال آنکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں۔ اور نہ اُن کا امتحان کیا۔ جو ثابت قدم

کی اطاعت کریں گے، تو ہمارا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو ان سرکشوں کا ہوگا۔

خطرات فراہم ہو رہے ہیں۔ دل بیٹھ رہا ہے۔ گھٹائیں چھا رہی ہیں، مطلع مکدر ہے۔ کڑک اور کوندے کی پیشین گوئی سننے والے کان بہرے ہوگئے ہیں — طوفان احساس کو روکنے کے لئے آگ اور تلوار سے بند باندھے جا رہے ہیں۔ جذبات کا اظہار معصیت ہے، جرم ہے، گناہ ہے، اکبر الکبائر ہے۔ وہ پاک ہستیاں محل نقد میں کیوں کر آسکتی ہیں۔ جن کے رنگ و روغن خون میں نہا نہا کے نکھرے ہیں۔ وہ جو کہیں حق ہے، جو کریں عدل ہے۔ من حیث خرجت فول وجھک شطرھم ولا تکن اول کافرھم

آنے والی خطرناک گھڑی کی ساقیں کھل چکی ہیں۔ بصارتیں جھک گئی ہیں۔ اب چہروں پر ذلت کا چھا رہنا باقی ہے "سن یعجبو کہ وہ بھی مساوات ہوگئی" یہ کوئی فرض و حدس یا ظن و تخمین کی باتیں نہیں ہیں۔ ان کی پیش خبری خود کلام الٰہی میں موجود ہے۔ سورۂ قلم میں ہے۔

فستبصر ویبصرون، بایکم المفتون ؟ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین	عنقریب تم بھی دیکھ لوگے، اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے کہ تم دونوں فریقوں میں کون سا فریق جنون زدہ ہے بے شک تمہارا پروردگار ہی اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اُس کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور وہی اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں۔
فلا تطع المکذبین، ودّوا لو تدھن فیدھنون، ولا تطع	تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔ انکے کہے میں آجانا۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم مداہنت کرو

وقت است کہ وقت بر سر آید

کشف ساق سے قرآن کا مدعا کیا ہے؟

جس وقت کا کھٹکا تھا وہ وقت آگیا آخر، قدرت کاملہ نے اسلام پر کفر کے غالب ہونے کے جو علامات بتائے تھے۔ ایک ایک کر کے سب پورے ہو رہے ہیں۔ اربابِ اقتدار ہم سے مداہنت کے خواہش مند ہیں، اور ہم اُن کی غرض پوری کرتے ہیں وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں۔ قانون بناتے ہیں۔ مذہبی احترام کا پیغام سُناتے ہیں کہ عبادت گاہیں قائم رہیں گی۔ عبادتیں قائم رہیں گی۔ شعائر اللہ قائم رہیں گے۔ مگر کوئی ایک چیز بھی قائم نہیں رہنے پاتی۔ قول و قرار کرتے ہیں۔ ہر بار اُس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور ہر موقع پر اُس کی یاد دلاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ وعدے وفا ہونے والے نہیں، یہ عہد ٹوٹنے کے لئے باندھے گئے ہیں۔ یہ قانون فسخ و ترمیم کے لئے بنا ہے۔ یہ اعلان اخفائے حقیقت کے لئے ہوا ہے اس اقرار سے ضرورت کے وقت انکار کی راہیں بھی نکل سکتی ہیں۔ سب کچھ ہے۔ مگر اس پر بھی ہم اُن پر اعتماد کرتے ہیں۔ اُن کی بات مانتے ہیں، اُن کا حکم مانتے ہیں اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور ان کی خاطر سے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ واقعات و حوادث کی جو لوگ صریح تکذیب کرتے ہوں منع خیر پر آمادہ ہوں، تعدی و تعادل میں حد سے بڑھ گئے ہوں، احکام اسلام کو پرانے ڈھکوسلے سمجھ رہے ہوں۔ چاہتے ہوں کہ تمام دنیا پر انہیں کا تسلط بیٹھ جائے۔ سارا زمانہ انہیں کا حلقہ بگوش رہے۔ اور تسلط و اقتدار کے دائرے سے کوئی غریب مسکین آبادی بھی مستثنیٰ نہ رہنے پائے؛ ایسے لوگوں کی اطاعت ممنوع ہے۔ اور اگر ہم خود اس حکم

وغدوا علی حرد قادرین فلما راوھا ، قالوا :- انّا لضالون ، بل نحن محرومون قال اوسطھم ، الم اقل لکم لولا تسبحون ؟ قالوا سبحان ربنا انا کنا ظالمین

غرض یہ سمجھ کر کہ بس اب جاتے ہی سارے میوے توڑ لیں گے ۔ ساز و سامان سے چلے اور سویرے پہنچ گئے ۔ باغ کو جب دیکھا کہ اُجڑا پڑا ہے تو کہنے لگے کہ " معلوم ہوتا ہے ہم راستہ بھول گئے ہیں راستہ تو یہی ہے ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی " آخر اُن میں جو شخص سب سے اچھا تھا اُس نے کہا کہ " میں تم سے کہتا نہ تھا کہ خدا کی تسبیح و تقدیس کیوں نہیں کرتے ؟ " ناچار سب کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا ۔ کہ " ہمارا پروردگار پاک ہے ۔ ہمیں ظالم تھے "

فاقبل بعضھم علی بعض یتلاومون ، قالوا یا ویلنا انا کنا طاغین عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرا منھا ، انا الی ربنا راغبون ، کذلک العذاب ، ولعذاب الآخرۃ اکبر ، لو کانوا یعلمون ،

یہ سب ہو چکا تو اُن میں ہر ایک شخص دوسرے کے منہ پر ملامت کرنے لگا کہ " افسوس ! ہمیں حد سے بڑھ گئے تھے ، شاید ہمارا پروردگار اسکے بدلے کوئی اس سے اچھا باغ ہم کو عنایت کرے اب ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں "

ظالموں پر ایسا ہی عذاب اترتا ہے ۔ اور انجام کار جو عذاب نازل ہونے والا ہے ۔ اگر اُسکی حقیقت جان لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا عذاب ہے ۔

ان المتقین عند ربھم جنات النعیم - افنجعل المسلمین کالمجرمین ؟ ما لکم کیف تحکمون ! ام لکم کتاب فیہ تدرسون

جن لوگوں میں تقوٰی (اسلامی کیرکٹر) ہے اُن لوگوں کے لئے بیشک اُن کے پروردگار کے پاس نعمت اور برکت والے باغ ہیں ۔ کیا ہم مسلمانوں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں گے ؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ؟ کیسے حکم لگایا کرتے ہو ؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھتے

کل حلاف مھین ، ھماز مشاء بنمیم ، مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم . ان کان ذا مال وبنین اذا تتلی علیہ ایاتنا قال اساطیر الاولین سنسمہ علی الخرطوم

اور ڈھیل دو تو وہ بھی ظالم پڑ جائیں خبردار تم کسی ایسے کی اطاعت نہ کرنا۔ اور نہ اُسکی بات ماننا، جو بہت ساری قسمیں کھاتا ہے آبرو باختہ ہے۔ لوگوں پر آوازے کسا کرتا ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے۔ حد سے بڑھ گیا ہے۔ بدکار ہے اکھڑ ہے۔ اور ان عیوب کے علاوہ بداصل بھی ہے، اس بنا پر کہ وہ مال واولاد والا ہے جب ہماری آیتیں اُس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ "یہ تو اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں"۔ اچھا دیکھو تو! ہم عنقریب اُس کے ناک پر داغ لگائیں گے۔

انا بلوناھم کما بلونا اصحاب الجنۃ اذ اقسموا لیصرمنھا مصبحین، ولا یستثنون فطاف علیھا طائف من ربک وھم نائمون، فاصبحت کالصریم!

جس طرح ہم نے ایک باغ والوں کو آزمایا تھا۔ اُسی طرح ہم نے ان کافروں کی بھی آزمائش کی ہے اُن باغ والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ "صبح ہوتے ہی ہم اُسکے میوے ضرور توڑیں گے، اور اس میں کوئی استثنا بھی نہ ہونے پائیگا"۔ وہ سوتے کے سوتے ہی رہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے باغ پر ایک ایسی بلا چھا گئی کہ صبح ہوتے ہوتے وہ بالکل ہی خالی رہ گیا جیسے کوئی سارے میوے توڑ لے گیا ہو۔

فتنادوا مصبحین ان اغدوا علی حرثکم ان کنتم صارمین فانطلقوا وھم یتخافتون ان لا یدخلنھا الیوم علیکم مسکین

سویرے جب وہ لوگ اُٹھے تو ایک دوسرے کو آواز دی کہ "تم کو میوے توڑنے ہیں تو اٹھو تڑکے سے باغ میں جا پہنچو"۔ لوگ اُٹھے اور چل کھڑے ہوئے آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ "دیکھنا! آج کوئی غریب آدمی باغ کے اندر تمہارے پاس نہ آنے پائے"!

اذ نادى وهو مكظوم. لولا ان تداركه نعمة من ربه لنبذ بالعراء وهو مذموم، فاجتباه ربه فجعله من الصالحين (۶۸-۲-۰)

اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ثابت قدم بنے بیٹھے رہو اور اُس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے مغموم ہو کر خدا کو آواز دی تھی، پروردگار عالم کا فضل و کرم اگر اس کی دستگیری نہ کئے ہوتا تو بڑے بُرے حالوں میں فضائے زمین پر پھینکا ہوا پڑا رہتا لیکن پروردگار کو بندہ نوازی منظور تھی اُس نے نوازش کی اور پھر اپنے صالح بندوں میں (جو نیک و بہتر زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں) اُس کو شامل کرلیا

(۱)

کشف ساق (پنڈلی کھولنے) کی تشریح بھی کیفیت کیا ہے: روایت میں ہے۔

(۱) قیامت کے دن مخلوقات کے روبرو خدا ممثل ہوگا۔ مسلمان سامنے سے گزریں گے سوال ہوگا۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہیں گے خدا کی۔ خطاب ہوگا۔ تم خدا کو پہچانتے ہو؟ کہیں گے، پہچنوائے گا تو کیوں نہ پہچانیں گے، یہ سن کر خدا اپنی ساق کھول دے گا۔ جتنے مسلمان ہوں گے دیکھتے ہی سجدے میں سر جھکا دیں گے۔ منافقین کا گروہ سر جھکانا چاہے گا تو پیٹھ سخت ہو جائے گی۔ یہ فرق امتیازی مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کردے گا لے

(۲) قیامت کے دن کفار و مشرکین کے روبرو اُن کے بت لائے جائیں گے کہ دیکھو تم انہیں کو پوجتے تھے، اب انہیں کے ساتھ جاؤ دوزخ میں چلو۔ پھر مسلمانوں کی

لہ محمد بن بشار قال حدثنا سفیان عن سلمة بن کهیل قال حدثنا ابو الزعراء عن عبد الله قال یتمثل الله للخلق یوم القیامة الخ

إن لكم فيه لما تخيرون أم لكم أيمان علينا بالغة إلى يوم القيامة إن لكم لما تحكمون ؟ سلهم أيهم بذلك زعيم ؟ أم لهم شركاء ؟ فليأتوا بشركائهم إن كانوا صادقين ؟

ہو کہ جو تم پسند کرو گے وہی تمہیں ملیگا ؟ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو روز قیامت تک چلی جائیں گی کہ تم جس چیز کی فرمائش کرو گے وہی تمہارے لئے موجود کر دی جائے گی ؟ ان لوگوں سے پوچھو کہ ان میں کون اس کا ذمہ دار ہے ؟ کیا ان لوگوں کے اور بھی شریک خدا ہیں ؟ اگر ہیں اور یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو لائیں، حاضر کریں ؟

يوم يكشف عن ساق و يدعون إلى السجود فلا يستطيعون ، خاشعة أبصارهم ترهقهم ذلة وقد كانوا يدعون إلى السجود وهم سالمون فذرني ومن يكذب بهذا الحديث ، سنستدرجهم من حيث لا يعلمون ، و أملي لهم إن كيدي متين

وہ دن آنے والا ہے جبکہ ساق کھلے گی۔ اور ان لوگوں کو سرنگندگی کی دعوت دی جائیگی مگر اسوقت ان میں اتنی قدرت واستطاعت کہاں ؟ انکی آنکھیں جھکی ہوں گی چہروں پر ذلت چھاری ہوگی یہ وہی لوگ ہیں کہ پہلے جب انہیں سر جھکانے کو کہا جاتا تھا تو اس وقت یہ اچھے بھلے صحیح و سالم تھے ہم کو اور ان لوگوں کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں اپنے اپنے حال پر رہنے دو ہم اس طرح پر کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔ آہستہ آہستہ ان کو گھسیٹتے اور ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں ۔ بیشک ہماری تدبیر نہایت پختہ و محکم ہے۔

أم تسئلهم أجرا فهم من مغرم مثقلون ؟ أم عندهم الغيب فهم يكتبون ؟

یہ بات کیا ہے؟ یہ اس قدر سرگراں کیوں ہیں ؟ کیا تم ان سے کسی بات کی اجرت مانگتے ہو اسکے تاوان سے دبے جا رہے ہیں ہم یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں ۔ اور یہ انکو لکھ لیا کرتے ہیں ؟ بہر حال تم

فاصبر لحكم ربك ولا تكن كصاحب الحوت

انھیں روایتوں میں اُس عجیب وغریب پل (صراط) کا تذکرہ بھی ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ پتلا ہوگا۔ جہنم کے زبانے شرر افشاری کر رہے ہوں گے۔ آگ کا دریا لہریں مار رہا ہوگا۔ یہ پل اسی کے وسط میں ہوگا۔ جس کو عبور کرنے پر باغ بہشت کی فضائے گی۔ تاریکی قیامت کی محیط ہوگی۔ اس عالم میں پل پر سے گزرنا پڑے گا۔ جو ایماندار ہوں گے وہ تو انوار الٰہیہ کی روشنی میں اس مسافت کو طے کریں گے مگر اہل کفر کے لئے روشنی کہاں؟ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور، بے چارے پل پر سے کٹ کٹ کے گریں گے۔ اور دوزخ میں پڑیں گے۔

اسلام کے علمی زمانے میں ان روایتوں کے اخذ درد میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ لیکن جب روایتیں ہی سرے سے مقطوع الاسانید ہوں۔ متحتم الوضع ہوں بدیہی البطلان ہوں۔ صدق و ثقہ رواۃ نہ رکھتی ہوں، تو ان کو روایت سمجھنا اور اُن سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔ خوش فہموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے اگر انھیں روایتوں کا سہارا ہے تو اہل نظر کو جواب دینا کیا ضرور ہے۔

گو تو خوش باش کہ ما گوش بہ احمق نہ کنیم

(۲)

کشف ساق کے الفاظ ادبیات عرب میں کس معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے پہلے دو خاص مقدمے ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

(۱) ہر زمانے، ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان کے خاص خاص محاورے ہوتے ہیں۔ روحانیت کے ساتھ کمال اتصال کو توراۃ کے محاورے میں خدا سے لڑنے اور کشتی کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن ترحم و اشفاق کو آسمان کا رونا کہتا ہے۔ اُردو میں انکار کے لئے کانوں پر ہاتھ رکھنا مستعمل ہے۔ حریفوں کو

نوبت آئے گی۔ خدا اپنی ساق اُن کے لئے کھول دے گا۔ سب کے سر جھک جائیں گے منافقین سجدہ نہ کرسکیں گے۔ اس لئے جہنم میں گر جائیں گے [۱]

(۳) اہل قیامت خدا کے روبرو چالیس برس تک ٹکٹکی باندھے کھڑے رہیں گے برہنہ سر، برہنہ پا، برہنہ جسم، عرق عرق، چالیس برس تک اسی عالم میں رہیں گے مگر کوئی بات نہ کرے گا۔ آخر میں خدا کی ساق کھل جائے گی۔ اور پیشانیاں وقف سجود ہو جائیں گی [۲]

(۴) قیامت میں منادی ہوگی کہ ہر گروہ اپنے اپنے سرگروہ کے ساتھ ہولے بت پرست بتوں کے ساتھ، باطل پرست اپنے اپنے بے حقیقت پیشواؤں اور دیوتاؤں کے ساتھ ہولیں گے۔ اور سب آگ میں جھونکے جائیں گے۔ خاصانِ بارگاہ جب باقی رہیں گے تو خدا اپنی صورت بدل دے گا۔ ساق کھل جائے گی، اور منافقین کے علاوہ تمام اہلِ اسلام سربسجود ہو جائیں گے [۳]

---

[۱] یحییٰ عن طلحۃ الیربوعی قال ثنا شریک عن الاعمش عن المنہال بن عمرو عن عبد اللہ بن مسعود قال الخ

[۲] ابو کریب قال ثنا الاعمش عن المنہال بن قیس بن سکن قال حدیث عبد اللہ وھو عند عمر یوم یقوم الناس لرب العالمین قال الخ

[۳] موسیٰ بن عبد الرحمن المسروقی قال ثنا جعفر بن عون قال ثنا ہشام بن سعد قال حدثنا زید بن اسلم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ الخ

وھذہ الروایات بعضہا واھیۃ وبعضہا من ضعاف الاخبار، لا یثبت منہا حقیقۃ ولا یسمن ولا یغنی من جوع وقد اکتفینا علی سردھا دفعہا حاذفا للفضول واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

کے لباس میں نمودار ہوئی۔

ایک اور موقعہ پر ہے۔

واللہ لایستحی من الحق (۳۳۔ع ۷) خدا کو اظہار حق میں کوئی شرم نہیں۔

شرم (حیا) کی حقیقت یہ ہے کہ طبیعت میں ایک ایسا انکسار و انفعال پیدا ہو کہ ارتکاب قبائح سے نفس کو روک دے۔ ظاہر ہے کہ شان الوہیت اس حقیقت سے نہایت ارفع ہے۔ لیکن تجوز کے لئے یہاں ایک مجازی مناسبت موجود تھی۔ یعنی شرمیلی طبیعتیں جس چیز سے حیا کرتی ہیں اُس کو ترک کر دیا کرتی ہیں اس طریق تعبیر کو لے کر قرآن نے بتایا کہ شرم کرنے والے تو شرم کی بات کو ترک کر دیتے ہیں۔ مگر خدا کی بارگاہ اس سے بہت پرے ہے یہاں حقیقت حیا کی سمائی نہیں۔ کہ حیا کرنے والوں کی طرح وہ بھی اظہار حق کو چھوڑ بیٹھے۔

ایک مشہور آیت ہے۔

الرحمٰن علی العرش استوی (۲۰۔ ع ۱) خدا تخت پہ کھڑا ہوا ہے۔

کھڑے ہونے (استواء) کی حقیقت میں استیلاء کا مجاز مضمر تھا۔ اب بھی محاورے میں کہتے ہیں۔ بخارے کا تخت متزلزل ہو گیا۔ یعنی اس کے استیلاء میں ضعف آ گیا۔ پہلی صدی کا ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق	من غیر سیف ودم مھراق
عہد اموی کا رکن سلطنت (امیر بشر)	بغیر اس کے کہ تلوار چلائے یا خون

بہائے عراق کے تخت پہ کھڑا ہو گیا۔

قرآن کو بھی یہ حقیقت اسی مجاز کے اسلوب میں نمایاں کرنی تھی۔

سورۂ رحمان کی ہیبت ناک وعید ہے۔

سنفرغ لکم ایھا الثقلان اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہارے لئے خالی

پامال کرنے کے لئے ایران کے قدیم محاورے میں "دشمن گزائی" کا استعمال تھا۔ — اعلان واقدام کے لئے "باد دبرا فراختن" کہتے تھے، وعلیٰ ذالک، ان سب میں محاورے کے اطلاق کو دیکھتے تھے، الفاظ کے اصلی معنی سے بحث نہ تھی۔

(۲) اسلوب تعبیر کی دو حیثیتیں ہیں (الف) حقیقت (ب) مجاز — محل حقیقت و مجاز میں مختلف مناسبتیں ہوا کرتی ہیں۔ جن سے ایک ہی لفظ جو پہلے کسی اور معنی کے لئے مستعمل تھا۔ اب ایک جداگانہ معنی میں استعمال ہو سکتا ہے — قرآن کریم ایک خاص مقام پر کہہ رہا ہے۔

ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم، ولا ادنیٰ من ذالک ولا اکثر الا ھو معھم (۵۸ — ع — ۲)	جہاں کہیں تین شخص گرم راز و نیاز ہوں وہاں اُن کا چوتھا خدا ہے۔ پانچ ہوں تو اُن کا چھٹا شریک خدا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ جس تعداد میں بھی ہوں، خدا اُن کے ساتھ ہے۔

یہ حقیقت اسی مجاز سے وابستہ تھی کہ تین ہم صحبتوں کا چوتھا شریک اور پانچ شرکائے مجلس کا چھٹا جلیس اُن کے مکالمے سے آگاہ ہوتا ہے۔ اُن کی رازداریاں اس پر منکشف ہو سکتی ہیں۔ اور وہ اُن کے خفایائے امور کو سن اور سمجھ سکتا ہے۔ آیت کا بھی یہی مدعا تھا۔ اور اس کے لئے اس سے بہتر اسلوب ممکن نہ تھا۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

واعلموا انّ اللہ یحول بین المرء وقلبہ (۹ — ع — ۳)	خوب جان رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے مابین خدا حائل ہو جایا کرتا ہے۔

دل اور جسم کے مابین حائل ہونے والے سے بڑھ کر اور کون ہے جسے مخفی نیتوں کا حال معلوم ہو سکے؟ یہاں بھی جناب الٰہی کی یہی غرض تھی۔ لہٰذا حقیقت اس مجاز

والعرب تقول کشفت ھٰذا الامر عن ساق اذا صار الی شدۃ ؎۱

یعنی بڑی سختی برپا کریں گے۔ جب کوئی بات نہایت سخت ہو جاتی ہے تو اہل عرب کہتے ہیں: "اس بات کی ساق کھل گئی۔"

عز بن عبد السلام لکھتے ہیں۔

ھو مجاز عن مبالغۃ فی حسنا اندائہ واھانتھم حین یھمرو عق بھم، فان العرب یقولون لکل من جد فی امر وبالغ فیہ کشف عن ساقہ واصلہ ان من جد عمل من الاعمال حرب او غیرھا فانہ یشمر ازارہ عن ساقہ کیلا یعوقہ عن جدہ وسرعۃ حرکتہ فیما جد فیہ ؎۲

آیت کے معنی مجازی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دشمنان خدا کے محاسبہ، تذلیل و رسوائی و تعذیب میں مبالغہ ہوگا۔ جب کوئی شخص کسی کام میں نہایت مبالغے کے ساتھ کوشش کرتا ہے۔ تو اہل عرب کہتے ہیں: "اُس نے اپنی ساق کھول دی۔" اس کی اصلیت یوں ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کام میں سرگرم ہوتا ہے۔ خواہ جنگ ہو یا کوئی اور کام ہو، تو ازار کو اوپر چڑھا لیتا ہے کہ تیزی و سرگرمی کے ساتھ جو کام کرنا چاہتا ہے اُس میں حرج واقع نہ ہو۔

اس تشریح نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ حدیث میں دامن جھاڑتے ہوئے چلنے کی جو نسبت وعید وارد ہے کہ من جر ازارہ بالخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ (جو شخص غرور و تکبر سے تہ بند کے دامن جھاڑتے ہوئے چلے گا۔ قیامت میں خدا اُس کی جانب ملتفت نہ ہوگا) کا مفہوم اس

؎۱ ابن جریر ص ۴۲

؎۲ الاشارۃ الی الایجاز فی بعض انواع المجاز طبع قسطنطنیۃ سنہ ۱۳۱۳ - ص ۱۱

ہو کر فراغت کیا چاہتے ہیں۔

فارغ ہونے اور خالی ہو بیٹھنے کی حقیقت اس مجاز نے منقح کر دی کہ جن لوگوں کے مشاغل کثیر ہوتے ہیں۔ وہ کوئی خاص مہتم بالشان کام کرنا چاہیں تو اس مشغولیت کے عالم میں خاطر خواہ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے انھیں ایک مخصوص وقت نکالنا ہوگا یہ مفہوم کو دل نشین بنانے کے لئے قرآن کریم نے بھی اس تجوز کو لے لیا۔ کہ لوگو! خبردار رہو، تمہارا حساب کرنے کے لئے ہم عنقریب ایک خالی وقت نکالنے کو ہیں۔ کہ اچھی طرح محاسبہ ہو اور کافی امتحان واختیار ہو جائے۔

(۳)

کشف ساق سے مراد کیا ہے؟ علامہ ابن جریر اس کا جواب دیتے ہیں۔

قال جماعة من الصحابة والتابعين من اهل التاويل يبدو عن امر شديد..... وكان ابن عباس يقول كان اهل الجاهلية يقولون كشف الحرب عن ساق له ..... وعن عكرمة فى قوله يكشف عن ساق قال هو يوم كرب، وذكر عن ابن عباس انه كان يقرء ذلك يوم تكشف عن ساق بمعنى يوم تكشف القيامة عن شدة شديدة

مفسرین صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت "وہ دن جب ساق کھلے گی" کے معنی یہ ہیں کہ امر شدید ظاہر ہوگا ...... عبداللہ بن عباس اس کی مثال میں کہا کرتے تھے: "عہد جاہلیت کا محاورہ تھا کہ جنگ نے اپنی ساق سے ازار کو اٹھا لیا" یعنی پوری طرح لڑائی چھڑ گئی.... عکرمہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی روایت ہے، کہ وہ دن کرب وسختی کا دن ہوگا۔ ابن عباس اس آیت کو یوں بھی پڑھتے تھے کہ "وہ دن جب ہم ساق کھولیں گے۔

له تفسیر ابن جریر۔ ج ۲۹۔ ص ۲۱

(یہ وہ لوگ ہیں کہ جہاں خطرے نے انہیں اپنے دانت دکھائے کہ اس کی جانب دو دو
ایک ایک کرکے اڑ چلے)

(ج) موت کے ناخن بھی تو نہیں ہوتے مگر ابو ذیب ہذلی کہتا ہے۔

وان المنیۃ انشبت اظفارھا الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

(موت نے جہاں اپنے ناخن مارے پھر تم کسی تونے ٹوٹکے کو سودمند نہ پاؤ گے)

(د) نرمی و نرم دلی (ذلت) کے بھی تو پر نہیں ہوتے جسے نیچے لا سکیں یا اوپر
اٹھا سکیں۔ مگر اس آیت میں ہے۔

واخفض لھما جناح الذل — باپ ماں کے لئے مہربانی کے ساتھ نرمی
من الرحمۃ (۱۷-۲۴) — وملائمت کے پر نیچے کردیعنی بچھادو۔

(ہ) قرآن کے ہاتھ بھی تو نہیں ہیں۔ مگر قرآن خود کہہ رہا ہے۔

مصدقا لما بین یدیہ — قرآن کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں
جو چیز ہے۔ یعنی توراۃ و انجیل جو اس کے روبرو ہے، وہ اس کی تصدیق کر
رہا ہے۔

(و) کفر بھی تو ہاتھ نہیں رکھتا، مگر اس کے تذکرے میں ہے۔

ذالک بما قدمت یداک — یہ کیفیت تیرے دونوں ہاتھوں کی [illegible]
ہوئی ہے۔

(ز) عذاب بھی تو کوئی مجسم ہیکل نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں ہوں۔ مگر
قرآن کا بیان ہے۔

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید — سخت عذاب کے دونوں ہاتھوں کے
بیچ میں پڑنے سے میں تم کو ڈراتا ہوں۔

(ح) ملکیت رکھنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کے داہنے ہاتھ
کٹے ہوں یا سرے سے بنے ہی نہ ہوں۔ خدا سب کچھ جانتا ہے اور پھر بھی
کہتا ہے۔

ممانعت ہی پر حاوی نہیں ہے کہ تہہ بند یا عبائیں یا پاجامے اس قدر نیچے نہ پہنے جائیں کہ موریاں قدم چھپالیں، اور زمین پر لوٹتی چلیں۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ مدعا بھی مضمر ہے کہ مسلمان کو مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ فرطِ غرور سے اُس کے لئے غافل رہنا زیبا ہے، خدا کتنی ہی دولت دے، کیسی ہی ثروت ملے کتنی ہی منزلت بلند ہو۔ مگر اُس کو ہر حال میں ہوشیار رہنا لازم ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں مشکلیں پیش آنے والی ہوں، وہ اُن کے حل کرنے کے لئے پہلے سے آمادہ و مستعد رہے۔ عہد جاہلیت کے مشہور سخن سنج (دریدبن الصمہ) کے کلام میں یہی مفہوم مخفی ہے۔

کمیش الازار خارج نصف ساقہ

ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اہلِ عرب جن کو ارتداد گوارا تھا، ترکِ ملک و مال گوارا تھا۔ ورثۂ عربیہ کا مقابلہ گوارا تھا۔ مگر تہہ بند کا ٹخنے کے اوپر رکھنا گوارا نہ تھا۔ وہ نصف ساق کے تہ بند پہنتے رہے ہوں گے؟

(۴)

مزید تشریح کے لئے مسئلہ کو یوں سمجھنا چاہیئے۔

(الف) بے شبہ خدا کے ساق نہیں ہے۔ لیکن جنگ کے بھی تو ساق نہیں ہے باایں ہمہ اہلِ عرب کہتے ہیں۔

کشفت لہم عن ساقہا وبدا من الشر الصراح

(جنگ نے ان لوگوں کے روبرو اپنی ساق کھول دی اور صاف صریح خطرہ نمایاں ہوگیا)

(ب) خطرے کے دانت بھی نہیں ہوتے، مگر ادبیات عرب کا مشہور و معروف شعر ہے۔

قوم اذا الشر ابدی ناجذیہ لہم طاروا الیہ زرافات ووحدانا

ہیں مگر محاورے میں اُن کے کچھ اور ہی معنی لئے جاتے ہیں۔ طریق تعبیر کی بیشتر حقیقتیں مجاز سے وابستہ ہیں جن کو لفظوں کے ساتھ کچھ ایسا زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) ادبیات عرب میں کشف ساق کے معنی نہایت سخت خطرہ (امر شدید) نمودار ہونے کے ہیں

(۴) کشف ساق سے اگر خدا ہی کی ساق کا نمودار ہونا مراد ہو جب بھی اس کے معنی مجسم نہ ہوں گے۔ کیونکہ قرآن کریم نیز کلام جاہلیت جس میں قرآن اترا ہے اور جو اُس کے انداز بیان کی نظیر ہے، اس معنی کی تائید سے خاموش ہیں۔ یا یوں کہئے کہ اسلوب عربیت اس قسم کے الفاظ کو اپنے اصلی معانی پر محمول نہیں کرتا۔ یہ چاروں موضوع استیعاب ذکر و استیفائے نظر کی حد میں آچکے ہیں لیکن مسئلے کی اہمیت کا ہنوز یہی اقتضا ہے کہ "کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے" تکمیل بیان کے لئے بقیہ مباحث قابل ملاحظہ ہیں

(۵)

قرآن کریم میں لفظ ساق تین مقام پر وارد ہے۔

(الف) سورۂ نون والقلم میں جس پر بحث ہو چکی اور ہنوز ہو گی۔

وجوہ یومئذ ناضرہ، الی ربہا ناظرۃ، ووجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بہا فاقرۃ، کلا اذا بلغت التراقی، وقیل من راق وظن انہ الفراق، والتفت الساق

اُس دن بہتوں کے منہ تر و تازہ ہونگے جو اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہونگے اور بہتیرے منہ اُس روز برے بن رہے ہونگے انکو گمان ہوگا کہ ایسی سختی اُن کے ساتھ ہونے والی ہے کہ اُن کی کمر توڑ دے گی۔ خوب سمجھ لو کہ جب

او ما ملکت ایمانکم یا وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہوتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ اُردو زبان کے ایک شاعر کے نے جب یہ ادبی معذرت قابل پذیرائی ہے کہ:-

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو	بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام	چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

تو اہل نظر کی اس تحقیق پر کیوں نہ لحاظ کیا جائے کہ :-

الغرض من ھذا انه قد یعبر بالجوارح عن معان لا یصح ان یکون خارجة [۱] غرض یہ ہے کہ تعبیر کلام میں اعضائے جوارح کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں۔ جن کا اصل مفہوم سے الگ ہونا درست نہیں۔

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ سورۂ نون والقلم کی مشہور آیت ——

یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون

(وہ دن آنے والا ہے جبکہ ساق کھلے گی اور لوگوں کو سرا نگندگی کی دعوت دی جائے گی۔ مگر اُس وقت ان میں اتنی قدرت و استطاعت کہاں ؟) کی تفسیر میں راویان اخبار و آثار نے کیا کیا اختلافات کئے تھے ——

چار مختلف فصول میں ان مباحث کا استقصا ہو چکا ہے کہ :-

(۱) کشف ساق کے یہ معنی نہیں کہ قیامت میں فی الواقع خدا کی ساقیں کھل جائیں گی۔ یہ صحیح نہیں اجن روایتوں سے اس مفہوم کو تقویت دی جاتی ہے علم اصول ان کو خود قابل استناد نہیں سمجھتا۔

(۲) ادبیات عربیہ میں عام قاعدہ ہے کہ الفاظ کچھ اور ہوتے

---

[۱] کتاب الاشارہ - ص - ۱۴۳ -

اولى الاقوال فى ذالك بالصحة عندى قول من قال : معنى ذالك والتفت ساق الدنيا بساق الاخرة وذالك شدة كرب الموت بشدة هول المطلع ، والذى يدل على ان ذالك تاويله قوله الى ربك يومئذ المساق ، والعرب تقول لكل امر اشتد : قد شمر عن ساقه وكشف عن ساقه ..... عنى بقوله التفت الساق بالساق : التفت احدى الشدتين بالاخرى كما يقال للمرأة اذا التفت احدى فخذيه بالاخرى لفاء[1]

میرے نزدیک اس باب میں بہتر و صحیح قول اُن مفسرین کا ہے ۔ جو آیت کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا کی ساق آخرت کی ساق سے مل جائے گی ۔ مطلب یہ ہے کہ موت کی شدت و کرب ہول مطلع کی شدت سے دو چار ہوگی۔ اس مفہوم کی دلیل خود اسی آیت کا پچھلا جزو ہے کہ اُس دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا ۔ خطرہ جب بڑھ جاتا ہے ۔ اور بات سخت ہو جاتی ہے تو اہل عرب کہتے ہیں ۔ فلاں امر کی ساق سے دامن اُٹھ گیا " یا اُس کی ساق کھل گئی .... آیت میں ایک ساق کے دوسری ساق سے مل جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک سختی دوسری طرح کی شدت سے پیوست ہو گئی ۔

جس طرح کسی عورت کی ایک ران دوسری ران سے پیوست ہو گئی ہو تو اُسے لفاء (باہم پیوستہ ہو جانے والی) کہتے ہیں ۔

(ج) سورۂ نمل میں جہاں ملکۂ سبا کو خطاب کیا گیا ہے ۔

قيل لها ادخلى الصرح فلما رأته حسبته لجة وكشفت عن ساقيها قال انه صرح ممرد من قوارير

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ محل کے اندر آؤ ۔ اُس نے محل کو دیکھا تو پانی سمجھی ۔ اس خیال سے اپنی دونوں پنڈلیاں اُس نے کھول دیں ۔ سلیمان

---

[1] ابن جریر ۔ ج ۲۹ ص ۱۰۷

بالساق الی ربک یومئذ ن المساق (۷۵ - ۱۱ و ۱۲) | ہنسلی تک جان آپہنچے گی ۔ اور لوگ چلا اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟

...... یقین ہو جائے گا کہ یہ مفارقت کا وقت ہے اُس وقت پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ۔ تو یاد رکھو کہ اُسی دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہو گا ۔

اس آیت میں التفت الساق بالساق (پنڈلی سے پنڈلی مل جائے گی) کی تفسیر کئی طریقوں پر کی گئی ہے ، بیس حدیثیں اس مفہوم کی مروی ہیں کہ التفات ساق سے شدت ام مراد ہے ۔ ان میں دو خاص حدیثیں یہ ہیں :۔

قوله :- والتفت الساق بالساق یقول : آخر یوم من الدنیا واول یوم من الاخرة ، فتلتقی الشدة بالشدة الا من رحمہ اللہ سلہ | آیت کے یہ الفاظ کہ " پنڈلی سے پنڈلی مل جائے گی " اس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ دن دنیا کا سب سے پچھلا اور آخرت کا پہلا روز ہو گا ۔ اس روز سختی سے سختی بھڑ جائے گی ۔ ہاں جس پر خدا رحم کرے وہ البتہ اس سے محفوظ ہو گا ۔

یقول التفت الدنیا بالاخرة و ذالک ساق الدنیا والاخرة الم تسمع انہ یقول الی ربک یومئذ ن المساق سلہ | اُس دنیا و آخرت میں تصادم ہو گا ۔ اور دنیا و آخرت کا یہی حال بھی ہے ۔ اس مطلب کی تائید میں کیا تم نے آیت کا یہ جزو نہیں سنا کہ " وہی روز ہو گا کہ تمہیں اپنے پروردگار کے حضور میں چلنا ہو گا ؟ " ۔

التفات ساق کی دوسری تاویلیں بھی کی گئی ہیں ۔ مگر ابن جریر کی نقاد نظر میں یہ سب مجروح ہیں ، لکھتے ہیں :۔

سلہ علی قال ابو صالح قال حدثنی معاویہ عن علی عن ابن عباس قولہ الخ

سلہ محمد بن سعد قال حدثنی ابی عن امیہ عن ابن عباس الخ

(۲۷ - ۳۷) ہو کر رب العالمین کے لئے مسلمان ہوتی ہوں۔

یہ مطلب اگر صحیح ہے تو حضرت سلیمان پر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کیوں ایسی ترکیب کی کہ ایک پرائی عورت اپنی پنڈلیاں کھول دے اور وہ اُسے دیکھیں؟

جب ایراد ہی رفع ہو گیا تو جواب دینے کے لئے کسی تاویل کی کیا حاجت؟

(۶)

گذشتہ مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

(الف) قرآن کریم نے پنڈلی کے معنی میں ساق کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا ہے۔

(ب) قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے قطعی ثبوت مل سکے۔ کہ یوم یکشف عن ساق (وہ دن جب ساق کھلے گی) سے خدا کی ساق کا کھلنا مراد ہے۔

(ج) بخاری کی مشہور حدیث۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: - یکشف ربنا عن ساقه فیسجد له کل مومن و مومنة، ویبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعة فیذهب لیسجد فیعود ظهره طبقا واحدا [۱]

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا پروردگار اپنی ساق کھول دے گا جتنے مسلمان مرد عورتیں ہوں گی سب کی سب سجدے میں گر پڑیں گی صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھلانے اور سنانے کے لئے سجدے کیا کرتے تھے وہ اس وقت سجدہ کرنے

[۱] اخرجه البخاری عن ابی سعید قال الخ وهذا الحدیث عندهم من

۴۵

(۲۷ - ۳۶ -   نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو شیش محل ہے،

اس آیت میں کشف ساق کے معنی عام مفسرین نے پنڈلی کھولنے کے لئے ہیں مگر امام رازی نے طبعاً دو تین باتیں اور بھی بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

(۱) انما فعل ذالك ليزيد ها استعظاماً لامره	(۱) حضرت سلیمان نے شیش محل اس لئے بنوایا تھا کہ ملکہ سبا کی نظر میں انکی عظمت بڑھ جائے
(۲) كان المقصود من الصرح تقويل المجلس والعظمة	(۲) تعمیر محل سے مجلس کو خوفناک و باعظمت دکھانا مقصود تھا۔
(۳) حسبت ان سليمان عليه السلام يغرقها في اللجة [۱]	(۳) ملکہ سبا سمجھی کہ حضرت سلیمان اُس کو پانی میں غرق کیا چاہتے ہیں۔

یہ تاویلیں اگر صحیح ہیں تو ان کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ملکہ سبا کو مرعوب کرنے اور اُس کے دل پر اپنی ہیبت و عظمت کا سکہ بٹھانے کے لئے شیش محل تعمیر کرایا ہوگا۔ ملکہ سبا اُسے دیکھ کر پانی سمجھی اور خیال کیا کہ سلیمان نے بدعہدی کی۔ یہاں بلا کر تو مجھے غرق کیا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی ساق کھول دی۔ یعنی غیظ میں آ گئی۔ گھبرا اٹھی۔ ناراضی و ناخوشی بڑھ گئی۔ سخت ہو گئی۔ خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت سلیمان نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا۔

یہ پانی کا تموج نہیں ہے شیش محل کا سراب ہے۔ ملکہ یہ سن کر چھپا لی، اپنی بدگمانی سے پشیمان ہوئی اور کہا۔

رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سليمان لله رب العالمين	میرے پروردگار! میں نے (یہ بدگمانی کرکے) اپنی جان پر ظلم کیا! اب میں سلیمان کے ساتھ

---

[۱] تفسیر کبیر۔ ج ۵۔ ص ۸۹۔

یہ جو کچھ پیش آتا ہے دنیا ہی میں پیش آئے گا۔ قیامت سے ان واقعات کو تعلق نہیں ہے قیامت تو وہ دن ہے کہ کسی کو کسی بات کی تکلیف نہ دی جائے۔
نہ رکوع ہے، نہ سجود ہے، نہ قعود ہے، نہ قیام ہے
لیکن یہاں ارشاد ہوتا ہے۔

یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون

وہ دن جب خطرہ بڑھ جائے گا۔ لوگ سجدہ و اطاعت و سرافگندگی کے لیے بلائے جائیں گے، اگر نہ کر سکیں گے۔

پھر کیوں کر ممکن ہے کہ قیامت کے دن، جو احتساب اعمال کا روز ہے۔ عبادت کا حکم دیا جائے۔ ابو مسلم اصبہانی لکھتے ہیں۔

لا ریب ان یوم القیامۃ لیس فیہ تعبد و تکلیف فھو زمان العجز او اخر ایام دنیاہ فانہ فی وقت النزع تری الناس یدعون الی الصلوۃ بالجماعۃ وھو لاء لا یستطیعون الصلوۃ لانہ الوقت الذی لا ینفع نفسا ایمانھا

بے شبہ قیامت کا دن عبادت کرنے کا دن نہ ہوگا، اس دن کسی بات کے ماننے یا کسی کام کے کرنے پر کوئی مکلف نہ ہوگا وہ عاجزی یا ضعف کا وقت یا دنیا کا سب سے پچھلا اور پچھلا حصہ ایام ہوگا۔ دیکھو نزع روح کے وقت بھی نمازیوں کو نماز کے لئے پکارا کرتے ہیں۔ جماعت کے لئے اذان دیتے ہیں۔ حی علی الصلوٰۃ کی منادی سے اُن کو مسجد میں بلاتے ہیں اگر وہ نماز نہیں ادا کر سکتے وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں کسی شخص کے لئے خدا پر ایمان لانا کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

(۸)

بے پایاں آمد این دفتر حکایت ہمچناں باقی۔ کہنا یہ تھا کہ کشف ساق کے ذیل میں

چلیں گے تو اُن کی پیٹھ ایک تختہ ہو جائے گی۔

تو قطع نظر دیگر مباحث کے جو توجیہ و تفسیر قرآن کریم کی آیات کی کی جاتی ہے ضرور ہے کہ وہی اس کی حدیث کی بھی کی جائے۔ نظام نیشاپوری کی اس لطیف توجیہ کو بھی پیش نظر رکھئے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

معناه يوم يشتد الامر ويتفاقم ولا كشف ثمه ولا ساق، كما تقول للاقطع الشحيح: يده مغلولة ولا يد ثمه ولا غل وانما هو مغل في البخل.... وقال ابو سعيد الضرير:۔ ساق الشئ اصله الذي به قوامه، كساق الشجر وساق الانسان فمعنى الاية يوم تظهر حقائق الاشياء واصولها سلہ

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اُس دن صورت معاملہ نہایت سخت و شدید و دشوار ہو جائے گی ورنہ اصل میں نہ تو وہاں ساق کھلنے کا شائبہ ہے اور نہ ساق ہی ہے کہ کھلی یا ڈھکی رکھی جائے۔

مثلاً ایک بخیل کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں تو اُسے کہو گے کہ "اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں" حالانکہ نہ وہاں ہاتھ ہیں اور نہ بندش ہے بلکہ در اصل یہ ایک مثل ہے جس سے اظہار بخل منظور ہوتا ہے .... ابو سعید ضریر کہتے ہیں:۔ ساق وہ شے ہے جس سے کسی چیز کا قوام وابستہ ہو جیسے ساق درخت، ساق انسان۔ اس بنا پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس دن اشیاء کی حقیقتیں اور اصلیتیں ظاہر ہوں گی۔

م م طرق في الصحيحين وله الفاظ في بعضها طول، وهو حديث مشهور معروف وشئ كل ذالك فهو لا يجوز بتجسم ذات الله تعالى شانه عما يقولون، ولله في خلقه شئون، والله يعلم وانتم لا تعلمون

سلہ نیشاپوری ۔ ج ۲۹ ۔ ص ۲۳ ۔

جمہور (پبلک) کو کچھ اور جتاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی اطاعت منع ہے۔ اُن کی فرماں برداری جرم ہے گناہ ہے، موجب عذاب ہے، اس قلادے کو توڑ دینا چاہئے۔ اس اطاعت سے بڑی فرض ہے۔ اس فرماں برداری پر نافرمانی کو ترجیح ہے۔ ان کی تو خواہش ہے کہ مسلمان مداہنت کریں۔ خوشامد کریں۔ ریاکاری کریں۔ منافقت کریں تو انہیں بھی اظہار نفاق کا موقع ملے۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صورت کس قدر خطرناک ہے؟

(۳) کفار کے عہد وپیمان کا تمہیں بار ہا تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزت نفس و شرف ذات کا انہیں لحاظ تک نہیں قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اُٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے اس میں دوام و استمرار ہے یہ محکم ہے۔ یہ قول و قرار تو فوق جبلت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں۔ اور بات کو ست کام پڑنے کے وقت کچھ بھی یاد نہیں رکھتے ایسے لوگوں کے متعلق یہ ارشاد ہے

اسلام اپنے فرزندوں کو ان کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ روکتا ہے۔ منع کرتا ہے خبردار! یہ قسمیں کھانے والے ذلیل النفس ہیں، ان کے حلف پر نہ جانا، یہ ادھر کی بات اُدھر لگاتے ہیں۔ قوم میں نفرت پیدا کر دیتے ہیں۔ منع خیر کے لئے نہایت مبالغے کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ تعدی ان کا شیوہ ہے، تطاول ان کی عادت ہے۔ سرکشی ان کی خو ہے۔ پاس عزت نہ رکھنے، ناموس کی نگہداشت ضروری نہ سمجھنے اور خاص خاص حالتوں میں رضا مندی کے ساتھ حرام کاری تک کو قانوناً جائز قرار دینے کی وجہ سے ان کی تو اصل تک محفوظ نہیں، یہ تو صریح بد اصل ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کی اطاعت کیونکر پسندیدہ ہو سکتی ہے! اُن کو تو اپنے مال و اولاد کی فراوانی و کثرت یعنی فراوانی دولت و تکثیر آبادی کی وجہ سے اتنا گھمنڈ ہو گیا ہے کہ آیات قرآنی کو پرانے ڈھکوسلے کہنے لگے ہیں۔

قرآن کریم نے کن امور کی تعلیم دی ہے؟ اور اُن کے خاص خاص نتائج کیا ہیں؟
اصل میں تو یہ "سودا" خواجہ شیراز کے مخاطب کے اُس "خط سبز" سے بھی زیادہ طراوت افزائے نگاہ ہے۔ جس کی نسبت نقطۂ نظر نے "پائے از ین دائرہ بیروں نہ نہادی تا باشد" کا نوٹ لے دیا تھا۔ تاہم سلسلۂ حقائق دراز تھا۔ اس حلقہ کی کڑیاں کیونکر ڈھیلی ہو سکتی ہیں کہ تقییدات الٰہیہ کی بندش میں ڈھیل دی جا سکے، حقیقت کو "فقد وجدت مجال القول واسعة" کا جب خود اعتراف ہے تو "فان وجدت لسانا قائلاً فقل" کی معذرت کوشِ تعلیق کے کیا معنی؟ زبان گویا کا کام شرح صدور سے لے سکتے ہیں۔
الہامی تعلیمات کے بعض بعض خصائص ہی کے تذکرے سے رفع ذکر ممکن ہے۔ ملاحظہ ہوں۔
کشف ساق سے الوثق و مابعد آیتوں میں جن مہمات امور کی تعلیم دی گئی ہے اُن کے خاص خاص پہلو یہ ہیں:
(۱) مسلمانوں کے مذہبی جوش کو کفار کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اُن کو خبطی کہیں گے، مفتون کہیں گے، گمراہ کہیں گے، شوریدہ سر کہیں گے۔ مگر کہنے دو۔ اس پاک ترین الٰہیہ غیرت سے ہٹنا نہ چاہیئے، اس حالت پر قائم رہنا چاہیئے۔ تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ خبط کس کو ہے؟ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جبکہ اپنے خبط و شوریدگی کا انہیں خود اعتراف کرنا پڑے گا مسلمان انکے الزامات کے خوف سے مرعوب کیوں ہوں؟ اس کا علم تو خدا ہی کو ہے کہ ملو راست پر کون ہے اور گمراہی نے کسے گھیر رکھا ہے؟
(۲) کفار رجو واقعات کو جھٹلاتے ہیں۔ حقیقت حال کو جھٹلاتے ہیں اصلیت کو چھپاتے ہیں۔ ماجرائے وقوع کو غلط بتاتے ہیں۔ نقض امن کرتے ہیں اور پھر اُس کو حفظ امن کا لباس پہناتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں اور اسے جان بخشی دکھاتے ہیں۔ بات کچھ ہوتی ہے ــــ مگر اپنی بات کی پچ میں

کہ ان ظالموں کو بھی اپنے جور وستم کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اپنی سرکشی پر پچھتائیں گے ایک دوسرے کو الزام دیں گے کہ ظلم نہ کئے ہوتے تو ملک و دولت سے کیوں محروم ہوتے، اس محرومی کے عالم میں یہ امید ڈھارس بندھائے گی۔ کہ ایک ملک گیا تو گیا، شاید اس سے بہتر کوئی دوسرا ملک قبضے میں آجائے لیکن یہ وہ عذاب نہیں کہ اس سے نجات ممکن ہو، اور کچھ اسی پر موقوف نہیں، اس کے بعد جو آخری عذاب آئے گا وہ اس سے بھی خوفناک آئے گا۔

(۵) مسلمان کفار کے مقابلے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ مگر کامیابی کے لئے شرط یہ ہے کہ تقوے (شریفانہ کیرکٹر) سے موصوف ہوں۔ چاہئے کو تو کفار اب بھی چاہتے ہیں کہ مسلمان مجرم ثابت ہوں اور اُن کے ساتھ مجرمانہ برتاؤ کیا جائے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے انتہائی کوشش کریں گے اور سب کچھ کر دیکھیں گے۔ مگر خدا ایسی ناپاک و نجس تدبیروں کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔

(۶) خطرہ ہر سمت سے بڑھ چلا ہے اور اب اس کے منتہائے اشتداد کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ ظالموں کو اسلام کے روبرو اظہار تنزل و اطاعت کی دعوت دی جائے گی۔ مگر وہ کچھ ایسے بدحواس ہوں گے کہ یہ بھی نہ کر سکیں گے۔ جی بھر کے آج اسلام کی توہین کر لیں مگر کل ہی سے انکا تدریجی زوال اس طرح شروع ہوگا کہ بالفعل تو اُن کو ڈھیل دی جا رہی ہے۔ لیکن آخر انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور ان کی ہستی فنا ہو جائے گی۔ خدا کی تدبیر بڑی پختہ و محکم ہے۔ وہ یہ داؤ کھیل کے رہے گا۔

(۷) کفار سے مسلمانوں کو کسی انعام کا طلبگار نہ ہونا چاہیئے۔ کسی احسان کا آرزومند نہ رہنا چاہیئے۔ مسلمانوں کی کوئی چیز اُن کے قبضہ میں جاتی رہے تو اس کا معاوضہ ملنے کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ جہاں کوئی امید نہیں، توقع نہیں، مطالبہ نہیں۔ وہاں تو کفار سرگرداں ہی رہتے ہیں، جہاں ان چیزوں کا قدم آئے گا وہاں کیا ہوتا ہے۔

مصر کی ایک برگشتہ خود و برافروختہ مزاج مسلمان لیڈی (پرنس صالحہ) یورپ میں جا کر ایک روسی افسر سے شادی کر لیتی ہے۔ اور اُسے متمار عام قرار دے کر اپنی جائداد کے لئے دعویٰ دائر کراتی ہے۔ مصر کی شرعی عدالت پچھلے مہینے میں اس دعویٰ کو خارج کر دیتی ہے کہ مسلمان عورت نے احکام اسلام کی قید سے آزاد ہو کر جب ایک نامسلمان سے شادی کر لی تو پھر مسلمان کہاں رہی۔ اور اب اُس کو جائداد کے مطالبہ کا کیا حق رہ گیا ہے؟ صحافت فرنگ اس فیصلے پر سختی سے نکتہ چینی کرتی ہے اور عام جرائد و مجلات یورپ کی گزشتہ اشاعتوں میں فریاد ہوتی ہے کہ "اس آئین واصول کے عہد میں اسلام کے احکام پر کیوں عمل ہوتا ہے؟ یہ احکام تو صریحاً پرانے ڈھکوسلے (اساطیر الاوّلین) ہیں" جب اس بیباک جماعت کو جناب الٰہی میں بھی گستاخی سے باک نہیں، تو حیف ہے کہ بندگان الٰہی ایسے سرکشوں کے مطیع رہیں۔ ان کی اطاعت سے فوراً کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔ یہ خوف بالکل بے محل ہے کہ مبادا نافرمانی صورت میں کیسی پڑے؟ کیوں کہ خدا ان سرکشوں کو عنقریب عذاب کرنے والا ہے سنسمہ علی الخرطوم کی وعید آ چکی ہے۔ اور اب اس کے پورے ہونے میں بہت کم دیر رہ گئی ہے۔

(۴) ارادہ تو کفار کا یہی ہے کہ باغ عالم (ممالک روئے زمین) انہیں کے لئے مخصوص ہو جائے اور اُس کے ثمرات سے اُن کے علاوہ کوئی دوسری غریب قوم مستفید نہ ہونے پائے مگر ہنوز وہ خواب غفلت ہی میں رہیں گے کہ ذرائع شان و شوکت میں تباہی آ جائے گی، عظمت و رفعت کا سارا ساز و سامان خاک میں مل جائے گا۔ چلے تو ہیں کہ دنیا کو فتح کریں اور اقوام دنیا کو غلام بنا لیں مگر بجز محرومی قسمت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا، اس وقت تو خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ لیکن انجام کار جب تباہی نازل ہوگی تو وہی خدا یاد آئے گا جس کی اور جس کے گھر کی تذلیل و تخریب میں وہ اس وقت سرگرم ہیں وہ ایسا نازک وقت ہوگا۔

ورودِ مقدس یوم الحج

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ

سیریکم آیاتہ فتعرفونها، وما ربك بغافل عما تعملون ۝

گویند مگو سعدی چندیں سخن عشقش
می گویم : بعد از من گویند بدوراں ہا

میں نے بہت چاہا کہ اپنے زخموں کو چھپاؤں لیکن نہ چھپا سکا۔ ایک مدت کے سکون اندمال کے بعد آج پھر ایک نئے اضطراب و کاوش میسر آگیا ہے۔ میرے دل کی بے چینیوں نے مجھے بستر انتظار پر تہہ و بالا کر دیا اور میرے زخمہائے کہنہ کے ٹانکے بلا اختیار کھل گئے۔ اب ان کی خوں نابہ فشانی نہیں رک سکتی بل نکتب والیراع یتقطر دماء، والقلب یکاد یتمزق اسی و اسفا مما اصاب الاسلام والمسلمین من الذل المهین، والعار المشین والنوازل الهائلة، والاحتقار الفاضح والضغط الفظیع، والقتل الذریع، فحاشا للمسلمین ان یکونوا من القوم الکافرین۔

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را
چیدہ کردہ ام جگر پارہ پارہ را

آج میں پھر انہی متاع کہنہ کو لے کر بازار مقصود میں نکلا ہوں جو ہمیشہ سے میرے کاروبار آہ و نالہ کا راس المال رہی ہے۔ اور جس کے سوا میرے جیب و آستین حسرت

مسلمان اگر کامیابی کے آرزومند ہیں تو حصول کامیابی کے وقت تک نہایت مستقل مزاج و ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ حضرت یونس پیغمبر تھے، باایں ہمہ استقلال میں کچھ فرق آیا تھا کہ مصیبت میں پھنس گئے۔ خدا کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو نجات ہی ممکن نہ تھی، اسی طرح مسلمان اگر مستقل مزاج نہ رہے تو ابتلا سے مفر نہیں، اور اگر صبر و ثبات و استقلال پر متمسک رہے تو یاد رکھو، ثبت قدم ہر ایک بلا سے محفوظ رہے گا اور انجام کار فاجتبٰہ وھو من الصالحین کا وہی مصداق ٹھہرے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفآء الارض ءالہ مع اللہ قلیلا ما تذکرون (۲۷ - ۶۲)

اور خدا کے سوا کون ہے کہ ایک مضطرب کی پکار کو سنے، اس کے دکھ کو دور کرے اور اپنے آگے جھکنے والوں کو خلافت بخشے افسوس کہ بہت کم ہیں جو عبرت و بصیرت رکھتے ہیں!

وہ خشک سالی میں پانی کے لئے روئے۔ کیا اب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی چمک میں امید کے آخری آنسو نہ بہائیں گے۔؟ وہ جنہوں نے نا امیدیوں میں اپنے مقصود کو پکارا، کیا اب امید و بیم کی آخری دیوار حائل تک پہنچ کر خاموش ہو جائیں گے۔ کیا موسم خزاں کے ماتم زدگان حسرت کے لئے یہ جائز ہے کہ بہار کی عین آمد پر اپنے ولولہ جنوں کو ٹھنڈا کر دیں۔؟

دہقان کا کام موسم کے ظہور کے بعد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور منزل جس قدر نزدیک آتی جائے رہ روان مقصود کے آتش شوق کو اور زیادہ تیز ہو جانا چاہیے۔ پہلے اگر حسرت و آرزو میں روئے ہو تو اب امید میں اور زیادہ چیخ چیخ کر روؤ۔!

بایں کہ کعبہ نمایاں شور نہ پا منشیں
کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ ست

آسمان کے دروازے بند تھے اور تم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر پکارتے تھے لیکن آج کھل گئے ہیں - اور تمہاری دعاؤں کے انتظار میں۔ ملائکہ مدبرہ اور ملکوت السماوات نے اپنے اجنحہ نورانیہ کو کھول دیا ہے۔ جبکہ جواب نہیں ملتا تھا تو تم پکارتے تھے۔ آج خود دست اجابت آمادہ استقبال ہے پھر زبان سائل کو کیا ہو گیا ہے۔؟

ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین!

میں اور کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ایک زخمی دل کے چند ٹکڑے ہیں۔ جن سے خون تمنا کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں خریداروں کا متلاشی ہوں۔ کوئی ہے جو ان پارہ ہائے خونیں کا طلبگار ہو؟

روئے بازار مراد مرد زعرفی بامنت
دامن تری فروشم دیدۂ تر می خرم

میں اپنے جیب زیاں کی یہ کل پونجی دے کر ایک سودا چکانا چاہتا ہوں مجھے چند آنکھیں چاہئیں جو ماتم یوسف میں یعقوب دار رونا جانتی ہوں۔ کیونکہ سچے آنسوؤں سے بڑھ کر عالم انسانیت میں کوئی شے طاقتور نہیں ہے۔ وا اسفی علی یوسف!

خشک سالیست دریں عہد وفا را اے اشک
زاں دیا ریکہ تو می آئی، باراں چوں ست؟

یہی قیمت زخم، یہی راس المال جراحت، یہی دست ماتم کار، یہی چشم خوں بار، اور یہی زبان فغاں سنج ہے، جسے اپنے ساتھ لے کر میں نے ہمیشہ خریداروں کو پکارا، اور یہی متاع دل اور جنس اشک و خوں فشانی ہے جس کو ہمیشہ میں نے ڈھونڈا۔ میں ہمیشہ روتا رہا اور میں نے لوگوں کو رلایا ہے میں ہمیشہ ماتم کرتا رہا اور ہزاروں ہاتھوں نے میری سینہ کوبی میں شرکت کی ہے — آج پھر اشک و فغاں کے لئے پیام درد لے کر اٹھا ہوں۔

پس ان سب پر سلام جن کی آنکھیں خوں بار، دل دو نیم جگر سوختہ، اور زبانیں دعا سنج ہیں۔

کیونکہ اشک افشانیوں کا آخری وقت اضطراب قلوب و ارواح کی انتہائی فرصت، اور دعا ہائے اشک آلود فریاد ہائے مجروح و مضطر کی طرف پکار رہے!

دمے زصدق برآور کہ آرزو بخشاں
ہزار گنج اجابت بہ یک دعا بخشند

روز طلوع ہونے والا ہے۔ جس کے آفتاب کے نیچے کرہ ارضی کے ہر گوشے کے لاکھوں انسان اپنے خداوند کو پکارنے کے لئے جمع ہوں گے۔ اور ریگستان عرب کی ایک بے آب و گیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و عشق الٰہی کا سب سے پہلا گھرانا آباد ہوگا۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (۲۲-۲۶)

وہ لوگ کہ اگر اللہ انہیں زمین میں قائم کردے تو ان کا کام صرف یہ ہوگا کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ نیکی کا حکم دیں۔ اور برائی سے روکیں۔

یہ پہلا گھر تھا جو خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا۔ اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ ہے جو اولیاء الشیطان واصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے۔ اور صرف خدا کے دوستوں اور اس کی محبت میں دکھ اٹھانے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے

سمندروں کو عبور کر کے پہاڑوں کو طے کر کے۔ کئی کئی مہینے کی مسافت چل کر۔ دنیا کی مختلف نسلوں۔ مختلف رنگتوں اور مختلف بولیوں کے بولنے والے اور مختلف گوشوں کے باشندے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ سلانی یا ٹیوٹانی۔ نیک نسل کی باہمی عداوتوں سے دنیا کے لئے لعنت بنیں اس لئے نہیں کہ ایک انسانی نسل دوسری کو بھیڑیوں کی طرح پھاڑے اور اژدہوں کی طرح سے ڈسے۔ اس لئے نہیں کہ انہیں خدا کی زمین کو اپنے ابلیسی غرور اور شیطانی سیادت کی نمائش گاہ بنائیں۔ اس لئے نہیں کہ تیس تیس من کے گولے پھینکیں۔ اور سمندر کے اندر ایسے جہنمی آلات رکھیں جو منٹوں اور لمحوں میں ہزاروں انسانوں کو نابود کر دیں۔ بلکہ تمام انسانی اغراض انسادوں کی خواہش سے خالی ہو کر اور ہر طرح کے نفسانی دعووں اور

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی
متاعے جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا

موسم بدل رہا ہے اور اضطراب و شورش کی جو خونی بدلیوں سے ذرا چھپ گئی ہے۔ وہ بالکل ویسی ہی ہیں۔ جیسے ہر عصر انقلاب ارضی و تجدید مواسم اقوام و ملل میں ظاہر ہوئی ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ ایام الٰہیہ کا ایک یوم عظیم ختم ہوا اور دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہو۔ یہ رات کی آخری گھڑیاں ہیں۔ جو برق کی سی تیزی اور بادل کی سی ہیبت میں گذر جائیں گی۔ اور پھر اندر دھوئیں کی بدلیوں کے اندر سے دنیا کی حیات جدیدہ کا ظہور ہو گا۔

پس صبح کی بخشش میں حصہ لینے والوں کو چاہیئے کہ اپنے دماغوں کا بلکہ آنکھوں کا احتساب کریں۔ اور شیطان غفلت سے ہوشیار ہو جائیں۔ کیونکہ رات بھر جاگنا آسان ہے۔ مگر صبح صادق کی گھڑیوں میں اونگھنے سے بچنا مشکل ہے ایسا نہ ہو کہ رات بھر اختر شماری کر کے بعد عین صبح کے وقت سو جاؤ۔ اور جس روشنی کو دیکھنا چاہتے تھے اس کی کرنیں تمہارے خوابیدہ سروں پر ماتم کریں۔ سچ یہ ہے کہ نہ تم اٹھے اور نہ تم نے بیداری کے لئے کوئی کروٹ بھی لی لیکن جبکہ دہقان آبپاشی سے غافل تھا تو آسمان نے خود ہی مینہ برسا دیا اور جب کہ انسانی ہمتیں تھک گئی تھیں تو کارخانہ الٰہی خود ہی متحرک ہو گیا۔ پس وقت کو اس کا حق دینے میں تو اہل نہ کرو کیونکہ وہ صرف اتنے ہی کا طالب ہے۔ اور جس قدر بھی جلد ہو سکے اپنی اصلاح و درستگی کا سامان کر لو۔ افلا یتوبون الی اللہ و یستغفرونہ واللہ غفور الرحیم؟

یوم الحج کا ورود مقدس

آج ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان

کی معصومیت، فرشتوں کی سی نورانیت۔ اور سچے انسانوں کی سی محبت۔ ان میں کہاں سے آ گئی ہے؟ تمام دنیا نسلی تعصبات کے شعلوں میں جل رہی ہے۔ مگر۔ دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں۔ اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع۔ ایک ہی باس۔ ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد۔ اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ سب خدا کو پکار رہے ہیں۔ سب خدا کے لیے ہی حیران و سرگشتہ ہیں۔ سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں خدا ہی کے لئے ابھر آئی ہیں۔ سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے۔ سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لئے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے۔ اور جبکہ تمام دنیا کا محور عمل نفس ایک ہی ہے۔ تو یہ سب خدا کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بے خودوں کی طرح یہاں اکھٹے ہوئے ہیں۔

انھوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور دلولوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔ اب یہ بالکل نئی دنیا ہے۔ جس میں صرف عشق ہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہو رہی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گذر ہے جو غرور و ہبی کا مبدا ہے۔ اور نہ انسانی شرارتوں کو بار مل سکتا ہے۔ جو خونریزی اور ظلم و سفاکی میں کرۂ ارض کی سب سے بڑی درندگی رہی۔ یہاں صرف آنسو ہیں جو عشق کی آنکھوں سے بہے ہیں صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتی ہیں۔ صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں اور ہزاروں سال پیشتر کے عہد الٰہی اور راز و نیاز عہد معہودی کو تازہ کر رہی ہیں۔

لبیک لبیک۔ اللّٰھم لبیک۔ لا شریک لک لبیک!!

سر روحانیاں داری دے خود را نہ پرستی
بخواب خود درستا تا قبلۂ روحانیاں بینی!

بھی شواروں کی زندگی سے مادر رار اور ری جا کر۔ صرف اس خدائے قدوس کو پیار کرنے کے لئے اس کی راہ میں دکھ اٹھانے اور مصیبت سہنے کے لئے اور اس کی محبت و رافت کو پکارنے اور بلانے کیلئے جس نے اپنے ایک قدوس دوست کی دعاؤں کو سنا اور قبول کیا۔ جبکہ نیکی کا گھرانا آباد کرنے کے لئے اور امن و سلامتی اور حق و عدالت کی بستی بسانے کے لئے اس نے اپنے خدا کو پکارا تھا۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (۱۴-۳۷)

اے پروردگار! جس نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک ایسے بیابان میں جو بالکل بے برگ و گیاہ ہے۔ اپنی نسل لا کر بسائی ہے۔ تاکہ یہ لوگ تیری عبادت کو قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے اور ان کے رزق کا بہتر سامان کر دے۔

آہ! ذرا تم ان کی ان عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں اور یہ پاک بستی کے بسنے والے ہیں۔ کیا یہ اسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی۔ اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کے لئے زندہ ہیں؟ یا یہ اسی بادیہ سے نکلے ہیں۔ جو سبعیت و خونخواری میں درندوں کے کھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے۔ اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ کہ آج تک نہ تو سانپوں نے اس طرح ڈسا اور نہ کبھی جنگلی سوروں نے اس طرح دانت مارے ہیں؟ کیا یہ اسی نسل اور تخم کے لوگ ہیں۔ جس نے خدا کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا۔ اور اس طرح اس کی طرف سے منہ موڑ لیا کہ اسکی بستیوں اور آبادیوں میں خدا کے نام کے لئے ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟

آہ! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ قدسیوں

یہ گھرانا درحقیقت دنیا کی امامت اور ارض الہٰی کی وراثت کے لئے آباد کیا گیا تھا۔ اور اس کا عہد و میثاق روز اول ہی بندھ گیا تھا۔

پس اس مقدس دعا کی قبولیت نے "امت مسلمہ" کو بھی قائم کیا اور دنیا کے تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کے لئے سلسلۂ ابراہیمی کے آخری رسول کو بھی مبعوث کیا۔ نیز جو امامت و پیشوائی اور خلافت فی الارض حضرت ابراہیم خلیل (علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دی گئی تھی۔ اس کی وارث ان کی ذریتہ (نسل) ٹھہرائی گئی۔ البتہ جب اپنے عہد کے "ظالمون" کو اس سے محروم کر دیا گیا۔ اس نسل کے جو لوگ اپنے نفس و روح کے لئے ظالم ہوئے اور خدا کے مقدس نوشتوں کی اطاعت سے سرکشی کی، ان سے وہ امامت موعودہ بھی چھین لی گئی، اور خلافت موہوبہ سے بھی محروم کر دئے گئے کہ "لاینال عھدی الظالمین"

خلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات (۱۹ - ع ۴) | پھر ان کے بعد وہ لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے صلوٰۃ الہٰی کو ترک کر دیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے۔

یہ دعاؤں کی وعدہ تھا جس کا ظہور ہماری اقبال کا مرانی کی تاریخ ہے اور اسی طرح یہ دعاؤں ہی کی ایک وعید بھی تھی جس کی سزائیں اور محرومیاں ہماری برگشتگی اور درماندگیوں کا ماتم ہیں! وہ ہم ہی تھے جو "انی جاعلک للناس اماما" کے وارث ٹھہرائے گئے تھے، اور ہم ہی ہیں جو آج لاینال عھدی الظالمین کی تصویر نامرادی ہیں!

ذالک بما قدمت ایدیھم وان اللہ لیس بظلام للعبید | یہ سب کچھ ان اعمال کا نتیجہ ہے، جو خود انہوں نے اختیار کئے ورنہ خدائے کریم تو اپنے بندوں کے لئے کبھی بھی ظالم نہیں ہو سکتا۔

پس دعاؤں کا یہ اجتماع لاہوتی، امت مسلمہ کا یہ مجمع مبارک اور دعا ہائے مقدسۂ ابراہیمیہ کا یہ مظہر عظیم و جلیل، قریب ہے کہ اسی بیابان حجاز میں ظہور

یہ وہ مجمع ہے جس کی بنیاد دعاؤں نے ڈالی۔ جس نے دعاؤں سے نشوو نما پائی جو صرف دعاؤں ہی کے لئے قائم کیا گیا۔ جس کی ترکیب بھی اوّل سے لیکر آخر تک دعاؤں ہی کی لازوال طاقت سے قائم ہے۔

سب سے پہلی دعا وہ تھی جو اس گھر کی بنیاد رکھتے ہوئے خدا کے دو قدوس دوستوں کی زبانوں پر جاری ہوئی

* * * * * * * * * *

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ! ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (۱-۱۵)

اے پروردگار ہمیں اپنا طاعت شعار بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری مومن و مسلم ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلادے اور ہماری توبہ قبول کرلے تو، تو بہت ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور پھر اے پروردگار! ہماری نسل میں ایک ایسا رسول مبعوث کر جو ان کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کردے۔ بے شک تو بہت بڑا اور حکمت والا ہے۔

سو بیابان حجاز کے قدوس لم یزل نے یہ دعا قبول کرلی اور اس امت مسلمہ کو پیدا کیا جو فی الحقیقت وجود ابراہیمی کے اندر پنہاں تھی۔

ان ابراھیم کان امۃ قانتا (۱۴-ع ۱۴)

بے شک حضرت ابراہیم خلیل اپنے وجود واحد کے اندر ایک پوری قوم اور خدا پرست امت تھے!

ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو۔ پس ضرور ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے۔ اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔

ہاں، ہر مومن کو چاہیئے کہ وہ یکسر دعاؤں میں ڈوب جائے۔ اور ان مقدس ایام کے اندر صدق دل سے توبہ کرے اور اپنے خداوند سے اپنا معاملہ درست کرلے۔ یہ بڑا ہی سخت وقت ہے جس کی نوشتہ الٰہی میں خبر دی گئی تھی وہ وقت موعودہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگیا ہے۔ اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں الٹ دی گئی ہے۔ پس توبہ کرو اور اس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر مجرموں کی طرح ڈال دو، اور تڑپ تڑپ کے وہ سب کچھ مانگو جس کو تمہارا دل چاہتا ہے، مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار نہیں ہیں۔ تم اس کے حضور حج کے دن اور عید کی صبح کو جبکہ خلیل اللہ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گر جاؤ، اپنی سرکشیوں اور نفس پرستیوں کے گوسالہ کو ذبح کر دو .... (فاقتلوا انفسکم باتخاذکم العجل) اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ خداوندا! زمین کی سب سے بڑی مصیبت، انسانی معصیت کے سبب سے بڑے عذاب اور انقلاب اقوام وملل کے سب سے زیادہ مہیب موسم کے وقت ابراہیم و اسماعیل کی ذریت کو نہ بھلائیو! اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیجیو!

علی الخصوص عید کے دن جب اس کے حضور کھڑے ہو تو اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ تم میں ایک روح بھی ایسی نہ ہو جو تڑپتی نہ ہو اور ایک آنکھ بھی ایسی نہ ہو جس سے آنسوؤں کے چشمے نہ بہہ رہے ہوں۔

یاد رکھو کہ دل کی آہوں اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی درگاہ میں کوئی شفیع نہیں ہوسکتا۔ پس جس طرح بھی ہو سکے، اپنے خداوند کو راضی کر دو اور اسے منالو۔ کیونکہ تم نے اپنی بداعمالیوں سے اسے غصہ دلایا اور اس

کرے جہاں خدا کے ابراہیم و محمد (علیہما السلام) نے امامت و خلافت الٰہی کے لئے اولین دعا کو سنا۔ اور پھر ہمیشہ دعاؤں کو سننے اور اپنی پکاروں اور نداؤں کے بلند ہونے کے لئے اُسے برگزیدہ کر دیا۔ جس وقت یہ پرچہ تمہارے ہاتھوں تک پہنچے گا۔ اُس وقت ذوالحجہ کی تیسری تاریخ ہوگی۔ اور بادیہ نوردانِ عشق آبادِ حجاز کے قافلے کوچ کے لئے تیار رہوں گے۔ اس وقت کا تصور کرو کہ وہ کیسا وقت عظیم ہوگا۔ جبکہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اُسوہ ابراہیمی کی روحانیت عظمےٰ اپنے صدائے ندکو بے قرارانہ پکارے گی اور اس کے مقدس عہد و میثاق کا رشتہ تازہ ہوگا۔ لاکھوں پیشانیاں ہوں گی جو اُس کی چوکھٹ پر گرائی جائیں گی۔ لاکھوں دل ہوں گے جو اس کے نظارۂ جمال کے عشق میں ڈوب جائیں گے۔ اور لاکھوں زبانیں ہوں گی جن سے اس کے حضور میں دعائیں نکلیں گی۔ پھر اُس وقت ایسا ہوگا کہ دریائے محبت الٰہی جوش میں آئے گا۔ ملائکہ مقربین اس کے خلوت وصال کو اسکے دوستوں کے لیے خالی کر دیں گے اور وہ اپنے جمالِ عالم آرا کے جلوے سے اس تمام محشر عشق و طلب کو ڈھانپ لے گا۔

* * * * * * * *

سوچا چاہیئے کہ اس وقت عظیم و جلیل اور ایام اللہیہ مخصوصہ کے حصول کو غنیمت سمجھو، اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو، لیکن اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری دعائیں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور تمہاری بے تابیاں اور بے قراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت طلب ہوں کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔"

دنیا انقلاب و تجدد کے ایک مہیب عہد سے گذر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفان اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ بپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روزِ ہجر ختم ہونے والا اور عہدِ وصال کی

الطَّامَّۃُ الکُبْرٰی

وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا کَاذِبَۃٌ

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا، وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا، فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا۔ موت اور ہلاکت کے وہ آفات الیمہ جو خون کی رگوں اور گوشت کے ریشوں کے اندر سے انسان کی جانوں کو کھینچ لیتے ہیں اور آبادیاں اجاڑ اور زندگیاں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ وہ ارواح حرب وقتال جو زندگی کے لیے موت کا اور آبادی کے لئے ویرانی کا دروازہ ایسی عجلت اور ایسی آسانی سے کھول دیتی ہیں۔ گویا کسی پٹے ہوئے بند کو کھول دیا گیا وہ ہلاکت اور موت کی عظیم الشان ہستیاں جن پر انسان پاش ترپیں لدی ہوئی اور آگ اور خون کے خونخوار درندے سوار رہیں۔ اور جو سمندروں میں تیرتی پھرتی ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں۔ تا اپنے اپنے منشوں اور امور کی تدبیر کریں، ان سب کی چھائی ہوئی ہیبت اور پھیلی ہوئی وحشت کی قسم اور ان سب کی پھیلی ہوئی موت اور برسائی ہوئی ہلاکت کی گواہی، کہ ارض الٰہی کا امن ڈوب گیا، انسانیت کی بستی اجاڑ ہو گئی۔ نیکی کا گھر لوٹ لیا گیا، اور دنیا مثل اس بیوہ کے ہو گئی جس کا شوہر زبردستی قتل کر دیا گیا ہو اور اسکے یتیم بچوں پر رحم نہ کیا گیا ہو۔ اب وہ اپنے لٹے ہوئے سنگھار پر ماتم کرے گی اور اپنی پھٹی ہوئی چادر کو سر سے اتار دے گی کیونکہ اس کا حسن زخمی ہو گیا کیونکہ اس کا شباب پامال کر دیا گیا اور اسلئے کہ

کے پاک حکموں کی پرواہ نہ کی! اور تم یوں پکارو کہ اے ابراہیم اور اسماعیل کے خداوند اور اے رسول امی کے پروردگار! ہم نے تیرے عہد کی پرواہ نہ کی اور اپنی بداعمالیوں سے تیری مقدس زمین کو ملوث اور گھنونا کر دیا لیکن اب ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے اور ہم نے بڑے سے بڑا دکھ اٹھا لیا ہم مثل یتیم بچوں کے ہو گئے ہیں۔ جن کے والدین کو ان سے جدا کر دیا گیا ہو کیونکہ ہمارا خدا ہم سے راضی نہ رہا اور ہم غمگینی اور رسوائی کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ مگر اے حیّ و قیوم! اب ہم پر رحم کر، ہمارے قصوروں کو معاف کر، اور ہم سے منہ نہ موڑ، گو ہماری خطائیں بے شمار ہیں لیکن ہم سب تیرے ہی نام سے ہدایت کہلاتے ہیں، تیری راہ میں دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہیں!

اگر نہ بہر من، از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی از خوبی خدا وند است

اے ستار و تواب، رحیم! کیا ہمارا غم دور نہ ہوگا، کیا ہماری خزاں کیلئے کبھی بہار نہیں، اور کیا ہمارے زخم کے لئے کوئی مرہم نہ ہوگا! اے نسل ابراہیمی کے امیدگاہ تو ہمیشہ کے لئے ہمیں نہ بھول اور پھر اپنی طرف لوٹا لے۔ ہم تجھ سے ہمیشہ بھاگے ہیں مگر اب ہم تیری طرف لوٹ آئیں گے۔ کیونکہ ہمیں کہیں پناہ نہ ملی۔

تو ہمیں نیکی اور صداقت کے لئے چن لے، اور اپنی ہدایت و عدالت کی تبلیغ کا بوجھ پھر ہماری گردنوں پر ڈال، دنیا آج انتہائی ترقی کے بعد بھی امن و عدالت کے لئے ویسی ہی تشنہ ہے، جیسی ظہور صداقت کبریٰ کے اولیں عہد جہالت میں تھی۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا
لنکونن من الخاسرین! (۷ - ۳۹)

ثوب الکفار ما کانوا یفعلون (۸۳ - ۳۶) رہے ہیں - ہاں! اب وہ وقت آ گیا کہ کفار نے اپنے اعمال کا بدلہ پا یا -

ماتمِ انسانیت

انسان کی سوئی ہوئی سبعیت و بہیمیت پھر جاگ اٹھی ہے - وہ اشرف المخلوقات کہ صورت سے آدمی مگر خواہشوں میں بھیڑیا، محل سراؤں میں متمدن انسان، مگر میدانوں میں جنگلی درندہ، اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات، مگر اپنی دنیا بھی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے - اب اپنی خوں ریزی کی انتہائی شکل اور اپنی مردم خوری کے سب سے زیادہ بہتر وقت میں آ گیا ہے - وہ کل تک اپنے کتابوں کے گھروں اور علم و تہذیب کے دار العلوموں میں انسان تھا - پر آج چیتے کی کھال اس کے چہرے کی نرمی سے زیادہ حسین، اور بھیڑیئے کے پنجے اس کے دہان تبسم سے زیادہ نیک ہیں - درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن و راحت مل گئی - مگر اب انسان کی بستیاں اور اولادِ آدم کی آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے نقش سے خالی ہو گئی ہیں کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا - اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہو جائے تو جس طرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا - ویسا ہی اس سے بڑھکر اور کوئی برا بھی نہیں ہو سکتا -

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ثم رددنٰہ اسفل سافلین الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فلھم

ہم نے انسان کو ایک طرف تو بہترین قوتوں کی ترکیب صالح اور بہترین جبلت کی ساخت میں پیدا کیا، لیکن پھر دوسری طرف بھی خواہشوں اور شہوتوں کے

اس کے فرزندوں نے اس پر تلوار اٹھائی اور اس لئے کہ اس کے دوستوں نے اسے کچل دیا۔ پس زندگی کی جگہ موت، عیش و سلامتی کی جگہ اضطراب، نغمۂ نشاط کی جگہ شور ماتم، زمزمہ سنجی کی جگہ نوحہ خوانی، آب زندگی کی جگہ بحر خونیں، بستیوں کی جگہ قبریں، اور زندگی کے کاروبار اور بازاروں کی چہل پہل کی جگہ موت کے وہ جنگل جن میں لاشیں سڑیں گی اور ہولناک سمندروں کے وہ خونیں طوفان جن میں انسان کی لاشیں مچھلیوں کی طرح اچھلیں گی۔ اور اے دنیا کے بڑے بڑے مغرور شہروں کے بسنے والو! کل تک تمہاری ماؤں نے تمہیں جنا تھا تا زندگی پر گھمنڈ اور طاقت پر مغرور ہو پر آج تم موت کے کھلونے ہو جنھیں بگاڑ دیا جائے گا اور ہلاکت کی مورتیں ہو جنہیں مٹا دیا جائے گا۔ اور اے وہ کہ تمدن کی بہشت علم کے مرغزار اور عیش و نشاط زندگی کا حیرت آباد و اعجوبہ زار تھے! تم کل تک دوسروں کی موت و ہلاکت کی خبریں سنتے تھے، پر آج تمہاری ہلاکت کی خبریں پڑھی جائیں گی۔ کل تک تمہارے پاس کرۂ ارضی کی مصیبتوں کا قلم تھا۔ پر آج تمہاری مصیبتوں کی تاریخیں مدون ہوں گی۔ تم کل تک دوسروں پر ظلم و قہر کرتے تھے، پر آج تم پر ظلم کیا جائیگا تم کل تک دوسروں کے لئے آگ سلگاتے تھے، پر آج تمہارے لئے جہنم بھڑک رہی ہے۔ تم کل تک ضعیفوں اور ناتوانوں کے لئے درندے تھے پر آج درندوں میں خود جنگ چھڑ گئی اور بھیڑیوں نے آپس میں ایک دوسرے پر پنجہ مارا۔ تم کل تک دنیا کے لئے موت کی بجلی اور ہلاکت کی ہولی تھے۔ پر آج کوئی نہیں جو تمہیں ہلاکت کی بارش اور بربادی کے رعد و برق سے بچا سکے۔ کل مشرق کی بربادیوں کا تم نے تماشہ دیکھا تھا۔ آج وہ تمہاری ہلاکت کو دیکھ رہا ہے۔

فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون علی الارائک ینظرون هل	پس آج کا دن وہ دن ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر ہنستے ہیں۔ اور امن و راحت سے بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ

فوز و فلاح ہے جس کا دوسرا نام "اسلام" ہے یعنی جنگ کی جگہ صلح، خون و ہلاکت کی جگہ عمران و حیات اور بربادی و خرابی کی جگہ سلامتی و امن ہے، وہ بتلاتا ہے کہ اگر انسان اپنی قوت ملکوتی اور فطرت صالحہ سے کام نہ لے تو وہ بڑے ہی گھاٹے میں ہے۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر (۱۰۳-۳)

زمانہ اور اس کے حوادث گواہی دیتے ہیں کہ انسان بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں ہے۔ مگر وہ لوگ کہ اللہ پر ایمان لائے اعمال صالحہ اختیار کئے اور حق کو صبر کی باہم گرو صیت کی۔

پھر اس سے بڑھ کر خسران و نقصان کیا ہوگا جس میں آج دنیا مبتلا ہے؟ وہ دنیا جس نے قوتوں کی تعقل کی جس نے فطرت کے قوانین مستورہ کو بے نقاب کیا جس عقل و ادراک کے خزانے کھول دیئے جس نے ارتقائے فکر و علوم مدرکہ سے دنیا کو علم کا گہوارہ دریافتوں اور تحقیقوں کی مملکت بنا دیا۔ جو علم و مدنیت کے انتہائے عروج سے متوالی ہوگئی۔ جو قوتوں کے حصول کے نشے سے بدمست ہوکر متمردانہ جھومنے لگی جس نے کہا کہ انسان کے سوا کچھ نہیں۔ اور جس نے اعلان کیا کہ مادہ کے اوپر کوئی نہیں۔ کیا آج اس کا یہ علم اعلیٰ۔ یہ مدنیت عظمیٰ۔ یہ ایجادوں کا ڈھیر، یہ مخترعات کا انبار، یہ بے شمار کتابوں کی جلدیں اور یہ لاتعداد لاتحصیٰ دماغوں کے افکار عالیہ و مدنیہ، ایک لمحہ، ایک دقیقہ کے لئے بھی اس ہولناک بربادی۔ اس خوفناک تصادم، اس وحشت انگیز خونخواری اس خون کا سمندر بہانے والی اور لاشوں کے جنگلوں کو بھر دینے والی جنگ کو روک سکتے ہیں اور نوع انسانی کو عالمگیر نقصان و ہلاکت سے بچا سکتے ہیں۔ کیا قانون کشش ثقل جس پر مدعیٔ عالم کو ناز ہے۔ اس سے بچائے گا؟ کیا قوت برقی کا کشف اسے روک دے گا؟ کیا بھاپ اور اسٹیم کی ایجاد

اجرٍ غیر ممنون (۹۵-۶)

لحاظ سے نہایت ہی ادنیٰ ذریعہ کی مخلوق تک بھی لوٹا لائے۔ ہاں وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ و عادلہ اختیار کئے سوان کے لئے انتہا اجر ہے۔ کیونکہ وہ ان متضاد قوتوں کی کشاکش سے بچ نکلیں گے۔

شیر خونخوار ہے مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے مگر دوسروں کے لئے چیتا درندہ ہے مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لئے۔ لیکن انسان، دنیا کا اعلیٰ ترین مخلوق، خود اپنے ہی ہم جنسوں کا خون بہاتا اور اپنے ابنائے نوع کے لئے درندہ و خونخوار ہے اور عنیٰ ذالک قول بعض شعراء هذا العصر

ولقد رأيت الاسد احسن خلقة
من جنس هذا الظالم المغرور
الناس تقتل كل يوم بعضها
والاسد تقتل غيرها اذ تعتدى

انسان ہی ہے جو فرشتوں سے بہتر ہے اگر اپنی قوتوں کو امن و سلامتی کا وسیلہ بنائے اور انسان ہی ہے جو سانپ کے زہر اور بھیڑیئے کے پنجے سے بھی زیادہ خونخوار ہے۔ اگر راہ امن و سلامتی کو چھوڑ کر بہیمیت اور خونخواری پر اتر آئے۔

انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا (۷۶-۳)

ہم نے انسان کو راہ عمل و ترقی دکھلا دی ہے۔ پھر یا تو ہماری ہدایت پر عمل کرنے والے ہیں یا انکار کرنے والے۔

الم نجعل له عينين و لسانا و شفتين، وهديناه النجدين؟ (۹۰-؟)

پھر کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے؟ بے شک دیئے اور خیر و شر کی دونوں راہیں اسے دکھلا دیں۔

یہی انسانیت اعلیٰ اور ملکوتیت عظمیٰ ہے جس کی تقدیم و تکمیل کے لئے دین الٰہی اور شریعت فطری کا ظہور ہوا۔ اور یہی پیغام امن رہنمائے صلح و صلاح، اور وسیلۂ

آبادیاں آگ اور دھویں کی ہونا کی کے اندر ویران ہو رہی ہیں :۔

یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران ۔ (۵۵۔ ع۔۲)

تم پر آگ کا دھواں اور اس کی لپٹ چھا جائے گی اور تمہارے پاس کوئی انسانی قوت ایسی نہیں کہ اس کے ذریعہ اس ہلاکت کو دفع کر سکو،

یہ دنیا کی مغرور و فتح مند طاقتوں کی ٹکر ہے۔ اور اتنی بڑی انسانی درندوں کی لڑائی جتنے بڑے خونخوار اسباع و بہائم آج تک کرۂ ارضی پر پیدا نہیں ہوئے دنیا نے ٹیٹس کے قصے سنے ہیں جس نے یروشلم کو تباہ کر دیا۔ دنیا نے بخت نصر کو دیکھا ہے جو بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ دنیا میں ایرانیوں کے قہر و استیلا کے افسانے سنے گئے ہیں، جنہوں نے بابل کو مسمار کر دیا تھا۔ اور رومیوں کے عہد تسلط و عروج کے ایسے بہت سے فاتح خوں ریزوں کی روایتیں محفوظ رکھی گئی ہیں۔ جنہوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوقوں کو بہت ستایا اور اسکی زمین پر بہت فساد کیا :۔

وکذالک جعلنا فی کل قریۃ اکبر مجرمیہا لیمکروا فیہا (۶۔ ع ۱۰۔)

اور اسی طرح ہم نے ہر آبادی میں اس کے بڑے بڑے سرکش گنہ گار پیدا کئے تاکہ وہ فتنہ و فساد پھیلائیں،

لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں، آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بھٹ بنائے اور اژدہوں نے پھنکاریں ماریں۔ مگر انہ تو ایسی درندگی آج تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدہا پیدا ہوا جیسے کہ ان کے لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے، نگلنے، اور چیرنے پھاڑنے کے لئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں۔ پھر اس اژدہے کو دیکھو جو جنوب سے

کچھ سفارش کر سکے گی اور انسان کو غمگینی سے بچا لے گی؟

آہ! یہ ایجادات محیرہ، یہ مخترعات مدہشہ، یہ محدثات منورہ، جن پر مدنیت کو ناز اور علم انسانی کو غرہ ہے، امن و سلامتی کی جگہ خود ہی ہلاکت اور بربادی کا وسیلہ اور خون اور آگ کی افزائش و تضاعف کا ذریعہ ہیں۔ اگر پہلے دنیا کے لئے صرف کمان و تیر اور تلوار کی دھار تھی تو آج تمدن کی بدولت ایک ایک سکنڈ میں کئی کئی مرتبہ چھوٹنے والے ہلاکت بار گولے اور گھنٹوں اور منٹوں کے اندر شہروں اور قلعوں کو مسمار کر دینے والے آہن پوش جہاز ہیں۔ پھر اے علم و مدنیت کے شیطان کیا تو اس لئے آیا تھا کہ خدا کی آبادی کی ویرانی کو دوگنا اور اس کی ہلاکت کے آلات کو زیادہ مہلک و لا علاج بنا دے؟ اور اے انسان کی غفلت اور اے اولاد آدم کی نادانی! تو خدا سے کب تک لڑے گی، اور کب تک اس کی زمین کے امن و راحت کو روکے گی؟ حالانکہ تمدن اور علم تجھے قوی بنا سکتا ہے پر نیک نہیں بنا سکتا۔

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا، لا تنفذون الا بسلطان (۵۵-۳۳)

اے مجمع جن وانس! اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین و آسمان کے مدارات و ملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کر کے آگے کو نکل جاؤ، تو ترقی کی اس انتہا کے لئے بھی کوشش کر دیکھو، مگر بغیر سلطان الٰہی کے کچھ نہ کر سکو گے اور یاد رکھو کہ قوت تمہارے بس میں نہیں ہے۔

رستخیز تصادم

اور دیکھو یہ کیسی آگ ہے جو بھڑک اٹھی ہے اور کس طرح تمدن کی حسین و جمیل

نشانیوں کو یاد لاتی ہوتی غفلت کی دنیا اور غرور انسانی کی بستی پر بجلی کی طرح چمکتی ہے۔ اور رب الافواج کہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ کے جلال صولت اور جبروت انتقام کو نمایاں کروں گا۔ یہ اس کے آواز کی ایسی گرج اور اس کے دست جلال کا ایسا معذب وار ہے جو ہزاروں برسوں کے عصیان و تمرد کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اس بجلی کے مانند جو سرسبز کھیتوں پر گرتی ہے اور اس طوفان کی طرح جو یکایک زمین پر چڑھتا، اپنا کام پورا کر دیتا ہے یہ اسکا قانون ہے جو ہمیشہ سے ہے اور کبھی اسمیں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی قانون انتقام و تبدل نے آبادیاں بدلیں، بستیاں اجاڑیں، عمارتیں منہدم کیں، قوموں کو ہلاک، مملکتوں کو ویران اور بسے بسائے شہروں کو نابود اور نئی آبادیوں سے اپنی زمین کو معمور کر دیا۔

وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا و رسلہ فحاسبنٰھا حسابا شدیدا و عذبنٰھا عذابا نکرا (۶۵-۱۰)

اور کتنی ہی آبادیاں تھیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اسکے رسولوں کے احکام سے سرتابی کی اور عصیان و طغیان پر اتر آئے۔ تب ہم نے بڑی ہی سختی کے ساتھ ان کے کاموں کا حساب لیا اور بڑے ہی سخت عذاب میں گرفتار کیا۔

اور وہی قانون ہے جس کے اندر سے خدا کا دست قہار پھر چمکا ہے اور وہ اپنی زمین کے موجودہ مالکوں سے ان کے کاموں کا حساب لینا چاہتا ہے جیسا کہ پچھلوں سے لیا گیا۔

الم نھلک الاولین۔ ثم نتبعھم الاٰخرین۔ کذلک نفعل بالمجرمین ویل یومئذ للمکذبین!

(۷۷ - ۸)

کیا ہم نے طغیان و عصیان کی پاداش میں اگلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟ بس اسی طرح ہم پچھلی قوموں کو بھی ان کی مانند عذاب میں مبتلا کریں گے یہ ہمارا قانون ہے کہ اپنے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

منہ کھولے بڑھ رہا ہے۔ اس ہاتھی کو دیکھو جس کی مستک غرور طاقت سے جھوم رہی ہے۔

سنسمہ علی الخرطوم — اور جس کے دانت ہلاکت کے دو نیزوں کی طرح نکلے ہوئے ہیں۔ اس بھیڑیئے کو دیکھو جو مشرق یورپ کے بھٹ سے چیختا ہوا اٹھا ہے۔ اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سرزمین میں خون اور گوشت کے لئے پلا ہے۔ یہ کیسے ہیبت ہیں؟ یہ کیسے خوفناک آلات سے مسلح ہیں؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا۔ کرۂ ارضی کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا؟ ایسا بھونچال جو کبھی نہیں اٹھا ایسی آتش فشانی جو کبھی بھی نہ ہوئی۔ اور خداوند کا ایسا غصہ جو اب تک کبھی بھی زمین پر نہ ہوا!۔

یوم ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ قلوب یومئذ واجفۃ ۔ ابصارھا خاشعۃ ۔ یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ءاذا کنا عظاما نخرۃ؟ (۷۹ - ۱)

وہ ہولناک دن کہ جب زمین کانپ اٹھے گی۔ جب ایک بھونچال کے بعد دوسرا بھونچال آنے گا۔ جب انسانوں کے دل سینوں میں دھڑک اٹھیں گے اور جب اٹھی ہوئی نظریں جھک جائیں گی۔ اور وہ کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں اس قدر ترقی کرکے اور آگے بڑھ کے پھر وحشت و خرابی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں جب گل سڑ کر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گی؟ (یقین کرو کہ ایسا ہونے والا ہے)

الآیۃ الکبریٰ

اور دیکھو قدرت الٰہی کی یہ کیسی ہولناک نشانی ہے جو اباب الالھیہ کی گذشتہ

عاقبۃ امرھا خسرا
(۶۵ - ۲۶)

اور وہ گو طاقت اور عظمت میں بہت بڑھ چکے تھے لیکن انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہوا

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

یورپ کا تمدن، اس کی طاقت، اس کا جنگی اقتدار، اس کے عجیب عجیب اسلحہ اور برباد کن ہولناکیاں، اس کے مہیب جہاز اور کئی کروڑ تک پہنچ جانے والی متحدہ فوج، ایسی قاہر و جابر تھی کہ ان کی تنبیہ کیلئے خود انہی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا، انہوں نے اپنے سوا ہر قوت کو پامال کیا، اور اپنے سوا اور کچھ رہنے نہ دیا۔ پس کون تھا جو ان کے مقابلہ کو نکلا اور دنیا میں کس کا ہاتھ اتنا قوی تھا کہ جو ان کے آہنی پنجوں پر پڑتا؟ وہ کہ سب سے بڑے ہو گئے تھے، ان کے لئے وہ لوگ کیا کام دے سکتے تھے جو آج سب سے چھوٹے ہو گئے ہیں؟ انکے جہازوں کے مقابلہ کے لئے ان کے جہازوں سے بڑھ کر جہاز چاہیے تھے۔ مگر وہ کہاں بنتے؟ ان کی توپوں کے لئے ان کی توپوں سے زیادہ ہلاکت بار توپیں درکار تھیں۔ مگر وہ کہاں ڈھلتیں؟

پس جب زمین پر ان سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا جس کے اندر سے خدا کا ہاتھ ظاہر ہوتا تو دیکھو کہ حکمت الٰہی نے کس طرح خود انہی کو ان پر مسلط کر دیا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی باہمی جنگ و قتال میں مبتلا ہو گئے۔ اب ان کا ہولناک تمدن جس کو ایک ہزار سال کے اندر انہوں نے تیار کیا تھا۔ انہی کی تخریب میں کام آیا اور ان ہر ترقی اور ہر برائی خود انہی کے لئے وسیلہ تعذیب ہو گئی۔ اگر ان کی توپوں سے بڑھ کر دوسروں کے پاس توپیں نہ تھیں۔ تو انہیں کی توپوں کے گولے ان کے

پس اس دن اللہ کی سچائی کے جھٹلانے والوں پر افسوس!

متمدن قوموں کا غرور انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے، طاقتوں اور عجیب عجیب ترقیوں نے انہیں متوالا کر دیا ہے۔ ان کو حسب سنتِ الٰہیہ زمین کی حفاظت کا منصب دیا گیا لیکن انھوں نے قوت پا کر جنگ و فساد کی راہ اختیار کی اور طغیان و عصیان سے ارضِ الٰہی کو بھر دیا۔ حتی انت الارض من جور الظالمین واستغاثت السماء من طغیان الکافرین۔ وسمع رب العزۃ انین مین دیکاء الباکین۔ واوحی الیھم ربھم لنھلکن الظالمین

پس غرور تھا کہ غرور طغیان کے لئے کوئی حد ہوتی۔ عجیب نہیں کہ مہلت ختم ہو گئی ہو اور کچھ اچنبھا نہیں کہ اگر ارضِ الٰہی کے امن کے لئے، بندگانِ خدا کی راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھ کی نیند سلانے کے لئے ان کا خون انہی کے ہاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ہاتھوں بہایا، اور اس طرح عدالتِ الٰہی ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں

نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین (۲۸-۲۶)	ہم نے ارادہ کیا کہ جو لوگ کمزور و ضعیف کئے گئے ان پر احسان کریں۔ انہی کو سرداری اور برتری بخشیں اور انہی ناتوانوں کو طاقتور انسانوں کا وارث بنائیں۔

یہ دنیا کا غرور، طاقت بے جواب رنگ لایا ہے۔ یہ قوت اور سیادتِ ارضی کی وہ عذاب ہے جو اس نے بڑی ہی حرص و طمع سے کھائی، پر ہضم نہ ہو سکی۔ اور اب اسی فساد اس کی تندرستی کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے۔

فذاقت وبال امرھا وکان	بالآخر انکے اعمال کا جواب انکے آگے آیا۔

اگلوں سے کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا (۵ - ۳۹) تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنے پڑوسی کو پیار کرو اور اپنے دشمن سے عداوت رکھو، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو۔"

پس یہ ہے اس مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ہے، اور یہ وہ پاک امانت جو شہزادہ امن نے اپنی نسل کو دی، تاکہ وہ آسمانی باپ کے بیٹے کہلائیں، ان کی تربیت کا، حلم کا، تحمل کا، صلح و امنیت کا پیغام دیا گیا تھا کہ اور کہا گیا تھا کہ یہودیوں کو خون کرنے سے روکا گیا مگر ایک مسیحی اپنے بھائی پر غصہ بھی نہیں کرے گا وہ شریر کے مقابلہ سے بچے گا اور دشمن تک کو پیار کرے گا مگر آج سچ " دنیا میں نہیں ہے جو دیکھے کہ خداوند کے بیٹے کہلانے والے کس طرح خداوند کی زمین کی سب بڑی خون ریزی کے لئے اٹھے ہیں اور خون بہانے کے ایسے ہتھیار ان کے کاندھوں پر ہیں۔ جو زمین نے آج تک نہ دیکھے تھے۔"

آہ، آج ان کا یہ حال ہو گیا ہے۔ جس کی زبور میں خبر دی گئی جس کے لئے یشعیاہ نبی نے نبوت کی جس پر برمیاہ نبی نے نوحہ پڑھا جس پر حزقی ویل نے ماتم کیا۔ اور جس کے لئے ملاکی نبی نے آخری آنسو بہائے۔ یہ سب کچھ۔ یہودیوں کے لئے اس سے زیادہ نہ تھا، جتنا آج خود ان کے لئے ہو سکتا ہے جو یہودیوں کو اس حالت سے چھوڑانے آئے تھے،

کوئی راستباز نہیں۔ ایک بھی نہیں، کوئی خدا کا طالب نہیں، ایک بھی نہیں سب گمراہ ہیں۔ سب بیکار ہو گئے۔ کوئی بھلائی کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں ۔"

مقابلہ کے لیے سمندر میں تیرنے لگے۔ ہر پتھر جو انہوں نے اٹھایا خود انہی کے لیے اڑا۔ اور ہر آلہ جو انہوں نے تیار کیا وہ انہیں کے لیے متحرک ہوا انھوں نے بڑے سامان کیا تھا۔ مگر خدا کا سامان سب سے بڑا ہے۔

انهم یکیدون کیدا و اکید کیدا فمهل الکافرین امهلهم رویدا (۸۶ -)

یہ لوگ اپنا داؤں کر رہے تھے اور ہم اپنا داؤ کھیل رہے ہیں پس منکروں کو مہلت لینے دو۔ زیادہ نہیں تھوڑی سی ہے

یہ کون ہیں

یہ کون ہیں جو آپس میں خون اور ہلاکت کرنے کے لئے دوڑتے ہیں؟ یہ وہ ہیں جنھیں وہ اس کے شہزادہ نے ان کے اولین ظہور کے وقت وعظ سنایا تھا۔ جبکہ وہ گلیل اور یہود یہ اور یروشلم پہاڑ کی بھیڑ کو دیکھ کر کوہ زیتون پر چڑھ گیا۔ اور اس نے اپنے شاگردوں کے لئے تعلیم دی۔

”مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔ مبارک ہیں وہ جو دل کے حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کو وارثیں پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے“ (متی ۵۔ ۲۱)

پس یہ غریب ہیں حلیم ہیں، رحمدل ہیں، زمین پر صلح اور امن کرانے کے لئے، خداوند کے بیٹے ہیں کیونکہ انھیں کہا گیا تھا،

تم سن چکے ہو کہ اگلے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ خون نہ کرنا پر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا۔ وہ سزا کے لائق ہوگا۔ (متی ۔ ۲۱) تم سن چکے ہو کہ

واتل عليهم نبأ ابني آدم
بالحق إذ قربا قربانا فتقبل
من أحدهما ولم يتقبل من الآخر
قال لأقتلنك قال إنما يتقبل
الله من المتقين لئن بسطت
إلي يدك لتقتلني ما أنا بباسط
يدي إليك لأقتلك إني أخاف الله
رب العالمين إني أريد أن تبوء
بإثمي وإثمك فتكون من أصحاب
النار وذلك جزاء الظالمين
فطوعت له نفسه قتل أخيه
فقتله فأصبح من الخاسرين
(۵ - ۳۳)

اے پیغمبر! ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا
سچا قصہ سنا دے جب دونوں نے خدا کے حضور
اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں تو ایک کی قبول
ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ جس کی
قبول نہ ہوئی اس نے اپنے بھائی سے کہا
کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ بھائی نے کہا خدا
نیکوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اور تم اگر
میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہو تو بڑھاؤ
لیکن میں تو نہیں بڑھاتا۔ میں اپنے خدا
سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرا
اور اپنا دونوں کا گناہ تم ہی اٹھاؤ۔ اور
دوزخ کے سزاوار بنو کہ ظالموں کی
یہی پہچان ہے۔ پہلا بھائی اپنے
نفس کا مطیع بن کر اپنے بھائی کا قاتل ہوا۔ اور مبتلائے خسران ہوا!

یہ پہلی خونریزی تھی جو دنیا میں ہوئی اور خون بے گناہی کا پہلا قطرہ تھا جو زمین پر
گرا۔ دنیا میں جب کبھی اس کی مثال ظاہر ہوگی، تو آدم کا قاتل فرزند ہی اسکا ذمہ دار ہوگا۔
کیونکہ اس شرارت کا تخم اس زمین میں سب سے پہلے اسی نے بویا

لا تقتل نفسا الا كان لابن
آدم الاول كفل منها (بخاری)

دنیا میں جب کوئی مظلوم قتل کیا جاتا ہے تو
آدم کے فرزند کو بھی اس میں حصہ ملتا ہے،

نیکی اور بدی کا بیج

اسی طرح ہر نیکی کا مبتدع اور فاعل اولیٰ، جب تک وہ نیکی دنیا میں باقی ہے اسکے ثواب عمل
سے بہرہ ور ہوگا۔ کیونکہ سب سے پہلے اسی نے دنیا کو یہ نیکی سکھائی ہے۔ یہ مطلب ہے اس مشہور حدیث کا

قتل نفس

حقوق و فرائض عباد میں سے سب سے اوّل و افضل فرض یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کی زندگی کی حرمت اور اس کی جان کی عزت کرے جب تک حرمت زندگی و عزت جان نہیں، اس وقت تک دنیا میں راحت و اطمینان بھی نہیں۔

قابیل و ہابیل :-

کتب آسمانیہ نے بتایا ہے کہ اس بدترین فعل شیطانی کا مبتدع اول وہ گنہگار انسان (قابیل) تھا جس کے سوءِ نیت اور خباثت قلب کو دیکھ کر خدا نے قربان گاہ میں اس کی قربانی قبول نہ کی، لیکن اس کے بھائی (ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی کہ وہ نیت کا خالص اور دل کا نیک تھا، یہیں سے قربانی کی حقیقت بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ وہ نیت جانور کی گردن سے خون گرانے کا نام نہیں، بلکہ نیکی اور پاکی کے چند قطرات خونین سے عبارت ہے، جو خدا کے نام پر دل سے کہ مستقر خیالات ہے، ٹپکیں۔

لن ینال اللہ لحومھا و لا دماؤھا و لکن ینالہ التقوی منکم (۲۲-۳۷) خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ وہ تمہاری نیکی ہی خدا تک پہنچتی ہے،

(قابیل) نے دیکھا کہ خدا نے اس کے بھائی (ہابیل) کی قربانی قبول کی عزت بخشی لیکن اس کی قربانی کو عزت نہ دی، وہ رنجیدہ ہوا اور اپنے بھائی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کیا۔ (توراۃ۔ پیدائش ۴۔ ۴)

قرآن مجید نے اسی قصہ کو ان الفاظ میں دہرایا ہے :-

وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا (۱۷ - ۳۵)

نہ کر وہ جو مظلوم ہو کر مارا جاتے، اسکے وارث کو ہم نے قصاص اور بدلے کا اختیار دیا، مگر وہ اس انتقام میں تعدی اور زیادتی کسی طرح نہ کرے

اس طرح یقیناً وہ مظفر و منصور ہوگا،

یہ حکم امن عالم اور حفظ انسانیت سے متعلق ہے اسی لئے جب کبھی دور وعظ میں امن عالم کا محافظ ربانی اور حفظ انسانیت کا ناظر روحانی دنیا میں آیا تو اسے حکم کا اعادہ کیا،

تم نے اس فرمان کو سنا ہے، جو امن عالم کے ایک "محافظ اکبر" نے مقدس جماعت انسانی کے روبرو اور "بیت خلیل" کے سامنے دنیا کو سنایا تھا،؟

الا ان دماءکم واموالکم محرمة علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا۔ فی شهرکم هذا!

آگاہ ہو کہ تمہارا خون، تمہارا مال ایکدوسرے کے لئے محترم ہے، جس طرح روز حج اس شہر مکہ میں اس ماہ ذوالحجہ میں محترم ہے۔

اسی طرح وہ جو "کوہ طور" سے آیا اور اس نے کبھی جو "کوہ زیتون" پر نمودار ہوا یہی کہا تھا کہ "تو خون مت کر"

حفظ نفس کے لئے قتل نفس!

لیکن جس طرح قیام امن و احترام روح انسانیت کے لئے سفک دم و قتل نفس ممنوع ہے، اسی طرح کبھی کبھی انھیں عزیز ترین متاع کی حفاظت و عزت کیلئے سفک دم و قتل نفس ضروری بھی ہو جاتا ہے، ایک جماعت انسانی کا مجرم، ایک نفس زکیہ کا قاتل، ایک حکومت صالح کا باغی، اور ایک برہم زن عالم کا قتل، عین عدل و نفس انصاف ہے تاکہ دنیا کی صلاح و سلام واپس آئے، اور انسانیت روح کی عزت و احترام باقی رہے۔

من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها (ص ح) — جو کوئی نیک طریقہ جاری کریگا اسکو بھی اس نیکی کرنے والے کیطرح ہمیشہ ثواب ملے گا۔

پس جو وجود دنیا میں کوئی بدی لایا، وہ دنیا کا دشمن ہے کہ وہ بدی ہر ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے اور جو دنیا کو کوئی نیکی سکھاتا ہے، وہ تمام دنیا کا محسن ہے، کیونکہ اس سے دنیا کی ہر زندگی متمتع ہوئی۔ اسی لئے خدائے پاک نے آدم کے ان دونوں بیٹوں کے قصے کے بعد فرمایا:۔

من اجل ذالك كتبنا على بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا و من احياها فكانما احيا الناس جميعا (۵ - ۳۵)

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو کہدیا کہ جو کسی کو بغیر اسکے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں اس نے کوئی فتنہ برپا کیا ہو قتل کرتا ہے وہ گویا تمام بنی نوع انسان کو قتل کرتا ہے اور جو کسی کو اپنی مہربانی سے زندہ کرتا ہے وہ گویا تمام بنی نوع انسان کو زندہ کرتا ہے۔

حفظ نفس:۔

اس معجزانہ، پر اثر اور مخفی طرز ادا کے علاوہ خدا نے کئی بار اعلاناً خون ریزی سے منع فرمایا۔ سورۂ انعام میں ہے:۔

ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ذلكم وصاكم به لعلكم تعقلون ○ (۶ - ۱۹)

جان جس کا قتل خدا نے حرام کیا، حق کے سوا کسی اور سبب سے اس کو ہلاک نہ کرو، خدا تمہارے سمجھنے کے لئے تم کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ اور پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے:۔

ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق - و من

جان جس کا قتل خدا نے حرام کیا حق کے سوا کسی اور سبب سے اسکو ہلاک

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین (۲-)

جو تم پر تعدی کرے تم بھی اسی طرح اور اسی قدر اس پر تعدی کرو، خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ خدا اپنے سے ڈرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

پھر اس نے موسیٰ کے قانون کا اعادہ کیا :-

وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (۵-۴۹)

ہم نے توریت میں لکھ دیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے زخم ہے،

وہ ادھوری باتوں کو جیسا کہ مسیح نے کہا تھا، پورا کرنے کیلئے آیا تھا۔ وہ آیا اور انکو پورا کیا۔ اس نے کہا کہ "تم دشمنوں سے درگذر کرو اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دور کرو" اس نے صرف یہی نہیں کہا، کہ دشمنوں کے شدائد کے ساتھ تحمل کرو بلکہ یہ بھی کہا کہ احسان کرو، برائی کو انگیز کرو اور اس کی جزا نیکی کے ساتھ دو کہ یہ حصول امن کا ذریعہ اور کسب صلح وسلام کی تدبیر ہے :-

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم (۴۱-۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں نیکی سے بدی کو دور کرو کہ اس سلوک سے وہ جس کو تم سے عداوت ہے تمہارا دوست ہو جائے گا یہ وہ طریقۂ اخلاق ہے جس پر صرف صابر اور خوش قسمت انسان ہی عمل کرتے ہیں۔

قانون حفظ و قتل

لیکن یہ عفو و حلم، یہ صفح و درگذر، یہ تحمل و انگیز کرنا، اسوقت تک جب تک کہ اس شر و معصیت کا الزام اثر شخص واحد تک محدود ہو اور صرف ایک ذات خاص ہی کے،

عفو و انتقام

اسلام سے پہلے دنیا نے صرف دو اصولوں پر کام کیا ہے، عفو اور انتقام ہم نے موسیٰ کی شریعت میں جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پڑھا ہے، لیکن یہ نہیں پڑھا ہے کہ "اے اسرائیل! برے بندوں کو معاف کر دے،"

ہم نے مسیح کو سنا کہ اس نے گلیل کی سرزمین میں ایک پہاڑ کے نیچے کہا۔
"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی گال بھی اس کی طرف پھیر دے، جو تیرا کرتا لے اس کو چوغا بھی لینے دے۔ جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔[1]"

ہم نے یہ سنا لیکن یہ تو نہیں سنا کہ اس نے کہا ہو شریروں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی سزا دو کہ آسمان کی بادشاہت کی طرح زمین کی بادشاہت میں بھی امن و سلامتی ہو۔"

لیکن ہم نے مسیح کے بعد بطحا کی سرزمین میں جبل حرا کے دامن میں ایک اور بولنے والے کا کلام سنا، جس نے گلیل کے اندر منادی کی طرح پہلے کہا،

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ (۲۳)	برائی کا معاوضہ ہمیشہ نیکی سے دو،
ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئك	آنیوالے گھر کا انجام انکے لئے ہے جو
لھم عقبی الدار (۱۳-۲۲)	برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں،

لیکن ساتھ ہی اس نے سلطان عدل کے جلال ہیبت عالم کے احترام نظام مدنیت کے قوام، اور قانون و عدالت کی ہیبت کے ساتھ کہا، جیسا کہ موسیٰ نے بادل کی گرج، بجلی کی چمک اور قربانی آوازیں سنا تھا،

---

[1] تورات۔ سفر خروج۔ ۲۱-۲۵۔ اور متی ۵۔ ۳۸۔ ۴۰۔ ترجمہ

بچا یا تو اس نے گویا تمام دنیا کو زندگی بخشی۔

یہ وہ موقع ہے جہاں اسلام نے موسیٰ کی اس شریعت کا حکم دیا ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔

قرآن مجید نے ان دونوں مواقع کی تفریق و تمیز سے تورات و انجیل کی شریعت عفو و انتقام کی جو ناقص تھی تکمیل کی، اور اس طرح وہ پورا ہوا جو مسیح نے کہا تھا کہ "میرے بعد آنے والا میری ادھوری باتوں کو پورا کر دے گا"

اخلاق اور قانون

مسئلہ عفو و انتقام کی نسبت ایک اور نکتہ بھی قابل لحاظ ہے۔

دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ اخلاق اور قانون۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے اور قانون کا تعلق حکومت اور مجتمع انسانی سے ہے۔ عفو و درگذر اور صفح و مغفرت ایک انسان کا بہترین وصف ہے، لیکن اگر اس سے تجاوز کر کے وہ حکومت اور ہیئت انسانی تک پہنچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آگیا۔ جہاں مغفرت گناہ عظیم، اور صفح و عفو جریمہ کبیرہ ہے یہ جرأت آموز جرائم ہوتا ہے اور برہم زن امن انسانی،

اسی لئے اس ارحم الرحمین نے فرمایا کہ جہاں اپنے معجزانہ انداز کلام میں فرمایا کہ

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب (۲-۱۷۹)	اے دانشمندو! نوع انسانی کی بقا و حفاظت قصاص اور بدلے ہی میں ہے

گذشتہ آیت کو پھر پڑھو۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا	جس نے کسی کو قتل بغیر اسکے کہ وہ مرتکب قتل ہوا ہو یا اس نے زمین میں فساد برپا کیا ہو قتل کر دیا، تو اسنے گویا تمام دنیا کو قتل کیا اور جس نے ایک کو زندہ

منافع خصوصیہ میں محصور ہو کر یہ جرم ایک شخص واحد اور ذات خاص کا ہے، جس کے
معاملات و حوادث خصوصیہ کو ہیئت اجتماعیہ اور سوسائٹی سے تعلق نہیں۔

وہ پانی کا ایک بلبلہ ہے۔ جو ایک ٹھوکر سے پیدا ہوا اور مٹ گیا۔ اس جرم کو معاف
کر دکہ اشخاص کی ذاتی محبت و مودت اور شخصی لطف و رحم کو ترقی دو، اور دنیا امن و صلح
سے بھر جائے۔ یہی وہ موقع ہے جہاں مسیح کے حکم پر عمل کرنا عین اسلام کی تعلیم ہے،

لیکن دنیا میں ایسی بھی ندیاں ہیں جو گو ایک شخص خاص کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں،
لیکن وہ سمندر کی لہریں ہیں، جو ہوا کے جھونکوں سے پیدا ہوتی ہیں اور دور تک
پانی کی سطح کو متزلزل کر دیتی ہیں، وہ گو ایک ذات واحد کا گناہ ہے لیکن اپنی وسعت
اثر و قوت نفوذ کے لحاظ سے تمام مجتمع انسانی کا گناہ ہے۔ لیکن اپنی وسعت
اثر و قوت پھر جب وہ تمام مجتمع انسانی کا گناہ ہے تو ایک شخص خاص کو کیا حق ہے
کہ وہ اس گناہ کو معاف کرے، اور اگر کرتا ہے تو وہ خود تمام مجتمع انسانی
کا گناہ کر رہا ہے،

زید، خالد کے گھر میں سرقہ کا مرتکب ہوتا ہے، اب خالد کو کوئی حق نہیں کہ وہ زید کے گناہ
کو معاف کرے، اور اگر کرتا ہے تو گویا اسکو اعادۂ جرائم و معاصی کی تعلیم دیتا ہے

عمر، بکر کے قتل کا مرتکب ہوتا ہے، بکر کا باپ اب حق نہیں رکھتا کہ اسکے جرم کو
معاف کرے، اور اگر وہ معاف کرتا ہے تو اسکا عفو جرأت آموز جرائم قتل ہے اسلئے
اب عمر صرف بکر کے موالی و اعزہ ہی کا گناہ گار نہیں۔ بلکہ خود مجتمع انسانی کا، امن و
عدل عالم کا، اور حکومت کا گنہگار ہے۔ اسی نکتہ کی طرف کتاب حکیم نے منافع
قصاص پر بحث کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے:۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد
فی الارض فکانما قتل الناس
جمیعا ومن احیاها فکانما
احیا الناس جمیعا۔

جس نے کسی کو بغیر اس کے کہ وہ مرتکب
قتل ہوا ہو یا اس نے زمین میں فساد برپا
کیا ہو قتل کر دیا تو اس نے گویا تمام دنیا
کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک کو زندہ

دردناک عذاب ہے مگر چھیڑ کرنے اور دوسروں کی خطائیں بخشنے تو یہ بڑی ہی عالی حوصلگی کے کام ہیں،
اسلام اور شرائع سابقہ کا یہ فرق ایک نہایت اہم اور اصولی نکتہ دقیقہ ہے اور۔
افسوس کہ اس کی تشریح ضمناً ممکن نہیں، اور مصیبت یہ ہے کہ ایک موضوع پر لکھتے
ہوئے کتنے ہی ضمنی مطالب کی طرف اشارہ کرنا پڑتا ہے،

حاصل بحث:۔

ان تمام آیات میں بار بار اعادہ ہوا ہے کہ شریعت حقہ الٰہیہ نے خون ریزی
کو اکبر الجرائم، اور قتل نفس کو معصیت کبریٰ قرار دیا ہے۔ تاہم بقائے حفظ اسلام
عالم، و ہیئت انسانی، قیام عدل و نظام کیلئے دو صف کے لوگوں کا خون بہانا نہ
صرف جائز بلکہ ضروری و الزام بھی بتلایا ہے،

(۱) ایک وہ جس نے کسی معصوم انسان کا ناحق خون کیا۔ اس سے قصاص لیا
جائے گا کہ اس کے عمل بد سے دنیا محفوظ رہے اور اس اقدام خونیں متعدی نہ ہو۔

(۲) دوسرا وہ جو زمین کے امن و سلامتی کو برباد کرے اور قوموں کے سکون
و راحت کو غارت کرتا ہے۔ جو انسانوں کے خون کی عزت نہیں کرتا، جس کا وجود
دنیا کے لئے باعث مصائب و حوادث اور موجب بربادی صلح و سلام ہے اور جو انسانوں
کے قدرتی حقوق اور خدا کی بخشی ہوئی آزادی و خود مختاری کو غارت کرنا چاہتا ہے
وہ بھی قتل کیا جائے کہ فی الحقیقت اسکی موت دنیا کی زندگی ہے،

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب (۲-۱۷۹) — دانشمندو! قصاص و انتقام کے خون ہی میں تمہاری زندگی کا سرچشمہ ہے

اور اسلام کا یہ قانون کس کو معلوم نہیں؟

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (۴۲-۴۰) — اور بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے جیسی کہ کی گئی۔

یہی اصل الاصول دنیا کے مادی قوانین اور عدالت کو بھی قرار دینا پڑا ہے،

بچایا اسنے گویا تمام دنیا کو زندگی بخشی! (۵ - ۳۳)

اس موقع پر اگر قارئین کرام اس سلسلہ مقالات پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ جو الہلال جلد اول میں امر بامعروف کے عنوان سے شائع ہوا ہے تو مطالب زیادہ وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہوں،

اسلام دونوں کا جامع ہے:-

مسیح کی تعلیم صرف اخلاق ہے اور موسیٰ کی شریعت صرف قانون، لیکن وہ جس نے کہا "میں خانہ نبوت کی آخری اینٹ ہوں" ؎ وہ جس طرح معلم اخلاق تھا اسی طرح ایک مقنن قانون بھی تھا۔ اس نے کہا کہ۔

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین ومن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل - انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولئک لھم عذاب الیم - و صبر و غفر ان ذلک لمن عزم الامور (۴۲-۴۲)

خدا کے پاس کی وہ اجرت جو سراسر خیر اور دائمی ہے ان لوگوں کے لئے ہے جو اس سرکشی؛ بغاوت کا، جو ان کے ساتھ کی جائے، انتقام لیتے ہیں کہ بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے۔ البتہ جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے، وہ ظالموں کو پیار نہیں کرتا جو اپنی مظلومی کے بعد اپنے ظلم کا انتقام لے تو اس پر بھی کوئی الزام نہیں۔

الزام تو انہیں پر ہے جو خود لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے

؎ آنحضرت نے ایک تمثیل میں اپنے آپ کو تکمیل دین کیلئے تشریف لانے میں مکان کی آخری اینٹ سے تشبیہ دی ہے جس کے بعد مکان کی عمارت کامل ہو جاتی ہے۔

کی گلیوں میں جس اخلاق کی منادی کی گئی وہ دونوں نظام، قوالب کے دو علیحدہ عنصر ضرور تھے پر الگ الگ دنیا کے لئے بیکار تھے ایک یکسر قانون تھا، جو بقول یہود کی انشا پرداز پولوس کے "صرف سزا ہی دے سکتا تھا پر بچا نہیں سکتا تھا،"

(۱) دوسرا اخلاق محض تھا جو حسن و جمال میں تو دل فریب تھا، پر عمل و نظام کے لئے بالکل بے کار تھا، یہ دونوں عنصر الگ الگ دنیا کے دکھ کے لئے نہ صرف بیکار ہی تھے بلکہ اس کی بیماری کو اور زیادہ کرنیوالے تھے،

لیکن جب وہ دنیا سے گیا "جس کا جانا ہی بہتر تھا تاکہ آنے والے کو جلد بھیجنے کے لئے اپنے آسمانی باپ سے سفارش کرے،" (۲) اور خدا نے "طور" اور زیتون کے پہاڑوں کی جگہ "فاران" کی چوٹیوں سے اپنی ندا بلند کی، تو وہ آگیا جو موسیٰ کے قانون اور مسیح کے وعظ کو پورا کرنے والا تھا، اس نے ناقص کو کامل اور ادھورے کو پورا کیا۔ اور ان دونوں عنصروں کو جو الگ الگ تھے، تسویہ و اعتدال کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا کہ قانون کا عدل اور اخلاق کا رحم دونوں باہم مل گئے اور انسانیت و نظام انسانی کا ایک مرکب حق و صالح پیدا ہوگیا،

اس مرکب میں "جزاء سیئة سیئة مثلها ولمن صبر وغفر ان ذالک من عزم الامور" دونوں عنصر موجود ہیں،

یہی شریعت حقہ الٰہیہ ہے یہی ناموس طبیعی و سنتہ ربانی ہے۔ یہی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ہے اور اگر ایک لمحہ ایک دقیقہ کے لئے بھی اس کی حکومت دنیا سے اٹھ جائے اور صرف "تورات" کی قساوت یا صرف "انجیل" کی محبت دنیا پر مسلط ہو جائے تو دونوں حالتوں میں دنیا امن و امنیت کی جگہ، قتل و خون ریزی، نہب و سلب، وحشت و سبعیت اور جرائم و معاصی کا ایک شیطان کدہ بن جائے

اور سیاست اخلاق بھی اپنی تعلیم رحم و درگذر کو یہاں پہنچ کر یکسر بھلا دیتی ہے۔ وہی عدالت جو خون ریزی کو جرم بتلاتی ہے۔ جب خوں ریزی کی جاتی تو اس کا انصاف خوں ریزی ہی سے کرتی ہے اور جس نے تلوار سے خون بہایا ہے۔ اس کو عدالت کے جلاد کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے، یا سولی کے تختہ پر کھڑا کیا جاتا ہے،

اخلاق سے بھی اگر فتویٰ طلب کیا جائے تو وہ عدالت کا ساتھ دے گا،
کیونکہ اس کے بارے میں اصل الاصول یہ ہے کہ" انسانی زندگی اور اس کے فطری حقوق کی حفاظت کی جائے، رحم بھی اسی لئے ہے تاکہ کسی پر سختی کرکے اس کے حیات و حقوق طبعیہ کو گزند نہ پہنچایا جائے۔ اور درگزر عفو بھی اسی لئے ہے تاکہ انسانی زندگی کا احترام اور انسانی حقوق حیات کا اعتراف کیا جائے۔ لیکن اگر اس عفو و درگذر اس تعلیم حفظ نفس اور عدم قتل و خوں ریزی سے خود وہی اصل الاصول خطرے میں پڑ جائے گا، جس کی بنا پر یہ تمام اصول قائم کئے گئے تھے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ انسانی زندگی و حقوق کی حفاظت ہی کے لئے کبھی قتل و خوں ریزی کی کبھی اجازت دی جائے،

اخلاق کا واعظ کہتا ہے کہ "قتل مت کرو" اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ قاتل کو پھانسی پر چڑھا دو، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اور ٹھیک ٹھیک ایک ہی درجے دونوں انسانی زندگی اور حقوق طبیعی کے محافظ ہیں، پہلا خون کے روکنے کے لئے ایسا کہتا ہے تو دوسرے کا بھی فیصلہ خون ہی کی حفاظت کیلئے ہے۔

البتہ اس عالم کی ہر راہ بیچ افراط ہے اور صراط مستقیم عدل و اعتدال کا نام ہے۔ پس اگر اخلاق کے واعظ نے تفریط کی اور قانون اور سیاست نے افراط تو دونوں کی تعلیم نظام امن و اعتدال کو درہم برہم کردے گی،

کوہ سینا کے اعتکاف نشین نے مقدس تختیوں پر جو کچھ لکھا، اور گلیل

اقترب للناس حسابهم

لوگوں کے نتائج اعمال کا وقت قریب آ گیا

وهم فی غفلةٍ معرضون

لیکن اس پر بھی وہ غفلت میں سرشار۔ اور اللہ کی طرف سے منہ موڑے ہوئے ہیں

استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی	اے غافل لوگو! اس فیصلہ کے دن کے آنے سے پہلے
یوم لا مرد لہ من اللہ ما لکم من	اپنے خدا کا کہنا مان لو، جو اس کی طرف
ملجاء یومئذ و ما لکم من نکیر	سے اعمال بد کے نتائج میں آنے والا ہے۔
فان اعرضوا فما ارسلنٰک علیہم	اور اس کا ٹلنا ممکن نہیں، اس دن نہ تو
حفیظا۔ ان علیک الا البلاغ	تمہارے لئے کہیں پناہ ہوگی اور نہ تم اپنے
(۴۲-۵)	اعمال بد سے انکار ہی کرسکوگے؟

اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبر) ہم نے کچھ تم کو ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارے ذمہ تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے۔ ماننا یا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے،

ایڈریانوپل جو خلفاء بلقان کی راہ کامیابی میں بظاہر آخر مانع کامیابی تھا بالآخر مسخر ہوگیا، مع جامع سلیم، کی مقدس محرابوں کے، جنھوں نے دو صدیوں سے اپنے نیچے صرف سجدہ ہائے نیاز، اور زمزمہ ہائے توحید اور تکبیر ہی کو دیکھا تھا اور مع ان بلند اور عظیم الہیبت مناروں کے جن پر آج تک روزانہ اعلان شہادت توحید کی ایک صدا بھی قضا نہ ہوتی تھی۔ وہ فتح ہوگیا، حالانکہ ہمارے جوش و بیداری کا لشکر عظیم

آخری نتیجہ:-

آخری نتیجہ جو ان بہر حال ترتیبات کے بعد سامنے آتا ہے، یہ ہے کہ شریعت الٰہیہ نفس انسان کی محافظ ہے۔ اور اسی لئے وہ دو صورتوں میں (حسب تصریح بالا) قتل نفس کو فرض والزام قرار دیتی ہے۔ ان صورتوں میں انسانوں کا قاتل مجرم و عاصی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک نہایت مقدس فرض انسانیت و عدالت کا کا حقہ انجام دینے والا ہوتا ہے، وہ ویسا ہی محب انسانیت اور نوع خواہ و امن پرست ہے۔ جیسا کہ خود قانون اور عدالت کی قوت، اس کا اخلاق عمل نہایت اقدس و محترم ہے۔ کیونکہ وہ اس قتل نفس کے ذریعے تمام جمعیت انسانی اور عدل و نظام امنیت کی خدمت انجام دیتا ہے،

دنیا کا قانون اور اخلاق دونوں شریعت الٰہیہ کے اسی اصول و حکم کے، قولاً و عملاً دونوں طرح پیرو ہیں، گو بعض اوقات اپنے قول و عمل کو بھول جائیں۔

عود الی المقصود:-

پس اسی لئے تھا کہ حضرت (موسیٰ) علیہ السلام نے مصر کے بازار میں ایک قبطی پر ہاتھ اٹھایا، اور وہ مر گیا۔

اس کا قصہ "قصص بنی اسرائیل" کے سلسلے میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے" اور یہ آج کی تمہید طویل اس لئے تھی کہ تا کہ کل اس واقعہ پر ایک غائر نظر ڈال سکیں اور پہلے ایک اصول قانون و فیصلۂ اخلاق و شریعت ذہن نشین ہو جائے،

پر قبضہ کرنے کی فکر کیا کریں کہ جو چند گوشے اپنے ایامِ ذلت و نکبت بسر کرنے باقی رہ گئے تھے، ان کے لائق بھی نہ نکلے۔ تہذیب و تمدن کی جگہ وحشت و جہالت ہمارا سرمایۂ انسانیت سمجھا جاتا ہے اور دنیا کی قوموں کی فہرست میں، کیونکہ الحمدللہ کی زمین پر رہنے کے اب قابل نہیں رہے۔ ہم سے زمینیں بھی چھین لینی چاہئیں اور جس قدر ممکن ہو ہمارے بار ذلت سے دنیا کو پاک کر دینا چاہئیے۔ ہماری تیرہ سو برس کی تاریخ کے بعد آجکل کی سرگزشت حیات صرف اتنی ہی باقی رہ گئی ہے۔

فیا للعار! ویا للاسف! واہا ہ! شم آہ!!

گلگونہ عارض ہے نہ ہے رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو ہے کسی کام نہ آیا

ہماری تمام متاع اقبال لٹ چکی ہے، ایوان حکومت کھد رہے ہیں اور تخت شاہی لٹ گئے ہیں، اب ہمارے پاس کچھ باقی رہ گیا ہے تو یہی چند مسجدوں کی محرابیں ہیں اور عبادتگاہوں کے صحن، اور یا پھر وہ گنبد سبز جسکے نیچے دنیا کا سب سے بڑا انسان سو رہا ہے۔

لیکن آج ایڈریانوپل کی جامع سلیم کے صحن میں بلغاروں کے بوٹوں کے گرد اڑ رہی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ کل اور کیا کچھ نہ ہوگا؟"

پھر اے وہ لوگو! کہ اپنے ایوان حکومت کی حفاظت نہ کرسکے کیا آج خدا کی عبادت گاہوں کی محرابوں اور اس کی صدائے توحید بلند کرنیکے مناروں کی بھی حفاظت کرسکوگے؟

غفلت سرشت انسان کا قاعدہ ہے کہ بہت سی مصیبتیں اس کے لئے اس قدر جگر دوز اور زہرہ گداز ہوتی ہیں کہ ان کا تصور بھی کرتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن پھر جب وقت آجاتا ہے، اور وہ مصیبت سر پر آکھڑی ہو جاتی ہے، تو کچھ دیر تک متحیر رہ کر کچھ دیر رو دھو کر، اور کچھ دیر ماتم و فغان سنجی کرکے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور جس وقت کے تصور سے لرز جاتا تھا اس کو اس طرح جھیل جاتا ہے، گویا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا،

اب تک غفلت و سرشاری کے قلعہ میں محصور ہے اور عبرت اور تنبیہ کے پیہم ہجوم اب تک اسے مسخر نہیں کرسکے! فیاحسرتا! ویا لیتا! ویا ندما!!

لمثل هذا یذوب القلب من کمد — ان کان فی القلب اسلام و ایمان

میں سفر میں تھا جب میں نے اوّل بار یہ خبر سنی۔ میں نے دیکھا کہ اس خبر کی تصدیق کے بعد بھی دنیا ویسی ہی تھی، جیسی اس سے پہلے، میں نے دیکھا کہ ہم اپنے کاروبار میں مصروف اور اپنی احتیاجات میں بدستور منہمک ہیں، وقت پر کھانا کھاتے ہیں اور وقت پر آرام و نیند کے انتظار میں بستروں کو تلاش کرتے ہیں، زندگی کی مصروفیتوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور اپنے اندر دیکھا تو حالت ویسی ہی پائی جیسی کل تک تھی، حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی اس خبر کو سننے کے لئے تیار نہ تھا،

میں نے سوچا کہ کیا اسی طرح قسطنطنیہ کے مسخر ہو جانے کی خبر آجائے گی؟ قسطنطنیہ کیا شے ہے؟ میں نے سوچا کہ اس دن ہماری آخری متاع عزت یعنی بیت خلیل اللہ اور مسجد مطہرہ رسول اللہ پر بھی ملاعنہ صلیبیہ کے حملہ آور ہو جانے کی خبر آجائے گی اور ہم اسی طرح اپنی رفتار مدہوشی میں آگے بڑھ جائیں گے؟ فماذا جری علی المسلمین ومن الذی دفع بھم من علیین الی اسفل السافلین؟

ولقد اخذناهم بالعذاب فما استکانوا لربهم وما یتضرعون (۲۳: ۷۶) — اور ہم نے ان لوگوں کو عذاب میں گرفتار کردیا پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ اب بھی اپنے خدا کے آگے نہیں جھکتے اور نہ غفلت سے باز آتے ہیں؟

دنیا میں قوموں کے لئے بڑے بڑے کام ہیں، بہت سے ہیں جن کو اپنے عظیم الشان ایوان حکومت اور تخت جلال کی آرائش کرنی ہے بہت سے ہیں جن کو اپنے عظیم الشان متمدن شہروں اور عالمگیر تجارت کی حفاظت مقصود ہے بعض اپنی قومی دولت و ثروت کے بڑھانے کی فکر میں ہیں اور بعض خدا کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے انتظام میں۔ لیکن غور کرو کہ اب ہمارے لئے دنیا میں کیا کام باقی رہ گیا ہے۔ حکومتیں نہیں رہیں کہ ان کے دبدبہ سطوت کا نقارہ بجائیں دولت و ثروت کب کی جاچکی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ بھی برف آتش زدہ ہے۔ نئی زمینوں

رپورٹر کی زبانی سنائی، تو پھر بتلاؤ کہ اس وقت اس کے سوا اور کیا ہوگا جو کچھ کہ اس وقت ہو رہا ہے؟ کیا در و دیوار سے سر ٹکراؤ گے؟ کیا آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں میں چلے جاؤ گے؟ کیا گنگا اور جمنا کی سطح تم کو اپنی آغوش میں لے کر بچالے گی؟ یا بحر عرب کی موجوں میں تم کو جگہ کا پناہ مل جائے گی؟

اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر کیا دنیا میں کوئی انقلاب عظیم ہو جائے گا؟ کیا آفتاب اپنے مرکز یا حرکت کو چھوڑ دے گا؟ کیا زمین حرکت سے معطل ہو جائیگی کیا ستارے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

اگر یہ بھی نہ ہوگا تو کیا ہم رات کا سونا اور دن کا کاروبار چھوڑ دیں گے؟ کیا کھانا پینا بالکل بند کر دیں گے؟ اور کیا ہم کو زندگی کی احتیاج باقی نہیں رہے گی؟

حالانکہ ہم کو دنیا کے اندر تبدیلی پیدا ہونے کی خواہش کا کیا حق ہے جب ہم خود اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے؟

دنیا اس طرح کبھی نہیں بدلی ہے۔ اور وہ ہماری امیدوں اور ولولوں کی تابع نہیں، ایران نے بابل کو مسمار کر دیا مگر آفتاب اسی وقت طلوع ہوا جیسا کہ روز ہوتا تھا سکندر نے ایران میں آگ لگا دی، مگر انسان نے اپنے گھروں کو اور صحرا کی چڑیوں نے اپنے آشیانوں کو نہیں چھوڑا، بابل و نینوا کے عظیم الشان تمدن برباد ہو گئے۔ مگر ان کی بربادی کے ماتم میں شاید کائنات کے ایک ذرے نے بھی زحمت نہ اٹھائی۔ یونان اور روما الکبریٰ کے طلائی مندروں اور سنگی دارالعلوموں کی دیواریں سرنگوں تھیں، اور اسکندریہ کے بیت العلم کا چراغ گل ہو گیا تھا، مگر عرب کے شتر سواروں نے کب اس کی پرواہ کی اور اس انقلاب عظیم نے کب کاروبار عالم کو معطل کیا؟

اس کائنات ارضی کی گھڑی اپنے کیل پرزوں پر چل رہی ہے۔ اور وہ ان حوادث و تغیرات سے بند نہیں ہو سکتی، پس اس کی تبدیلی کی خواہش بے فائدہ ہے، اس میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہماری خاطر اب ہوگی، یہ کوئی

ایک مدت سے ہم عالم اسلامی کے آخری مصائب کے تصور سے کانپ رہے ہیں "آخری وقت" اور "فیصلہ کن وقت" ہماری زبانوں پر ہے۔ ہم اس وقت کا ذکر کرتے تھے۔ جب اعدائے اسلام ہمارے نیست کر دینے کے لئے اکٹھا ہو جائیں گے ہم اس مصیبت کبریٰ کے خیال سے لرز اٹھتے تھے جب دشمن قسطنطنیہ کے دروازوں پر آ پہنچیں گے، ہم غافلوں کو ڈراتے تھے کہ ہوشیار ہوں، کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے، جب آخری فیصلہ کی گھڑی سر پر آ جائے گی۔ ہم سوتوں کو جگاتے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوں کیوں کہ وہ "نزاع اکبر اور طامۃ الکبریٰ" کا وقت کبھی نہ کبھی آنے والا ہے۔ جب کہ فنا و بقا اور موت و حیات کا فیصلہ آخری ہو جائے گا۔

پھر اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو اس وقت موجودہ اور مصیبت منتظرہ کا دن تو آ گیا اور اگر اس کی آخری ساعات نہیں آتی ہیں تو اس کو بھی دور نہ سمجھو۔

لیکن کیا اپنی غفلت پیشگی کی عام عادت کی طرح اس بارے میں بھی ہمارا ویسا ہی حال ہو گا، جیسا کہ ہر آنیوالی مصیبت کے آ جانے کے بعد ہوا کرتا ہے؟ کیا ہم اسے بھی جھیل جائیں گے، ؟ کیا چند آنسوؤں کی ریزش، اور چند آہوں کی کشش سے زیادہ کچھ نہ ہو گا، ؟ اور کیا پانی سر سے گذر جائے گا اور ہمارے ہاتھوں کو حرکت نہ ہو گی، ؟

خاک بدہنم، تھوڑی دیر کیلئے فرض کر لو کہ وہ سب کچھ ہو گیا جس کے ہونے میں اب کچھ دیر نہیں ہے۔ چشم تصور سے کام لو کہ جس آخری ساعت کے تصور سے ڈرتے تھے اور ڈراتے تھے۔ وہ مع اپنی آخری ہلاکتوں اور بربادیوں کے آ گئی، انگلستان نے عرب و عراق اور حجاز و حرمین کی ریاست کی دیرینہ آرزو پوری کر لی شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ بقیہ ایشیا جرمنی کے زیر علم آ گیا۔ قسطنطنیہ اور دردانیال کا بھی وہ حشر ہو گیا، جو مسئلہ مشرقی کے انفصال کے وقت سب سے پہلے ہو کر رہے گا، اور اپنی موت کی آخری خبر بھی ہم نے موجودہ جنگ کی خبروں کی طرح

حرکت بیداری پیدا ہوگئی اور موجودہ مصائب نے بالخصوص مسلمانان ہند کے دلوں پر جو اضطراب طاری کر دیا ہے وہ ایک اصلی اور حقیقی قوت کار اور ایک آخری فرصت عمل ہے جس اگر کوئی صحیح اور موصل الی المقصود کام نہ لیا گیا، تو پھر ہمیشہ حسرت و ماتم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ روپیہ کا فراہم کرنا، جذبات و عواطف اسلامیہ کو حرکت میں لانا، مجالس تذکرہ مصائب اور مجالس تحریک تشویش اور اسی طرح کی تمام باتیں دراصل نمستی اور بطور ذرائع و وسائل کے تھیں۔ پھر اگر ہماری تمام بیداری صرف آلات کی تیاری ہی میں صرف ہوگئی اور اصل عمل کی توفیق نہ ملی تو یہ ایک بہت بڑی بدبختی ہوگی،

لوگوں کی نظر سطحی اور بالائی چیزوں پر تھی، مگر میں حقیقت حال کو سوچ رہا تھا لوگ متاسف تھے کہ محرابیں خوشنما نہیں، انھیں بدل ڈالنے مگر میں رو رہا تھا کہ بنیاد کھوکھلی ہوگئی ہے، اس کی درستگی کی کیا تدبیر ہو؟

اصلی چیز یہ تھی کہ یہ وقت کے مصائب دراصل ان دائمی اور مستمر اسباب کا نتیجہ تھے جو پچھلی دو صدیوں سے عالم اسلامی پر طاری ہیں، اور جب تک اس سوراخ کو بند نہ کیا جائے جہاں سے سیلاب نکل کر بہتا ہے، اسوقت تک صرف پانی کے ڈول بھر بھر کر پھینکنا، یا در و دیوار کو مضبوط بنانے کے لئے مصالحہ جمع کرنا بالکل لاحاصل ہے،

میں اپنے کاموں سے غافل نہ تھا الہلال میں جو کچھ لکھ رہا تھا اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ہمتوں اور عزموں کا اصلی مصرف نہیں سمجھا، بلکہ ہمیشہ کسی اور مقصود حقیقی کی طرف جانے کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ یقین کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ طریق عمل کا فیصلہ آسان نہ تھا۔

اس عرصہ میں کتنی اسکیمیں بنائیں، اور پھر ان کو چاک کیا، کتنی راہیں سامنے آئیں اور پھر ایک قدم اٹھا کر واپس آگیا۔ ہمارا فرض ایک ہی نہیں ہے اور ہمارا گھر ہر طرف سے اجڑا ہوا ہے، ضرورت ہی ایک ایسے راہ عمل کی تھی کہ ایک ہی راہ ہو کیونکہ ایک وقت میں انسان ایک ہی راہ پر چل سکتا ہے، لیکن ایسی ہو کہ پھر اس کے بعد کسی دوسری راہ کے تلاش کی ضرورت باقی نہ رہے اور ہمارے تمام امراض

تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ایک دنیا خود تمہارے اندر موجود ہے، سخت تعجب اور حیرت ہے اگر ان حوادث و انقلابات سے خود اس کے اندر کوئی تبدیلی نہ ہو اور اگر اس وقت نہ ہوگی تو پھر اور کس وقت کا انتظار ہے؟

ہماری ساری بدبختی اس میں ہے کہ ہم اپنی فتح و شکست کو ایڈریانوپل کے سامنے ڈھونڈھتے ہیں، حالانکہ اس کا اصلی میدان تو ہمارے دل کے اندر ہے، وفی انفسکم افلا تبصرون جب تک ہم خود اپنے اندر فتح یاب نہ ہوں گے اس وقت تک باہر بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

العجل العجل! الساعۃ الساعۃ!

ہاں ایک وقت آنے والا ہے۔ اور وہ آ گیا۔ ایک یوم الفصل تھا جس کا آفتاب طلوع ہو گیا، پرانی پیشین گوئیوں میں کہا گیا کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا، اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، ہم دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب مغرب سے نکل چکا ہے، اور توبہ کا دروازہ (کہ فقط امید داری بدبختان عالم بود) روز بروز ہم پر بند ہو رہا ہے۔ پس وقت آ گیا ہے کہ جس کو اٹھنا ہے اٹھے۔ جس کو چلنا ہے چلے، اور جس کو اپنے روٹھے ہوئے خدا سے صلح کر لینی ہے کرے۔ کیونکہ ساعت آخری، نتائج سامنے، مہلت قلیل اور فرصت مفقود ہے۔

فتیقظوا عباد اللہ وتوبوا ایہا المسلمون الغافلون وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وہم لا یسمعون ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ۰

جستجوئے مقصود و توفیق الٰہی

موسم گذر رہا ہے، آسمان ہمیشہ مہربان نہیں ہوتا، اور وقت جا کر واپس نہیں آتا، آج آٹھ ماہ سے زیادہ دیکھ رہا ہوں کہ عالم اسلامی میں جو ایک عام

یالیت قومی یعلمون

یا ایها الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء ؔ بعضهم اولیاء بعض ؕ ومن یتولهم منکم فانه منهم ؕ ان الله لا یهدی القوم الظالمین ؕ

مسلمانو! (ان) یہود اور نصاریٰ کو جو اسلام کے خلاف جنگ پر متفق ہو جائیں، اپنا دوست نہ بناؤ! یہ لوگ تمہارے مٹانے کیلئے اپنی سازشوں میں ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی باوجود اسلام کی مخالفت کے، انکو اپنا دوست بنائے گا تو یقیناً اللہ کے نزدیک اسکا بھی شمار انہی دشمنان دین حق میں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور نافرمانوں کو راہ راست نہیں دکھاتا،

فتری الذین فی قلوبهم مرض یسارعون فیهم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرة ؕ فعسی الله ان یاتی بالفتح او امر من عنده فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسهم نادمین ؕ

جن لوگوں کے دلوں میں اسلام فروشی اور نفاق طینتی کا روگ ہے، تم دیکھو گے کہ وہ ان لوگوں کو اپنا دوست بنانے میں بڑی جلدی کر رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمکو اس بات کا ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا ہو کہ بیٹھے بٹھائے ہم کسی مصیبت کے پھیر میں آجائیں سو کچھ عجب نہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو کامیابی عطا کرے، یا کوئی غیبی امر ظاہر ہو اور اس وقت یہ لوگ اس نفاق پر جو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، پشیمان ہوں گے،

والصّٰفّٰت صفا ؕ فالزّٰجرات زجرا ؕ فالتّٰلیات ذکرا ؕ مہلتوں کا خاتمہ، فرصتوں کا وقت آخر، ہمتوں کا امتحان، اور سعی و جہد کے انتہائی لمحے در پیش ہیں۔

فالوقت ضیق والخطب شدید والاهواء رغبات والوساوس سلطان فیا

کے لئے ایک نسخہ وحید، اور علاج جامعہ ہو۔

آپ یقین کیجئے کہ میں نے بہت سوچا۔ انسانی دماغ کسی چیز پر جس قدر غور کر سکتا ہے، شاید میں نے ہمیشہ کیا اور مسلسل اور پیہم کیا، مگر باایں ہمہ کسی ایک تجویز اور راہ پر اپنے کو نہ رکھ سکا۔ یہاں تک کہ میں تھک گیا اور قریب تھا کہ مجھ پر عالم تحیر و تعطل طاری ہو جائے، اور قوت فیصلہ جواب دیدے۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ٥

لیکن جب کہ میں تلاش مقصود میں بھٹک رہا تھا، تو اس نے جس کا ہاتھ ہمیشہ سرگشتگان حیرانی کا دستگیر اور عالم گشتگان تحیر کے لئے رہنما و دلیل ہے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرہ مقصود کو بے نقاب کر دیا میں نے اس بجلی کی طرح جو اچانک ظلمت طوفانی میں چمکتی ہے، اس کو دیکھا، پر اس نے بجلی کی طرح مجھ سے بے وفائی نہ کی، اور اپنی روشنی دے کر پھر واپس نہ لی۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (۲۹-۶۹)

اب میری حیرانی ختم ہو گئی ہے، میں ظلمت میں نہیں بلکہ الحمدللہ کی روشنی میں ہوں، بس تیار ہوں کہ اٹھوں اور جو راہ اس نے دکھلائی ہے بلا توقف اس کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ وہ جو دلوں کو کھولتا، دماغوں کی رہنمائی کرتا، آنکھوں کو دکھلاتا اور ہاتھوں کو پکڑتا ہے، ضرور ہے کہ اپنی راہنمائی کا دروازہ اب بھی کھلا رکھے گا اور ٹھوکروں اور گمراہیوں سے بچائے گا وہ ہر اس دل کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور ہر اس بھروسہ کرنے والے کو چلانے والا ہے، جو اس پر بھروسہ کرے واللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور (۲-۲۵۹)

فکاین من قریۃ اھلکناھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علی عروشھا وبئر معطلۃ وقصر مشید ہ افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اٰذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

(۲۲ - ۴۴)

" پھر انسانوں کی کتنی ہی آبادیاں ہیں جنکو انکی غفلت و بداعمالی کی پاداش میں ہم نے ہلاک کردیا۔ پس اب وہ ایسی اجڑی پڑی ہیں کہ انکی دیواریں اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں ان کے لبریز کنوئیں بیکار ہو رہے ہیں اور بڑی عمارتوں کے محل مکینوں سے خالی ہیں! پھر کیا لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں اور قوموں کے عروج اور زوال کے نشانیوں کو دیکھتے نہیں؟ اگر دیکھتے تو ان کے دل سوچنے والے ہوتے، اور کان سننے والے اور جب تباہی کا وقت قریب آجاتا ہے۔ تو قوموں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر چھپے ہوتے ہیں!" یا للعار!

اگر ہم کو مٹنا ہی ہے تو اس کا کوئی شکوہ نہیں، رومتہ الکبریٰ اور بابل و نینوا کی عظیم الشان قومیں جہاں یادگاریں وہاں آج خاک کے تودے اور ٹوٹی ہوئی دیواروں کے کھنڈر بھی سیاحوں کو بڑی جستجو سے ملتے ہیں۔ ہم نے تیرہ سو برس تک دنیا میں حکمرانی کی ہے، اور مغرب و مشرق اگر ہمارے بعد ہم کو بھلانا چاہیں تو مدتوں ہمارے افسانے حیات دہرا سکتے ہیں، لیکن غم ہے تو اس کا ہے کہ موت دونوں کو آتی ہے، سپاہی کو میدان جنگ میں، اور مجرم کو سولی کے تختے پر، پہلی وہ عزت کی موت ہے جس پر ذلت کی ہزاروں زندگیاں قربان، اور دوسری وہ ذلت کی موت ہے، جس کے بعد انسانی روح کیلئے اور کوئی ذلت نہیں، اگر یورپ نے ہم سے آخری انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو کاش ہمارے سینہ پر گولی لگتی، پر ہمارے گلے میں پھندا نہ ڈالا جاتا!

صلیبی سیاست قوم اسلام کو مصلوب کرنا چاہتی ہے اللہ اللہ انقلاب حوادث کی کیا

حدیث بعدها یؤمنون؟

میں وہ صور کہاں سے لاؤں جس کی آواز چالیس کروڑ دلوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دے؟ میں اپنے ہاتھوں میں وہ قوت کیسے پیدا کروں، جن کی سینہ کوبی کے شور سے خفتگان خواب مستی بیدار اور ہوشیار ہو جائیں؟ آہ کہاں ہیں وہ آنکھیں جنکو درد ملت میں خون باری کا دعویٰ ہے؟ کہاں ہیں وہ دل جنکو زوال ملت کے زخموں پر ناز ہے؟ کہاں ہیں وہ جگر جو آتش غیرت وحمیت کی سوزش سے لذت و آشنا ہیں؟ اور پھر آہ! کہاں ہیں اس برہم شدہ انجمن کے ماتم گسار؟ اس برباد شدہ قافلے کے نالہ ساز، اس صف ماتم کے فغان سنج، اور کشتی طوفانی کے مایوس مسافر جنکی موج حیات کے آخری لمحے جلد جلد گذر رہے ہیں، اور وہ بے خبر ہیں۔ یا خاموش روتے ہیں، مایوسی سے چپ ماست نگراں، مگر نہ ان کے ہاتھوں میں اضطراب ہے اور نہ پاؤں میں حرکت، نہ ہمتوں میں اقدام ہے، اور نہ ارادوں میں عمل کا ولولہ۔ دشمن شہر کے دروازوں کو توڑ رہے ہیں، اور اہل شہر رونے میں مصروف ہیں، ڈاکوؤں نے قفل توڑ ڈالے ہیں اور گھر والے سوتے بھی نہیں۔ مگر اب تک آنکھ ملنے سے مہلت نہیں ملی ہے۔ جب کسی کے گھر میں آگ لگتی ہے تو محلے کے دوست دشمن سب ہی پانی کے لئے دوڑتے ہیں۔ لیکن۔ اے رونے کو ہمت اور مایوسی کو زندگی سمجھنے والو! یہ کیا ہے کہ تمہارے گھر میں آگ لگ چکی ہے، "ہوا تیز ہے" اور شعلوں کی بھڑک سخت، مگر تم میں سے کوئی نہیں جس کے ہاتھ میں پانی ہو! پھر اگر اسی وقت کے منتظر تھے، تو کیا نہیں دیکھتے نہیں سنتے کہ وقت آگیا ہے؟ اگر تم کشتی کے ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے، تو کیا نہیں دیکھتے کہ اب اس میں دیر نہیں۔ اور آہ! مسلمانوں کے عروج و زوال کی سیزدہ صد سالہ کشتی جو بارہا ڈوبی اور بارہا اچھلی، اور نہیں معلوم کہ اب ڈوبنے کے بعد ہمیشہ کے لئے سطح عالم سے ناپید ہو جاتی ہے۔ یا اس کے ٹوٹے ہوئے تختے اور تار تار بادبان کے ٹکڑے سمندر کی موجوں کا چند گھنٹے مقابلہ کرتے ہیں!

درکار است نالہ و ما در ہوس او

پروانہ چراغ مزار خودیم ما

سے کم نہ سمجھا۔ اور ایک مرتبہ دمشق کی مسجد کی تعمیر شدہ زمین دے دی تا کہ اس پر گرجا بنایا جائے لیکن آج طرابلس اور گیلی پولی کی مسجدوں کی محراب و منبر بھی صلیب پرستوں کے حملہ آور بوٹوں سے محفوظ نہیں ہیں، اور مشہد کی مسجد گوہر شاہ کا نصف گنبد توپوں کی گولہ باری سے گرا دیا گیا ہے، ہم نے آٹھ سو برس تک اسپین میں عیسائیوں کو آستین میں بٹھا کر دودھ پلایا انہوں نے صحن مسجد میں آکر پیغمبر اسلام کو گالیاں دیں مگر ہم نے ان کو ان کی سرزمین سے محروم نہیں کیا، لیکن آج وہ ہم کو یورپ سے جلاوطن کرنے کی سازش میں فتحیاب ہو گئے ہیں، اور عنقریب خود دنیا کے صفحہ ہی سے مٹا دینے کا ارادہ کر رہے ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ ہم نے بغداد کے دربار عظمت و جلال میں "سگ رومی" کے منہ پر تھوکا تھا، اور یہ بھی غلط نہیں کہ ایک سو برس ادھر تک عثمانی وزیر اعظم کی زبان میں روس اور آسٹریا کے بادشاہوں کو یاد کرنے کے لئے۔ سب سے بڑی عزت یہ تھی کہ وہ ہمارے اچھے کتے ہیں" لیکن پھر اس سے کیا ہوتا ہے، کیونکہ آج یورپ کا ہر چی کتوں کو اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرتا ہے، لیکن ہمارے سروں کے لئے اس کے پاس سب سے بڑی عزت بوٹ کی ٹھوکر ہی میں ہے۔ یقیناً ہم نے آج آٹھ صلیبی حملوں میں عیسائیوں کے سروں کو کچلا اور یروشلم کے مقدس "بیت اللحم" پر ان کو قابض ہونے نہیں دیا۔ لیکن اس کا ذکر بھی اب بے فائدہ ہے، کیونکہ آج تو وہ دن ہے کہ اگر غفلتوں اور بے سود فغاں سنجیوں کا یہی حال رہا تو قریب ہے کہ ہماری عزت و حیات کی آخری متاع یعنی "مرقد مطہرہ رسول اللہ" اور "بیت المقدس خلیل اللہ" کی طرف بھی ابھی تو یورپ کے دہانے کھول دیئے جائیں گے اور جدہ اور ینبوع کے ساحلوں پر یورپ کے آہن پوش ڈریڈ ناٹ لنگر انداز نظر آئیں گے،

خاندان اسلام کا سب سے بڑا گھرانا۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے خواہ کتنا ہی اپنے تئیں ذلیل و بے حقیقت سمجھ لیا ہو اور خواہ

نیرنگی ہے! جس قوم کی ابتدا دنیا میں سولی کے تختے سے ہوئی ہے، جس کی ہستی دنیا میں،
اس طرح شروع ہوئی ہے کہ بت پرست رومیوں کے حکم اور یہودیوں کی خواہش سے اسکے
خدا کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا تھا اور اسکی ہتھیلیوں اور ٹخنوں کو تختے سے لگا کر بڑی
بڑی میخیں ٹھونک دی گئی تھیں، اگرچہ وہ بزدلی کی شدت سے بہت چیخا رہا تھا کہ خدایا
موت کے پیالے کو میرے لبوں سے ہٹا لے پر اسکو سولی پر چڑھنا تھا، تم اٹھانیوالوں نے چڑھا کر چھوڑا
جس قوم کی عزت کا پہلا دن تھا کہ اس کا خدا تین دن تک سولی کی لعنت میں گرفتار
رہا، کیونکہ (توراۃ) میں لکھتا ہے کہ "جو کاٹھ پر چڑھا وہ ملعون ہو" آج وہی قوم سولی
کے تختے کو پوجنے والی قوم، ایک مصلوب لاش کی پرستش کرنے والی قوم، اس قوم
کو میدان جنگ میں تلوار سے ہلاک کرنے کی جگہ، سازش گاہ صلح میں پھانسی دینا
چاہتی ہے۔ جس کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے بانی نے دنیا میں ظاہر
ہو کر اپنے تئیں مسیح کی طرح سولی پر نہیں چڑھایا، بلکہ تلوار کے زور سے اپنے
دین کی اشاعت کی! وتلک الایام نداولھا بین الناس

توحید اور تثلیث کا باہمی سلوک :-

مسیحیت سے ہمارا معاملہ آج ہی شروع نہیں ہوتا، بلکہ یہ میدان صدیوں سے گرم ہے
لیکن آج ہمکو سر جھکا کر اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس نے ہمکو پوری شکست دیدی
یہودیوں نے اسکے خدا پر "ولد الزنا" ہونے کی تہمت لگائی تھی، اور اسکی ماں کی عصمت پہ بٹا لگایا تھا
ہم نے دنیا میں آتے ہی اس کو اس شرمناک ذلت سے نجات دلائی اور کہا کہ :-

وقولھم علی مریم بھتانا عظیما (۴ - ۱۵۵) — اور یہودیوں کا حضرت مریم کی نسبت قول ایک بہت بڑا بہتان ہے،

لیکن آج تمام مسیحی دنیا ہم کو دہشت و خونریزی اور قتل و فساد کا بہتان لگانے میں کامیاب ہو رہی ہے
ہم نے روز اول سے انکے معبدوں اور گرجوں کی حفاظت کو اپنی مسجدوں کی حفاظت

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۴۶-۱۲)

جن لوگوں نے اللہ کو اپنا مددگار سمجھا، اور اپنے اندر استقامت پیدا کرلی، تو پھر نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی ناکامی و نامرادی کا غم۔

انفروا خفافا و ثقالا!!

آپ کہیں گے کہ مسلمانوں نے ان چند مہینوں کے اندر کس جوش و اضطراب کا اظہار کیا اور کس مستعدی سے لاکھوں روپیہ ٹرکی کی اعانت میں فراہم کرلیا اس سے زیادہ اور ان کے بس میں کیا ہے؟

لیکن میں کہوں گا کہ بس میں تو سب کچھ ہے، بشرطیکہ وہ اپنی قوت کا اندازہ کریں کلمہ توحید کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے نفس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ترجیح دیں۔ یقیناً وہ ٹیس جو درد اسلامی کی انہوں نے اپنے دل میں پیدا کی، نہایت قیمتی ہے۔ وہ اضطراب و ہیجان جو انہوں نے اس وقت ظاہر کیا، اس عالم یاس میں بھی امید کا پیام ہے، اور روپیہ کی فراہمی بھی ایک اولین جہاد مالی تھا جس سے وہ غافل نہ رہے، لیکن میرا سوال یہ نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا؟ بلکہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ کرسکتے تھے وہ کیا یا نہیں؟ روپیہ بھیج کر آپ زخمی ترکوں کی مرہم پٹی کا ضروری سامان کرسکتے ہیں، لیکن اس تلوار کے حملہ کی قوت پر تو کچھ بھی اثر ڈال نہیں سکتے جو نئے نئے زخم پیدا کر رہی ہے،! جوش و اضطراب بنیاد کار ہے، لیکن صرف آنسو بہاکر تو کسی فوج نے ملک فتح نہیں کیا ہے!

یقین کیجئے کہ تمام مسیحی یورپ اب اسلام کے فنا کردینے کے لئے آخری اتفاق کرچکا ہے، اور عرضداشتوں اور ریزولیوشنوں سے دنیا میں کبھی کام نہیں نکلتے ہیں۔

داخلی اور خارجی شیاطین کی وسوسہ اندازیوں نے کتنا ہی ان کو معطل اور مجبور ہونے کا یقین دلادیا ہو، لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ان کی تعداد سات کروڑ سے متجاوز ہے اور وہ آج پیروان اسلام کی سب سے بڑی تعداد ہیں جو زمین کے کسی ایک ٹکڑے میں آباد ہے، انکوایوان حکومت سے نکلے ہوئے ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے اور باوجود ہر طرح کے تنزل کے اب بھی دولت اور تعلیم اور علی الخصوص نئی بیداری اور اپنے مصائب کے محسوس کرنے میں ان مقامات کے مسلمانوں سے بھی نسبتاً بہتر حالت رکھتے ہیں، جہاں اب تک اسلامی حکومت باقی ہے اس لئے اگر آج حفظ کلمۂ توحید، و بقائے بلاد مقدسہ، و قیام شعار و ناموس شریعت اسلامیہ کی سب سے زیادہ ذمہ داری ترکوں کے ذمہ ہے کیونکہ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ تو یقین کیجئے کہ مسلمانان ہند کے ذمے بھی ان سے کم نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد تمام دنیا کی اسلامی آبادیوں میں سب سے زیادہ ہے، اور جس مصائب اور ذرائع اعانت کے اصول کے لحاظ سے وہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں درجۂ امتیاز رکھتے ہیں،

پس اسلام کے لئے مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے، ضرور ہے کہ مسلمانان ہند اسکی میں اپنا پورا حصہ لیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس وسوسۂ ابلیس سے فریب نہ کھائیں، کہ وہ بالکل بے دست و پا ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے۔

یقیناً تم کچھ نہیں کر سکتے، اگر تم ایسا سمجھتے ہو کہ کچھ نہیں کر سکو گے۔ دنیا میں ہمیشہ دو ہی خیال دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں، بعضوں نے سمجھا کہ کچھ نہیں کر سکیں گے اور بعضوں نے خیال کیا کہ اگر کرنا چاہیں گے تو سب کچھ کریں گے، پہلے خیال کا نتیجہ یہی نکلا کہ کچھ نہ ہوا، لیکن دوسرے خیال نے چٹیل میدانوں کو ایوان و محل، ویران جنگلوں کو آباد و شاداب، دریاؤں کو خشک میدان، پہاڑوں کو سطح زمین غلاموں کو آزاد ایک گڈریے کو صاحب تاج و تخت، اور ایک مردہ قوم کو زندہ و قائم کر دیا۔

فاعتبروا و تفکروا ایہا المسلمون الغافلون ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الخاسرون

البتہ استقامت شرط راہ، و دلیل وصول بارگاہ ہے۔

کافی سمجھتی ہے۔ پارلیمنٹ میں سوال ہوتا ہے، مسٹر ادگر یڈی سفارش کرتے ہیں کہ جیمس ہنڈرسن "کو ہندوستان سے ملک بدر کر دینا چاہئے، اور عدالتوں کو تنبیہہ کرنی چاہیئے کہ اس قسم کے مقدمات میں ہندوستانیوں اور یورپین لوگوں کے مابین فرق نہ کیا کریں، تو گورنمنٹ کی اس تشریح پر قانع ہو جاؤ کہ ہنڈرسن نے قلی کو شراب کے نشہ میں مارا تھا، اور ہیضہ سے مرا تھا، وزیر ہند اس معاملہ میں کسی کارروائی کرنے پر آمادہ نہیں ہیں،

اگر جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ کے مظالم ہندوستانی مزدوروں پر بدستور قائم ہیں، اگر حکومت ہند کی یہ قرارداد بھی نافذ العمل نہ ہو سکی کہ آئندہ سے جنوبی افریقہ کے لئے ہندوستان سے قلی نہ بھیجے جائیں تو ایوان عام میں مسٹر ہارکوٹ کے اظہار تاسف سے اشک شوئی کر لو کہ گورنمنٹ کوئی چارہ کار نہیں نکالتی نہ سہی اس کو افسوس تو ہے،

اگر مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے کے ورکشاپ مدراس میں ریلوے کے ایک انگریز اہلکار نے تین ہندوستانیوں کو اس ہفتہ میں محض اس لئے گولی مار دی کہ اس کے خیال میں "وحشی ہندوستانی اس کی مہذب میم کو گالیاں دے رہے تھے" تو اس حادثے کو ادبیات اردو کے اس شاعرانہ تخیل کا ذریعہ تکمیل سمجھو کہ۔

کس نے یوں پیار کیا؟ کس نے وفا کی ایسی
کیوں کریں قتل کسی کو، وہ ہمارے ہوتے

اس قسم کے غیر معمولی حوادث طغیان واستبداد کو معمولی تحمل سے انگیز کر لیا کرو، ان پر آزردگی بے جا و بے محل ہے۔

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ

لاتلقوا بايديكم الى التهلكة

کی تفسیر میں آج کل عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ غیر معمولی حوادث طغیان واستبداد کو معمولی تحمل سے انگیز کر لینا چاہیئے اور وفاداری کے نتائج میں ہمیشہ۔

" بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش "

کا فلسفہ مضمر رہنا چاہیئے، اور خواہ کتنی ہی اذیتیں پہونچیں، مگر ہر حال میں صبر و شکر

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ

غلطیہائے مضامین مت پوچھ کہتے ہیں ،، انسان کو اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا منع ہے ،، اصول کی صحت میں کلام نہیں لیکن جو فروع نکالے جاتے ہیں خود انکی تفریح ہلاکت آفریں ہے۔ طبیعت میں استقلال ہے تو ہوا کرے۔ عزم و ثبات پر تیقن ہے تو ہونے دو تم کوئی برا کام نہ کرو۔ اہمات امور میں کبھی اقدام نہ کرو۔

ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے اگر انگلستان میں انگریزوں کو سول سروس کی تعلیم دلانے کی غرض سے ہر سال کچھ کم ۱۶ ہزار پونڈ (دو لاکھ چالیس ہزار روپے) خزانہ ہند کو ادا کرنے پڑتے ہیں اور پھر ان سو ملینوں سے ہندوستانیوں کی قسمت وابستہ ہوتی ہے تو ان کو رعایا کی عبادت گاہ ڈھانے، خانقاہیں گرانے کے احکام نافذ کرنے میں بھی باک نہیں ہوتا، جب بھی کچھ نہ کہو،

اگر پنجاب کی نہری آبادیوں میں رعایا کی ضروریات زندگی میں گورنمنٹ کی جانب سے کوئی مدد نہیں ملتی اور مزارعین سے نہایت گراں شرح پر مالگزاری وصول کیجاتی ہے، تو اس شکایت کی تلافی کے لئے (یوان عام ہاؤس آف کامنس) میں نائب وزیر ہند مسٹر مانٹیگو، کا صرف یہ جواب کافی سمجھ لینا چاہئے کہ "ایک سیلح نے ایک ہفتہ وار رسالہ میں یہ واقعات شائع کئے ہیں، مگر دوسرے اشخاص نے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ بیانات مختلف ہیں اسلئے قابل تیقن نہیں کہے جاسکتے"

اگر ایک انگریز جیمس ہنڈرسن، دکٹوریا جیوٹ مل کے ایک ہندوستانی مزدور پر حملہ کرکے اسے ضرب شدید پہنچاتا ہے، وہ اسی صدمہ سے بیس دن کے اندر مرجاتا ہے، مقدمہ دائر ہوتا ہے، عدالت اس تعدی کو خطرناک قرار دیتی ہے، مگر مجرم پر صرف ایک سو روپیہ جرمانہ

انه مقتول فليس له ان يقدم علیه (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۸۴) تو اس حالت میں ایسی پیش قدمی نہ کرنی چاہیئے۔

اس مطلب پر امام رازی نے چند اعتراضات بھی کئے ہیں، لیکن آخر میں جواب بھی خود ہی بتا دیتے ہیں کہ مطلب بھی مصدق ہو جائے، شبہات بھی نہ رہیں، اور بات کی دل آویزی میں بھی فرق نہ آنے پائے،

امام رازی کا زمانہ وہ تھا جب اسلامی تمدن میں انحطاط شروع ہو چکا تھا، ہمتیں پست ہو رہی تھیں، فتوحات کا سلسلہ بند تھا، شوافی و طوائف کی جگہ خانہ جنگیوں نے لی تھی، ۶۰۶ھ میں امام رازی کی وفات ہوئی۔ اور ۵۶۷ھ میں یعنی امام رازی کی وفات سے ۳۹ برس قبل تاتاریوں کا سیلاب دریائے جیحوں کو عبور کرکے خوارزم کا رخ کر چکا تھا۔ مصر و شام و روم و تونس میں صلیبیوں کے حملے ہو رہے تھے بلادِ اسلام میں قتل عام برپا تھا۔ کفار ایک ایک شہر کو فتح کرتے تھے، مفتوحین کو تہ تیغ کرکے سارے شہر کو آگ لگا دیتے تھے، مرعوبیت اس قدر چھا گئی تھی کہ حملہ آوروں کی مقاومت و مدافعت كانما يساقون الى الموت کے مترادف سمجھ لی گئی تھی،

ایسی حالت میں اگر جان بچانے کا خوف غالب ہو، اگر ناکامی کا تیقن کامیابی کی کوشش کرنے سے روکتا ہو۔ اگر پیش قدمی کے معنی ہلاکت کے لئے جاتے ہوں، اگر جنگ و فاعی میں موت کی تصویر نظر آتی ہو تو یہ ایک قدرتی امر ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ فیلسوف طبیعتیں کیوں قرآن کریم سے ایسے معنی نکالیں، اور ہلاکت کے تخیل سے ہمتوں میں تہلکہ ڈالیں؟ زمانے کی رفتار، گرد و پیش کے حالات، اور مجرائے سیاست کی تبدیلیوں کا ہر ایک چیز پر اثر پڑتا ہے تنزل پذیر جماعتیں ترقی کی آیتوں کو اپنے شان انحطاط کے مناسب بنا لیتی ہیں۔ محکوم قوموں کو مغلوبیت کی ناپاک غلامی کے لئے بھی کتاب و سنت سے ثبوت مل جاتا ہے،

لیکن یہ باتیں واقع میں اگر بجائے خود ثابت ہیں اور انسان کو اپنے ظاہر کی ساز و

سے برداشت کرنا چاہیئے،

گر آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

ان پر نکتہ چینی کرنا شان عقیدت و اخلاص کے خلاف ہے، انگریز ہمارے حاکم ہیں، ہمارے حق میں جو چاہیں کریں۔"

لا یسئل عما یفعل وھم یسألون

گر براند در بخواند رہتے و سر بر آستانم
بندہ را فرمان نباشد آنچہ فرماید بر آنم

اعمالِ حکومت کی شکایت ہی کیا؟ گلے شکوے کرکے اپنے آپ کو تہلکے میں کیوں ڈالو؟ مقابلہ کی طاقت نہیں، مقاومت کا زور نہیں، پھر شکایت کرنا صریح اپنے آپ کو ہلاکت میں پھنسانا ہے۔

یہ خیالات ہیں جو آج کل عموماً دلوں میں آتے اور زبانوں سے ادا ہوتے ہیں، انقلاب کی خواہش تو بے معنی ہے، جائز نکتہ چینی بھی ناجائز سمجھ لی گئی ہے، مذہب کی تائید سے بھی اس باب میں مدد لی جاتی ہے۔ اور ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے تئیں اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو) کی دلیل دی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے پہلے امام رازی نے اس نکتہ آفرینی کی جانب توجہ مبذول کی ہے فرماتے ہیں

المراد من قولہ - وَلَا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ الا تقتحموا فی الحرب بحیث لا ترجون النفع ولا یکون لکم فیہ الا قتل انفسکم فان ذلک لا یحل وانما یجب ان یقتحم اذا طمع فی النکایۃ وان خاف القتل فاما اذا کان آیسا من النکایۃ وکان الاغلب

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی لڑائی جہاں فائدہ کی امید نہ ہو بلکہ جان جانیکا خوف ہو کبھی ہاتھ نہ ڈالو، یہ بات شرعاً حلال و مباح نہیں ہے اس میں دست اندازی اسوقت لازم ہے جب دشمنوں کو تعزیر دینے کی طمع ہو خواہ اسمیں قتل ہو جانے کا ہی خوف کیوں نہ ہو، لیکن اگر تعزیر سے نا امیدی ہو اور غالب یقین یہی ہو کہ خود ہی قتل ہوں گے،

اور وہ یہ ہے :-

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (۲-ع ۲۴)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور احسان کیا کرو۔ بیشک احسان کرنیوالوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر تین طرح پر کی گئی ہے :-

(۱) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جہاد کو کسی حالت میں ترک نہ ہونے دو کیوں کہ اس کا ترک کرنا اپنے آپ کو تہلکے میں ڈالنا ہے۔ اس باب میں ترمذی[1] نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ جس کے خاص الفاظ یہ ہیں :-

عن اسلم بن ابی عمران قال کنا بمدینۃ الروم فخرج الیھم صف من المسلمین حتی دخل فیھم فصاح الناس وقالوا سبحان اللہ یلقی بیدیہ الی التھلکۃ فقام ابو ایوب الانصاری فقال یا ایھا الناس انکم تتاولون ھذہ الآیۃ التاویل وانما نزلت ھذہ الآیۃ فینا معشر الانصار لما اعز اللہ الاسلام وکثر ناصروہ

اسلم بن ابی عمران سے روایت ہے کہ ہم لوگ روم کے شہر (قسطنطنیہ) میں کفار سے جہاد کر رہے تھے رومیوں نے ایک بڑی جمعیت ہمارے مقابل کو بھیجی مسلمانوں کے لشکر سے ایک شخص مقابلے کو نکلا اور حملہ کرتا ہوا رومیوں کی صف میں چلا گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ چلا اٹھے کہ "سبحان اللہ! اپنے ہاتھوں اپنے تئیں تہلکے میں ڈالتا ہے" ابو ایوب انصاری نے اٹھ کر کہا کہ لوگو! تم اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہو حالانکہ یہ آیت ہم انصاریوں کے باب میں اس وقت اتری تھی، جب اسلام کو خدا غالب کر چکا تھا اور بہت سے لوگ اس کے مددگار ہو چکے تھے۔ ہم میں سے بعض اشخاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا کر

---

[1] ابواب تفسیر القرآن من الجامع الصحیح لابی عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی المتوفی سنۃ ۲۷۹ للھجرۃ

سامان کی بناپر جب تک کامیابی کا قطعی یقین نہ ہو، اسوقت تک مہمات امور میں ہاتھ ڈالنے کے معنی اگر ہلاکت مول لینے کے ہیں، تو صدر راہ ول کی وہ پاک و برگزیدہ ہستیاں جو نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کسریٰ و قیصر کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے چلی تھیں، ایک بہت مختصر جمیعت سے بدر و حنین کی مہم سر کرنے اٹھی تھیں، روئے عرب کے موقعہ پر سارے ملک سے جنگ کرنے کو آمادہ تھیں، اور اس نازک حالت میں جبکہ ہر شخص کو اندیشہ تھا، کہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرتد قبائل کا حملہ ہوا چاہتا ہے، ارض موتہ میں رومن امپائر سے آویزش کے لئے فوج روانہ کر رہی تھیں، وہ اس وقت یقیناً خدا کے صاف حکم (ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) کی صریح مخالفت کر رہی ہوں گی۔ وحاشاھم عن ذلک

بے شبہ ان بزرگوں کے حوصلے اپنی اسباب و برگ جماعت کی قلت اور دشمنوں کی کثرت سے پست نہ ہوتے ہوں گے ان کو خدا کے وعدے پر وثوق ہو گا کہ ایمانی کی زبردست طاقت سے وہ ساری دنیا کو زیر کر سکتے ہیں، ظاہری وسائل اقدام و دفاع سے وہ بھی محروم تھے اور ہم بھی ہیں، قوت ایمانی ان میں بھی تھی اور اسی کے طفیل میں ہم بھی مغلوبیت سے بچ سکتے ہیں، لیکن اگر اس خصوصیت (ایمان) سے ہم بے بہرہ ہیں تو پھر مسلمان ہی نہیں۔ اور جب اسلام ہی نہ رہا تو ترقی کی توقع کیا اور تنزل کا گلہ کیوں!

الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم الحیاۃ الدنیا فالیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا وما کانوا بایتنا یجحدون (۷ع ۶)

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو لعب بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی انکو دھوکے میں ڈالے ہوئے تھی تو جس طرح انہوں نے اس دن کے پیش آنے کو وہ بھول گئے تھے۔ اسی طرح ہم بھی آج انکو بھلا دینگے۔ گو وہ ہماری آیتوں کے منکر نہ تھے۔

وہ آیت جس سے مسلمانوں کے ہلاکت میں پڑنے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ سورۂ بقر میں ہے۔

لتھلکۃ یقول لاتوبۃ لی ۞ نے مغفرت ہے نہ میری توبہ قبول ہوگی۔

(۳) آیت میں تہلکہ سے مراد یہ ہے کہ ضرورت نہ ہو تو جہاد کا اقدام کرنا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس باب میں ابوزید کا صرف ایک قول منقول ہے، مگر باقی تمام روایتیں اس کے مخالف ہیں، اور سخت مخالف ہیں،

(۴) انفاق فی سبیل اللہ سے باز رہنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کی تائید میں ۲۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک یہ روایت نہایت قابل اعتماد ہے:۔

لیس التھلکۃ ان یقتل الرجل فی سبیل اللہ ولکن الامساک فی سبیل اللہ ؎	ہلاکت یہ نہیں ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں قتل ہوجائے، ہلاکت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہے۔

ابن جریر نے اس آخری توجیہ کو مرجح مانا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

الصواب من القول فی ذلک عندی ان یقال ان اللہ جل ثناؤہ امر بانفاق فی سبیلہ ومعنی ذلک وانفقوا فی اعزاز دینی الذی شرعتہ لکم بجہاد عدوکم الناصبین لکم علی الکفر علی الکفر بی ونھاھم ان یلقوا بایدیھم الی	ان تمام اقوال میں میرے نزدیک بہتر قول یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غلبہ اسلام کیلئے اپنے دشمنوں سے جو تمہیں خدا کے ساتھ کفر کرنے پر مائل کرتے ہوں جہاد کرو اپنے آپکو تہلکے میں ڈالنے کی ممانعت کی ہے۔ ایک مثال ہے جس شخص نے عاجزی کے ساتھ اپنے معاملات غیروں کو تفویض کردیئے ہوں۔ محاورہ عرب

؎ ابن جریر قال حدثنی محمد بن المحاربی قال حدثنا ابوالاحوص عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب فی قولہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ قال الخ

فقال بعضنا لبعض سرا دون رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اموالنا قد ضاعت وان الله قد اعز الاسلام وکثر ناصروه فلو قمنا فی اموالنا فاصلحنا ما ضاع منها فانزل الله تبارک وتعالی علی نبیه صلی الله علیه وسلم یرد علینا ما قلنا وانفقوا فی سبیل الله ... حتی دفن بارض الروم ؎

آپس میں پوشیدہ طور سے یہ صلاح کی کہ اسلام کی اعانت میں خرچ کرتے کرتے ہمارا مال وزر تلف ہوگیا۔ اب خدا نے اسلام کو غالب کیا ہے اور اسکے بہت سے مددگار پیدا ہوچکے ہیں، اب اگر ہم اپنے مال وزر کا انتظام کریں اور جو تلف ہوچکا ہے اسکی تلافی کیلئے کوئی اصلاحی طریقہ نکالیں تو بہتر ہے" اللہ تعالی نے ہم کو جواب دینے کے لئے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آیت نازل کی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو ہلاکت کا مطلب مال ودولت کا انتظام واصلاح وترک جہاد تھا" اس روایت کے بعد ابوایوب برابر جہاد کرتے رہے حتی کہ سرزمین روم ہی میں دفن ہوئے ؎

(۳) تہلکے کے معنی نا امیدی کے ہیں اس باب میں امام محدثین ترمذی ہیں نہیں ایک خاص روایت ہے،

عن البراء بن عازب فی قوله فلا تلقوا بایدیکم الی التهلکة قال هو الرجل یصیب الذنب فیلقی بیده الی

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کی تفسیر میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا وہ شخص ہے جس نے گناہ کئے ہوں اور سمجھ لیا ہو کہ میں ہلاک ہوگیا ہوں میرے

؎ الترمذی قال حدثنا عبد بن حمید الضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل عن حیاة بن الشریح عن یزید بن حبیب عن اسلم بن عمران قال الخ ثم اتبعه بقوله هذا حدیث حسن غریب صحیح۔

وتتقوا ویأتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین وما جعله الله الا بشری لکم ولتطمئن قلوبکم به وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم لیقطع طرفا من الذین کفروا او یکبتهم فینقلبوا خائبین (۳-ع ۱۳)

بلکہ تم اگر ثابت قدم رہو تقویٰ کرو۔ دشمن بھی فوراً تم پر چڑھ آئیں تو پروردگار پانچ ہزار نشان و شکوہ والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ یہ امداد تو خدا کی طرف بشارت تھی جو اس نے تم کو دی کہ تمہارے دل میں اس سے تسلی پائیں اصلی مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے غرض یہ ہے کہ کسی قدر کافروں کی جڑ کاٹ دے یا ایسا ذلیل کرے کہ ناکام پلٹ جائیں۔

ایک مقام پر مسلمانوں کے اوصاف و خصائص کے تذکرے میں ہدایت کی ہے۔

الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم یمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظیم. انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءه فلا تخافوهم وخافون ان کنتم مومنین (۳-ع-۱۰)

ایماندار ایسے لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان کو خبر دی کہ مخالفین نے تم سے مقابلہ کے لئے ایک انبوہ اور بھیڑ جمع کر رکھی ہے ان سے ڈرتے رہنا، تو اس خبر سے ان کا ایمان اور ترقی کر گیا اور بول اٹھے کہ ہم کو اللہ بس ہے اور وہ بہترین کارساز ہے یہ تو خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، انہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا، خدا کی مرضی پر کاربند ہوئے خدا کا فضل بڑا ہے۔ یہ شیطان ہے جو اپنے رفیقوں کو جن کے مزاج میں شیطنت ہوتی ہے ڈراتا رہتا ہے تم ان سے نہ ڈرنا ایمان رکھتے ہو تو ہمارا ہی ڈر رکھنا،

مسلمانوں کو کیا کیا ابتلا پیش آنے کو ہے؟ اس پیشگوئی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے۔

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا

مسلمانو! جان و مال میں تمہاری آزمائش کی جائیگی، جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے یعنی یہود و نصاریٰ سے نیز مشرکین سے تم کو بہت سی ایذائیں سننی پڑیں گی۔۔۔۔۔۔

التھلکۃ فقال ولا تلقوا بایدیکم
الی التھلکۃ وذلک مثل والعرب
تقول للمستسلم للامر اعطی فلان
بیدیہ وکذالک یقال للممکن
من نفسہ مما یرید بہ اعطی بیدیہ
فمعنی قولہ للتھلکۃ فتعطوھا
ازمنتھا فتھلکوا والتارک
للنفقۃ فی سبیل اللہ عند وجوب
ذلک علیہ مستسلم للھلکۃ
بترکہ اداء ما فرض اللہ علیہ
فی مالہ ؎

میں ایسے شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ اس نے فلاں
کو اپنے ہاتھ دے دیئے۔ اسی طرح اس شخص
کی نسبت جو غیروں کو موقع دے کہ جو وہ
چاہیں اس کے ساتھ کریں محاورہ میں
کہیں گے کہ اس نے خود اپنا ہاتھ دیدیا"
اس بنا پر "اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں نہ پھنسو"
کے معنی یہ ہوئے کہ "ہلاکت کے آگے سر تسلیم خم
نہ کرو اور اپنی عنان اختیار اسکے ہاتھ میں
نہ دو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے" جن لوگوں پر
اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرض ہو اور وہ
اس کو ترک کر رہے ہوں۔ حقیقت میں وہ
اس فرض کو ترک کر کے ہلاکت کے آگے سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

یہ واضح روایتیں اور تشریحیں کسی وسیع نظر کی محتاج نہیں ہیں۔ محل نظر صرف
یہ امر ہے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے جو معنی آج بیان کئے جاتے ہیں
صدر اول میں کوئی ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ آشوب ابتلا کے نازک
ترین وقتوں میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ اسکا جواب دینے والا خود قرآن ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم
اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون
اذ تقول للمومنین الن یکفیکم
ان یمدکم ربکم بثلاثۃ آلاف
من الملائکۃ منزلین بلی ان تصبروا

خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی۔ تم اسوقت ذلیل
و بے حیثیت تھے لہذا خدا سے ڈرو شاید تم
شکر گزار بن جاؤ۔ مسلمانوں سے جب نبی کہہ رہے
تھے کہ تمہیں اتنا کافی نہیں کہ پھر تمہارا پروردگار
تین ہزار فرشتے بھیجکر تمہاری امداد کرے۔ بے شک اگر تم صبر

؎ تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۱۱۵۔

وحسن ثواب الآخرۃ
واللہ یحب المحسنین ۰
(۳-ع ۱۵)

خدا نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت کے نیک بدلے کا کیا پوچھنا ہے، اور احسان کرنے والے ہی پسندیدہ جناب الٰہی ہیں۔

کفار کی غلامانہ و کورانہ اطاعت میں مسلمانوں کی فلاح ہے یا نہیں؟ تعلیمات الٰہی میں اس کی یوں شرح کی گئی ہے:۔

یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا
الذین کفروا یردوکم علیٰ
اعقابکم فتنقلبوا خاسرین
بل اللہ مولٰکم وھو خیر الناصرین (۳-ع ۱۶)

مسلمانو! تم اگر کافروں کی اطاعت کروگے تو وہ تمہیں بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے لوٹا کرے جائیں گے پھر اس رجعت قہقری اور رفتار معکوس میں تم ہی خسارہ اٹھاؤ گے، وہ تمہارے خیر خواہ نہیں، بلکہ تمہارا خیر خواہ تو خدا ہے۔ اور تمام مددگاروں سے بہتر مددگار وہی ہے۔"

ان آیتوں کا ماحصل یہ ہے:۔

(۱) ذلت دلیل ناکامی نہیں ہے، مسلمان کیسے ہی بے برگ و بے نوا ہوں، لیکن اسلام کی بو ان میں باقی ہے، تو خود ان کی امداد کرے گا۔ یہ امداد فرشتوں کی صورت میں بھی نازل ہو سکتی ہے، خواہ یہ فرشتے عام مفسرین کی رائے کے مطابق سچ مچ کے فرشتے ہوں یا مشہور مفسر (ابوبکر اصم) کے انکار کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو روحانی تسکین و اطمینان قلب کا مرادف سمجھا جائے (تفسیر کبیر، ۲ ص ۲۵۵)

معمولی امداد کے علاوہ

(الف) مسلمان اگر ثابت قدم رہیں۔

(ب) اسلامی کیریکٹر و تقویٰ) ان میں موجود ہو،

(ج) جو حالت اس وقت ہے کہ ہر طرف سے کفار نے مسلمانوں کو نرغے میں لیا ہے۔ اسی کیفیت سے کافر دگا ابنوہ چڑھ دوڑے، تو ان حالتوں میں تقویت اسلام کیلئے شاندار آسمانی امداد کے منتظر رہو۔ لیکن یہ خصوصیتیں مفقود ہوں تو ذلت و مسکنت سے رہائی کی آرزو ہی بے محل ہے۔ وہ خود چاہتا ہے کہ ایک حد تک کفار کا استیصال ہو

وان تصبروا وتتقوا فانّ ذٰلک من عزم الامور (۳-ع ۱۹) — تم اگر ثابت قدم رہو اور متقی بن جاؤ تو بیشک یہ ہمّت کے کام ہیں۔

جو مسلمان ابتلا سے بچنے کے لئے کفار سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کے درپے ہوں ان کی بے راہ روی کی خبر دی ہے ؛۔

فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسھم نادمین (۵-ع ۸) — تم دیکھوگے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے یہود و نصاریٰ سے ملنے میں وہ تیزی کریں گے اور کہیں گے کہ "ایسا نہ کریں تو ہم کو خوف ہے کہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں" لیکن کوئی دن جاتا ہے کہ خدا مسلمانوں کے لئے کشائش لاتا ہے یا اپنی طرف سے کوئی امر پیش دکھاتا ہے اسوقت یہ لوگ ان امور پر جنھیں اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے تھے، پشیمان ہوں گے،

ضعف و عجز بے نوائی کے عالم میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اس باب میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے؛:۔

وکائن من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین وما کان قولھم الا ان قالوا ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین فاتاھم اللہ ثواب الدنیا — کتنے پیغمبر ہو کر گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والے شریک جنگ ہوئے، اللہ کی راہ میں انکو جو مصیبت پہنچی اسکی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری نہ ضعف و سستی دکھائی اور نہ عاجزی ظاہر کی۔ خدا انھیں کو دوست رکھتا ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں اس بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہ کہا کہ "پروردگار ہمارے گناہ معاف کر ہمارے کاموں میں جو زیادتیاں ہم سے ہو گئی ہیں ان سے درگذر کر ہمیں ثابت قدم بنائے رکھ، اور گروہ کفار پر ہم کو فتح دے دے"

ہوں جنہیں ان سے بے تعلق رہنے میں اپنے اور اپنی قوم کے لئے مشکلات و مصائب کا اندیشہ ہو۔ وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوگی۔ یا مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کردے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ لات قل ندمت ولا ینفع الندامۃ۔ تم اب نادم ہوئے جب کہ ندامت مفید ہی نہ رہی کے کیا معنی ہیں۔

(۵) مسلمان کیسی ہی افسوسناک کمزوریوں کے ابتلا میں گرفتار ہوں یکسا ہی تنزل و انحطاط۔ ضعف و تذلل ان پر محیط ہو۔ مگر جب مقابلے کو اٹھیں گے یہ ظاہری کمزوریاں ان کو مغلوب نہیں بنا سکتیں۔ وہ عزم و ثبات سے کام لیں گے۔ خدا پر بھروسہ کریں گے۔ استقلال و نصرت کے خواستگار ہوں گے۔ اور ایمان و عمل صالح کی طاقت سے نفس مطمئنہ کی ہمت بڑھاتے ہوئے استیصال و استبداد کے لئے بڑھیں گے۔ ان کی دنیا بھی سنور جائے گی۔ اور انجام بھی اچھا ہوگا۔

(۶) کفار کی متابعت خود انحطاط و تنزل کا ذریعہ ہے۔ طغیان و کفر و استبداد کی مطیع رہ کر مسلمان قومیں ترقی کر سکتی ہی نہیں۔ مسلمانوں کے اوپر صرف خدا کی اطاعت فرض ہے۔ اسی سے توقع رکھنی چاہئے۔ اور اکیلے ایک اسی کو مددگار سمجھنا چاہئے۔ دنیا کی جھوٹی ہستیاں کسی اور کو نفع پہنچائیں تو پہنچائیں۔ مگر مسلمان تو ان سے کبھی منتفع نہیں ہو سکتے۔

یہ تعلیمات الٰہیہ کسی خاص وقت اور زمانے کے لئے مخصوص نہیں۔ ان کی عمومیت ہر عہد اور ہر قوم پر حاوی ہے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے وہی معنی ہیں جو آج لئے جاتے ہیں۔ اور جن سے ہمتیں اور بھی پست ہو جاتی ہیں

اور ان کی ترقی رک جائے۔ اس مشیت کی تکمیل کے لئے وہ تو آمادہ ہے مگر ہم بھی تو اپنی آمادگی کا ثبوت دیں۔

(۲) مسلمانوں کا یہ مشن نہیں ہے کہ کفار کے انبوہ سے خوفزدہ ہو جائیں، غلبہ کفر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان کے ضعف و استکانت سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں مرعوب کر دیں نرغۂ کفار کی حالت میں ان کی قوت ایمانی میں اور بھی ترقی ہونی چاہیئے، خدا پر بھروسا کر کے اگر مقاومت کو اٹھ کھڑے ہوتے تو کامیابی میں کیا کلام ہے؟ مضرت پہنچ سکتی نہیں، ضرر رسانی کی قدرت معدوم، حسن انجام محتم البتہ مرضات الٰہی کا اتباع مشروط ہے، شیطان خوف دلاتا ہے، بندگان خدا اس سے کیوں ڈریں؟ کافروں کی جمعیت تو خوف کی چیز نہیں ہے، ان سے بیم و ہراس ہی کیا؟ دل میں ایمان ہے تو صرف خدا سے ڈرنا چاہیئے، ایماندار کا دل اور کفار کا خوف! نقیضین بھی کہیں جمع ہوتی ہیں؟"

(۳) ابتلا سے مفر نہیں جان و مال کا نقصان اٹھانا ہوگا، اہل کتاب سے جن میں دوسری صدی ہجری سے آج تک نصرانیوں کو خاص امتیاز حاصل ہے اور مشرکین سے کہ نصرانیت میں اس کی بھی کمی نہیں، بہت سی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں گی ان حالتوں میں اگر مسلمان ثابت قدم رہے، استقلال کی خصوصیت کھو نہ بیٹھے، اور تقویٰ و طہارت نفس کے اسلحہ ان کے ہاتھ میں ہوئے تو پھر حوصلے کیوں پست ہونے لگے اور من بعد غلبهم سيغلبون (مغلوبیت کے بعد وہ بہت جلد غالب ہوں گے) کا وعدہ زیادہ دیر تک وفا کا زحمت کش انتظار کب رہنے لگا؟

يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء (۱۴۔ ۳۰)

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو قول ثابت یعنی توحید کی برکت سے دنیا کی زندگی میں بھی خدا ثابت قدم رکھے گا۔ اور آخرت میں بھی، اور جو لوگ ظالم ہیں خدا ان کی راہ گم کردے گا۔ خدا جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

(۴) کفار سے مسلمانوں کو سازباز نہ رکھنا چاہیئے۔ ان سے بے تعلقی لازم ہے جو ساز باز رکھتے

کا دعویٰ ہے تو ضرور تھا کہ تیرے محبوب کے دکھ میں پڑنے کے ساتھ ہی تجھ پر بھی دکھ طاری ہو جاتا۔ اور اس کی بیقراری سے زیادہ تجھ میں بیقراری اور بے چینی ہوتی عشق کا دعویٰ اور بے دردوں کی طرح بے فکری۔ یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی قیس مجنوں پر ایک بجلی سی گر گئی۔ جوش تاسف میں اس نے گریبان پھاڑ ڈالا۔ سر اور چہرے پر خاک ملنے لگا۔ عراق و لیلائے عراق کے سوا کوئی لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ وہ بے خود اٹھا اور ایک سچے دیوانہ عشق کی شان سے کوہ و بیابان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابو عیسیٰ روایت کرتا ہے کہ اس وقت مندرجۂ بالا اشعار اس کی زبان پر تھے۔ جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

•آہ• کہتے ہیں کہ لیلٰے عراق میں بیمار پڑ گئی ہے۔ پھر تجھے کیا ہو گیا ہے کہ صحیح و تندرست نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس محبوبہ مریضہ کے عشق کا دعویٰ رکھتا ہے؟

اگر واقعی یہ سچ ہے کہ لیلٰے عراق میں بیمار ہے۔ تو مجھے بیماری کی دعوت نہ دو میں تو موتوں اور ہلاکتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔

میں شہروں میں گشت لگاتا ہوں۔ اور عراق تک پہنچنے کی راہ ڈھونڈتا ہوں لیکن افسوس کہ لیلیٰ تک پہنچنے کی تمام راہیں بند ہو گئی ہیں۔

خدا سرزمین عراق کے تمام بیماروں کو شفا دے۔ کیونکہ جب سے میں نے اپنے بیمار عراق کی خبر سنی ہے۔ عراق کے ہر بیمار کے لئے شفیق ہو گیا ہوں۔

(۲)

لیکن اے سرزمین عراق! اے بہشت زار دجلہ و فرات۔ اے مصداق تجری من تحتھا الانھار! اے مایۂ عشق جہل کردہ نفوس علت آتش عامری کی لیلیٰ چند دنوں کے لئے تیری آبادیوں میں آ بسی تھی اس لئے وہ تجھ تک پہنچنے کے

عراق و لیلائے عراق

ایک لمحۂ شک سرزمین تجری من تحتہا الانہار کی یاد میں

یقولون لیلی بالعراق مریضۃ	فما لک لا تضنی وانت صدیق
شفی اللہ مرضی بالعراق فاننی	علی کل مرضی بالعراق شفیق
فان تک لیلی بالعراق مریضۃ	فانی فی بحر الحتوف غریق
اھیم باقطار البلاد وعرضہا	وما لی الی لیلی الغداۃ طریق

یہ اشعار عہد امویہ کے مشہور عاشق قیس عامری کی طرف منسوب ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن قیس اپنی شوریدگی میں بے خبر پڑا تھا۔ کہ اس کے کانوں میں کسی کی آواز آئی۔

الا ان لیلی بالعراق مریضۃ
وانت خلی البال تلھو و ترقد

لیلے عراق میں بیمار پڑی ہے۔ اور تیرا حال یہ ہے کہ بے فکر و بے کیف کھیل کود میں اپنا وقت کاٹ رہا ہے۔

فلو کنت یا مجنون تضنی من الھوی — لبت کما بات السلیم المسھد

اے مجنون اگر تو فی الحقیقت بیماری محبت کا مریض ہے اور تجھے لیلے کے عشق و شیفتگی

(۳)

مندرجۂ بالا سطور بے اختیار قلم سے نکل گئیں جب کہ موجودہ واقعات کی تقریب سے ہم نے ارادہ کیا کہ سرزمین عراق و بغداد کے بعض مناظر البلاغ کے صفحات پر شائع کریں۔ عالمگیر جنگ یورپ کے معرکے کچھ عرصہ سے سرزمین ایشیا میں منتقل ہو گئے ہیں۔ از ان جملہ سرزمین بغداد ہے۔ جہاں مہینوں سے میدان اقدام و داد بازگرم ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ قط العمارہ اور مابین بصرہ و بغداد کے مقامات دنیا کے سامنے آرہے ہیں۔ چنانچہ اس موقع میں بھی سب سے پہلے العمارہ کی آبادی کا ایک منظر آپ کے سامنے ہے۔ جو دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ اور اگر آپ چشم تصور سے کام لیں تو ان ہی ساحلی عمارتوں کے عقاب میں جنگ عراق گزشتہ کے بہت سے عبرت انگیز نتائج و حوادث نظر آسکتے ہیں۔ وھمو بما لم ینالوا۔

یہ مناظر دجلہ کے سلسلے میں پہلا منظر تھا۔ نہر دجلہ کا دوسرا منظر بغداد جدید کی وسط آبادی کا ہے جہاں مشرقی آبادی کو ایک پل کے ذریعے ملا دیا گیا۔ اور پل کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بکثرت نظر آرہی ہیں۔ یہ کشتیاں اب تو زیادہ تر شہر کی اندرونی آمد و رفت کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں لیکن کسی زمانہ میں ہارون الرشید اور مامون اعظم کی سیر و تفریح کا بڑا ذریعہ یہی تھیں وتلک الایام نداولھا بین الناس

تیسرا مرقع سفارت خانہ برطانیہ کی جدید عمارت اور دجلہ کی قدیم روانی دونوں کا مشترک منظر ہے۔ دجلہ کی سطح اگرچہ بالکل خاموش اور ساکن ہے حتیٰ کہ ایک ہلکی سی لہر بھی اس پر حرکت کرتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ تاہم اگر آپ سننا چاہیں تو اس کی زبان چپ نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صدائیں صرف لبوں کی حرکت ہی سے نہیں نکلتیں۔ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک

لئے بے قرار تھا لیکن آہ ہمارے لئے تو تیری تمام سرزمین یکسر لیلیٰ زار حسن وجمال ہے۔ اور تیری کسی ایک عمارت کے اندر ہی نہیں۔ بلکہ تیری خاک کے ہر ذرّے ہمارے عشق ماضی کا ایک حجلہ حسن وجمال آراستہ ہے۔ قیس عامری کی لیلیٰ اگر بادیہ نجد کے خیموں سے نکل کر تیری سرزمین میں آگئی تھی تو ہمارے اقبال رفتہ کی بھی ایک لیلےٰ ہے۔ جو ریگ زار عراق سے نکلی۔ اور صدیوں تک تیری سرزمین اس کے لئے منزل عیش ونشاط رہی۔ بابل ونینوا کی وراثت تیری ہی سرزمین میں ہم کو دی گئی تھی۔ کلدان اور مدائن کے مدفون خزانے تو نے ہی ہمارے سپرد کئے تھے۔ ہارون الرشید کی سنہری کشتیاں تیرے ہی دجلہ میں تیرتی تھیں۔ مامون اعظم کا دربار عظمت وجلال تیری ہی خاک کا ایک افسانہ گزشتہ ہے۔ تو ہی ہے کہ تیری زمین کا ایک ایک کھنڈر۔ تیری خاک کا ایک ایک تودہ تیری نہروں کی ایک ایک لہر کاروان رفتہ لیلیٰ کا نقش قدم اور کاروبار عشق ماضی کا افسانہ سرا ہے۔ اور پھر اے سرزمین لیلیٰ تیری ہی فضائے محبوب ہے۔ جس کے ہر ذرہ سے آج بھی بازگشت ناقہ لیلےٰ کی صدائیں اُٹھ رہی ہیں۔ اور ہر اس مجنوں کے لئے ملامت ہے۔ جو عشق لیلےٰ کے دعوے کے ساتھ سرزمین لیلیٰ سے تغافل بھی کر رہا ہے۔ حالانکہ عشق لیلیٰ کا دعویٰ اور مسکن لیلیٰ سے غفلت یہ دونوں چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

فلو کنت یا مجنون تفنی من الھویٰ

لبت کما بات السلیم المسھد

پس افسوس ہر اس دل پر جس نے لیلیٰ کی یاد کو ایک لمحے کے لئے بھی بھلایا اور صد افسوس ہر اس آنسو پر جو "لیلےٰ" کے سوا کسی دوسرے کے لئے بہایا گیا۔

اذا کان ھذا الدمع یجری صبابۃ!

علی غیر لیلیٰ ۔ فھو دمع مضیع!

کچھ نہ تھا۔ دوسری طرف دمشق کا تاج و تخت۔ حکومت و سلطنت۔ ساز و سامان۔ خسروی و ملوکی اور ہزارہا انسانوں کا قاہر و جابر گروہ تھا بظاہر پہلی جماعت نے شکست پائی۔ کیونکہ قتل کر دی گئی اور اس کے خون سے ساحل فرات کی سرزمین مدتوں تک سرخ رہی۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک محض عارضی منظر تھا۔ غور کیجئے کہ آخری فتح مندی اور عاقبت کار کی کامیابی کس کو ملی؟ ان کو جن کے نام و نشان سے بھی آج تمام سطح ارضی خالی ہے۔ یا اس کو جس کا گنبد آج تک رہنی بقاء ذکر۔ اور کلمۂ باقیہ کے ثبوت میں سر بفلک استادہ ہے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج تمام شاہان بنو امیہ میں سے کسی ایک شخص کی قبر کا بھی دنیا سراغ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ بنو عباس نے ان کی قبروں کو اکھاڑ اکھاڑ کے مسمار کر دیا۔ اور کوئی اثر دنیا میں باقی نہ رکھا۔ برخلاف اس کے مدفن کربلا کا اثر مجسم اب تک حی و قائم موجود ہے اور اگرچہ مخالفین کے دست ظلم نے بارہا اس کو بھی مسمار و بے نام و نشان کرنا چاہا۔ تاہم اس کا نشان کسی طرح مٹ نہ سکا کہ ظلم کا دھبہ کبھی نہیں دھل سکتا۔ پھر کیا بقائے قبور و آثار کے بارے میں بھی زمین قانون بقائے اصلح کی پابند ہے۔ اور اپنی گود میں صرف اسی کے اثر کو باقی رکھنا چاہتی ہے جو اصلح تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بہت کچھ نعائم بہشت کا وعدہ کیا تھا اور باغوں کی سرسبز و شاداب زندگی کی بشارت دی تھی۔

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحٰت ان لھم جنات (بقرہ)

جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے تو ان کو باغوں کی زندگی کی بشارت دیدو۔

یہ باغ وہ تھے جن کا سب سے زیادہ نمایاں وصف یہ تھا

تجری من تحتھا الانھار (بقرہ) ان کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

خاموش چہرہ اور ایک غیر متحرک لب ان غوامض و اسرار کی شرح وتفصیل کردیتا ہے جن کے لئے زبان کی حرکت اور حلق کی آواز بالکل گونگی ہوتی ہے۔ خاموش فصاحت نے اکثر گویائی کے دعووں کو شکست دی ہے۔

لسان عیی فی الھوی وھو ناطق
و دمعی فصیح فی الھوی وھو اعجم

نظارہ دجلہ کی ان تین منزلوں کے بعد اب ذرا ان لوگوں کے حالات پر بھی نظر ڈال لیجئے جن کی یاد اور سرزمین دجلہ سے وابستہ ہے ایک عجیب مخروطی شکل کا گنبد آپ دیکھ رہے ہیں جو کسی ہشت پہلو عمارت کے اوپر سے نمایاں ہے اور عمارت کے ہر طرف پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ مشہور زبیدہ خاتون زوجہ ہارون الرشید کا مقبرہ ہے۔ اور دجلہ کے بعد ہی آپ کے سامنے آگیا ہے تاکہ مکان کے ساتھ اس کے پچھلے مکینوں کو بھی دو گھڑی یاد کرلیں۔

بغداد اور بغداد والوں کو یہیں چھوڑ دیجئے۔ ذرا آگے بڑھئے۔ اب آپ گنبدوں اور مناروں کی ایک موثر سرزمین کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کی یاد تذکرہ کی تقدیس کو زمانہ کے صدہا تغیرات وحوادث بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور سرزمین عراق کا سب سے زیادہ پر اثر اور تاریخی حصہ ہے۔ یہ کربلا کی سرزمین عبرت وبصیرت ہے اور روضۂ حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کا درخشاں گنبد۔ اور اس کے سر بہ فلک منارے آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ منارے حق کی طاقت کا اعلان ہیں اور کلمۂ حریت کی فتح اور کلمہ استبداد کی خسران وخذلان کی شہادت ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت حق کی ہے۔ نہ کہ انسانی تاج وتخت کی۔ اور خدا کی زمین پر سب سے بڑا فتح مند وہی ہے۔ جس نے سب سے زیادہ مظلومی کے ساتھ اپنا خون بہایا۔ تیرہ سو برس ہوئے کہ اس سرزمین پر دو گروہ باہم معرکہ آرا ہوئے تھے۔ ایک گروہ صرف بہتر جو کے پیاسے انسانوں کا نحیف وناتوان مجمع تھا۔ اور جالوں اور گردنوں کے سوا اس کے پاس

دجلہ وفرات کی نہریں ہر جگہ اور ہر حصہ میں بہ رہی ہیں! یہی جنت دنیا کے سب سے بڑے تمدنوں اور بڑی سے بڑی قوموں کی وراثت میں آئی۔ بابل اور نینوا کے تمدن نے یہیں نشو و نما پایا۔ اور ایرانیوں کا تخت جلال و عظمت صدیوں تک یہیں حکمرانی کرتا رہا۔ بالآخر وراثت ارضی کی جب آخری بخشش ہوئی۔ تو دنیا کے تمام خزائن و دفائن کے ساتھ تجری من تحتہا الانہار کی بہشت ارضی بھی مسلمانوں ہی کو سپرد کی گئی تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا۔

دنیا نے انقلابات و تغیرات کے سینکڑوں رنگ بدلے مسلمانوں نے اپنے اعمال صالحہ سے اگر اس بہشت ارضی کا اپنے آپ کو مستحق ثابت کیا تھا۔ تو بداعمالیوں سے اپنی نااہلی کا خود ہی فیصلہ کر دیا۔ ان کے باہمی اختلاف و شقاق کی تلواریں سب سے زیادہ یہیں مدینہ اسلام میں چمکیں اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے ہمیشہ اس بہشت سے دوسرے کو بے دخل کرنا چاہا۔ خدا کی زمین صرف صلحا کے لئے ہے۔ ان الارض یرثہا عبادی الصلحون۔ اور اس بنا پر کچھ عجیب نہ تھا۔ اگر اس بہشت ارضی کے بسنے والوں کو حکم الہی ملتا۔ جیسا کہ اور بہت سی سرزمینوں میں ملا۔

اھبطوا بعضکم لبعض عدو — اس جنت سے نکل جاؤ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے

لیکن اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور وہ صرف پورا ہی ہونے کے لئے ہے اس نے تجری من تحتہا الانہار کی جہاں کہیں بشارت دی ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا یعنی اس سرزمین بہشت کے تلے نہریں بہ رہی ہونگی اور یہیں مسلمان ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکالے نہ جائیں گے۔ اس کے وعدے کی سچائی کو دیکھو کہ دنیا میں صدہا انقلابات و تغیرات ہو چکے ہیں لیکن خالدین فیہا کے وعدہ کا فرمان حق الاتک بدستور نافذ و قائم ہے۔ اور تیرہ صدیوں کی عظیم الشان مدت کے اندر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا ہے کہ اس وعدے کی سچائی میں فرق آیا ہو۔ اس وعدہ الہی کی ماضی کو تمام دنیا دیکھ چکی ہے۔ مگر مستقبل کو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ وکان وعدہ مفعولا۔

یہی جنت تھی جس کا ایمان والوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور جس کا وعدہ گزشتہ صالح قوموں سے بھی کیا گیا تھا۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مریم)

ہمارے بندوں میں جو متقی ہوگا ہم ایسی ہی جنت کا اسے وارث بنائیں گے۔

ارباب ایمان و عمل صالح کے لئے یہ وعدہ آخرت میں پورا ہونے والا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں بھی پورا ہو گیا۔ اور جو لوگ خدا کے متقی بندے تھے انھوں نے اپنی آنکھوں سے بہشتی زندگی کی نعمتوں کو دیکھ لیا۔ کرۂ ارضی کی تمام بہشتی سرزمینوں کے وارث ہوئے۔ اور فتح مندی و کامرانی کی سلطانی و کامرانی صرف انہی کے لئے نامزد ہوگئی۔ اس بہشتی زندگی میں نہ تو ان کے لئے غم تھا اور نہ ہی نامرادی۔ نہ مایوسی کو وہاں بار تھا۔ اور نہ ناامیدی کا وہاں نام و نشان۔ وہ جو چاہتے تھے پاتے تھے۔ اور جس نعمت کے لئے اٹھتے تھے وہ خود ان کے سامنے جھکنے کے لئے دوڑتی تھی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (مریم)

دائمی عیش و مراد کے باغ جن کا وعدہ خدائے رحمٰن نے اپنے نیک بندوں سے کیا اور جو اگرچہ ان کے سامنے نہیں ہیں اور نہ ابھی وہ دیکھ سکتے ہیں مگر اللہ کا ارادہ یقیناً پورا ہو کر رہیگا۔ اس بہشتی زندگی میں سلامتی و کامرانی کے سوا کوئی بیکار و فضول صدا ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ ان کی رزق ان کے لئے صبح و شام تیار رہے گی۔ اپنی احتیاج اور رزق کے لئے وہ کبھی دکھ نہ اٹھائیں گے۔

اس بہشتی زندگی کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پس آخرۃ کی جنت اعلیٰ کا پرتو دنیا کی حیات بہشتی میں نظر آ گیا۔ اور وہ تمام بہشتی سرزمینیں مسلمانوں کو سپرد کی گئیں جن کے نیچے پاک و شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ آج سرزمین عراق ہی وہ دنیا کی جنت تھی جو عاقبت کی جنت کا ایک ظل کامل ہے اور جسکے نیچے

ہیں چڑھتے ہیں۔ سینہ چیر ڈالتے ہیں۔ بجری تار کا جال بچھا کر اس کے قلب میں شگاف کر دیتے ہیں لیکن اسکو خبر بھی نہیں ہوتی۔ آخر جب شدائد بہت بڑھتے ہیں۔ ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں تو وہ دفعتاً کروٹ لیتا ہے۔ ہیجان میں آتا ہے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم کا ایک معمولی طوفان ساری بندشوں کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ یہی حال قوموں کے ہبوط و صعود۔ ترقی و تنزل۔ حرکت و سکون اور موت و حیات کا بھی ہے۔ قومیں گرتی ہیں اسلئے کہ ابھریں۔ سوتی ہیں اس لئے کہ بیدار ہو جائیں۔ پیچھے ہٹتی ہیں اس لئے کہ آگے بڑھیں۔

مصائب کے تنوع نے بے شبہ ہماری موجودہ حالت خراب کر رکھی ہے مگر جراحت کو ناقابل اندمال کیوں فرض کئے لیتے ہو؟ دنیا تو اسی کا نام ہے۔ کہ مصائب و مشکلات پیش آئیں۔ زندگی تلخ ہو جائے۔ اذیتوں کا طوفان امڈ پڑے اس تلاطم میں انسان ہر زحمت کے مقابلہ کو اٹھ کھڑا ہو۔ اس کی کوششیں بار بار ناکام ثابت ہوں۔ قدم قدم پر ٹھوکریں ملیں۔ چلے اور گر گر پڑے لیکن پھر سنبھلے اور سب کچھ سنبھالے یعقوب بن لیث رنگ ٹھٹھیرا تھا۔ اس نے جب وہ کان بڑھا لئے تھے اور دوستوں سے حصول عزت اور عظمت کے تذکرے کئے سب لوگ کی باتیں سنتے تھے

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے چھپر کھٹ کا

وہ اس طعن تشنیع کا چند مختصر لفظوں میں جواب دیدیا کرتا تھا۔

میرے پاس مال نہیں ہے۔ دولت نہیں ہے۔ اعوان و انصار نہیں ہیں ملک گیری و ملک رانی میں سابقہ معرفت حاصل نہیں۔ مگر کیا میرے پاس وہ دل بھی نہیں ہے جس نے ایک خراسانی کافر کو ابومسلم بنا دیا تھا۔؟

دمشق کا جب تخت الٹا اور بنی امیہ کے جاہ و جلال نے آل عباس کے لئے جگہ خالی کی تو اس انقلاب کا علم بردار ابومسلم نامی ایک نومسلم خراسانی تھا یعقوب بن لیث کا اشارہ اسی طرف تھا کہ اگر ایک نومسلم ایک عظیم الشان

نتائج و عبر

قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ٥

(۷ - ۱۴)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کئے رہو۔ تب تو سب اللہ ہی کا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکو وارث بنا دیتا ہے اور حسن انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ وہ لگے کہنے کہ تمھارے آنے سے پہلے اور تمھارے آنے کے بعد بھی ہم تو اذیت ہی اٹھاتے رہے ہے۔ موسیٰ نے کہا اب وہ وقت قریب آرہا ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کرے۔ اور تم کو ان کا قائم مقام بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

دنیا میں ہمیشہ ناکامیوں نے کامیابی کی بنیادیں محکم کی ہیں جس قدر بندشیں بڑھتی گئیں جتنا استبداد زیادہ ہوا جیسے جیسے مظالم ترقی کرتے گئے ہی تا سب سے حوصلہ بھی بڑھتا گیا۔ اور ہمت نے بھی پر پرواز نکالے۔ شیر کو چوٹ لگتی ہے۔ زخم کھاتا ہے۔ مجروح ہو جاتا ہے مگر درماندہ ہو کر ہمت نہیں ہار دیتا۔ جوش انتقام میں دوڑتا پھرتا ہے۔ اور جب تک اپنی ابتدائی ناکامیابی کی صورت میں تبدیل نہیں کر لیتا خاموش نہیں ہوتا غاز (گیس) کو شیشہ میں بند کر دیتے ہیں۔ دباتے ہیں مگر وہ دباؤ کو نہیں مانتی اور پھوٹ بہتی ہے۔ درخت کی شاخیں قلم کرتے ہیں۔ کاٹتے ہیں۔ بے برگ و بار کر دیتے ہیں لیکن بہار آتے ہی اس میں نمو ہوتا ہے۔ پھولتا پھلتا ہے۔ ہرا بھرا ہو جاتا ہے سمندر کو مطیع بنانے میں کیا کیا کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس کی پشت پر جہاز چلتے

اس کی تنہا کوششیں حکومت میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔ اور ۱۲۹۲ء تک قلیل مدت میں اندلس کی تثلیث پر دوبارہ توحید غالب آکر زمین کو آسمان کے اس مقدس پیغام کا مفہوم سمجھا دیتی ہے۔

فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقا علینا نصر المومنین (۳۰:۴۷) — جن لوگوں نے جرم کئے تھے ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم پر حق تھا کہ ایمانداروں کی مدد کریں۔

یہ انتقام نصرت کچھ اسی زمانہ سے مخصوص نہیں۔ اور نہ قدرت کاملہ کے وعدو وعید میں کسی کی تخصیص ہوا کرتی ہے۔ ایمان کی خصوصیت اگر اب بھی ہمارے افعال سے نمایاں ہو۔ اور قانون الٰہی کی اس دفعہ پر اگر اس وقت بھی ہمیں سچا ایمان حاصل ہو جائے کہ ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین جمیعاً عزت صرف اللہ کے لئے۔ اس کے رسول کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور ہم اپنی اس کھوئی عزت اسلامی کو واپس لانے کے لئے باصول کوشش کرنے لگیں تو اس حالت میں خدا پر بھی حق ہے کہ ہماری مدد کرے۔ اور جو لوگ فنائے حق وعدل کے مجرم ہیں ان سے انتقام لے اور پھر یہی صداقت الٰہی ہے من انصاری الی اللہ کی صدائے دعوت میں اپنے ڈھونڈھنے والوں کو ڈھونڈھ رہی ہے لیکن افسوس قلیلا ما تذکرون۔ ایسے بہت کم ہیں جن کے پاس عبرت آشنا دل ہوں۔

فتنہ تاتار جس نے ساتویں صدی میں تمام عالم اسلامی کو زیر و زبر کر دیا اس کا سرمشق جلال الدین خوارزم شاہ تھا۔ اس کا یہ عالم تھا کہ ہلاکو خاں کی حملہ آور فوج پیچھے پیچھے اور غفلت اور مے گساری آگے آگے رہتی تھی۔ آج کسی شہر میں مقابلہ ہوا۔ تاتاریوں نے خوارزم شاہیوں کو پسپا کر دیا۔ بادشاہ سازوسامان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ رات کو بڑی مشکلوں سے کسی مامن میں پناہ لی لیکن پھر شراب اور شاہد اور رود وسرود کا مشغلہ شروع ہو گیا۔ دوسرے دن تاتاری یہاں بھی آپہنچے۔ اور خوارزم شاہ بھاگ کر کسی دوسری جگہ پناہ گزیں ہوا۔ پھر وہی دور چل نکلا۔ اور رات بھر جام و مینا کی صحبت عیش میں بسر ہوئی یہی تباہ کاریاں

حکومت کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ اور ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ تو
پھر ہر انسان کے لئے جو ہمت و عزم رکھتا ہے یہ کیوں ناممکن ہے۔

یہ عزم راسخ۔ یہ ہمت بلند۔ یہ جلالت آفریں حوصلے ایک ایسے شخص کے تھے
جس کے حصہ میں دنیا اور اس کی نعمتوں سے کوئی نمائش و نمود داری کی بات نہیں آئی
تھی۔ مگر یہ حساس دل تھا۔ یہ اللہ اکبر کی صدائیں تھیں یہ لیستخلفنکم فی الارض
قابلیت و صلاحیت رکھنے والے ایمانداروں کو زمین پر خدا اپنا جانشین بنائے گا کے
وعدہ پر یقین رکھنے والے جذبات تھے کہ ان کی برکت سے بالآخر ایک مجہول و بے
حیثیت ٹھٹھیرا ایران کا بادشاہ ہو گیا۔ اور خلیفہ روئے زمین کی عظمت و سپاہ
و سلطنت بھی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ تاریخ ایران یعقوب بن لیث کی داستان
عظمت و جلال آج تک سُنا رہی ہے۔!

ذٰلک بان اللہ مولی الذین آمنوا یہ اس لئے ہوا کہ حقیقت میں ایمانداروں
وان الکافرین لا مولیٰ لھم (۴۷-۱۱) کا مالک اور کارساز خدا ہے۔ اور جو خدا
کی قدرت کے منکر ہیں ان کا کوئی مالک اور کارساز نہیں۔

آج کل کا ۱۹۱۳ ۔ ۲۳ ۱۱ء کے اندلس سے گیا گزرا نہیں ہے۔ جہاں
مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چلا تھا۔ مسجدوں میں شراب پرتگالی کے دور
چلتے تھے۔ تماشا گاہوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تمثیل (ایکٹ) ہوتی تھی
الفانسو ہفتم نے ملک ہی سے نہیں۔ آزادی و عزت سے بھی مسلمانوں کو بے دخل
کر رکھا تھا۔ اس محشر آفات میں پرانے مذاق اور پرانے خیال کا ایک فقیر منش
مولوی اٹھتا ہے جس کے پاس بجز ایمان اور عمل صالح کے اور کوئی ساز و سامان
نہیں ہوتا۔ یہ شخص (محمد بن عبداللہ) مشرق سے روشنی لے کر مغرب میں اکیلا آتا
ہے۔ اور اکیلے ایک خدا کی جانب بندوں کو بلاتا ہے۔ اور اتباع قرآن
و احیائے سنت رسول کی دعوت دیتا ہے۔ اس دعوت میں صرف ایک شاگرد
(عبدالمومن) ساتھ ہے۔ لیکن صداقت کو بہت سے ساتھیوں کی ضرورت نہیں پڑا کرتی

ہائے یہ لوگوں کی تباہ کاری۔ یہ مذہب مقدس کا ضائع ہونا۔ یہ حوادث زمانہ سے شرفا کا ابتلا میں گرفتار ہو جانا۔

عصمت کی پردہ دری ہو رہی ہے۔ جذبات کا قتل عام ہے۔ حوادث ایسے پیش آرہے ہیں کہ بچوں کے بال سفید ہو جائیں۔ طرح طرح کے عذاب ہیں اور گرفتاریاں و نوع میں آرہی ہیں۔

وقت آگیا ہے کہ ان حالات پر ہم غور کریں۔ ان علامات کو پیش نظر رکھیں ان مقدمات و نتائج سے اثر پذیر ہوں۔ اور اس دیرینہ روش کو جو فرسودہ ہو چکی ہے۔ جو ہمیشہ بے سود ثابت ہوئی ہے جس نے قوم کو ولولہ حیات سے محروم کر رکھا ہے ترک کر کے اس نئی وادی میں قدم رکھیں جو خدا نے مقدس کوہ سینا پر موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل کو دیا تھا۔

" دیکھو میں آج کے دن تمھارے آگے برکت اور لعنت دونوں کو رکھے دیتا ہوں۔ برکت جب کہ تم اپنے خدا کے احکام کو جن کا میں آج تم کو حکم دیتا ہوں سانو۔ اور لعنت! جب کہ تم اپنے خدا کی فرماں برداری نہ کرو۔ اور اس راہ سے پھر کے جس کی بابت میں آج تم کو حکم دیتا ہوں پرائے معبودوں کی جنھیں تم نے نہیں جانا پیروی کرو۔

جب تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جہاں تو جاتا ہے کہ اس کا وارث بنے داخل کرے گا تو اس برکت کو تو جرسیم کی پہاڑی پر سے۔ اور لعنت کو عیبال پر سے سنائے گا.... تم اردن پار جاتے ہو کہ اس سرزمین کے جو تمھارا خدا تمھیں دیتا ہے۔ وارث ہو۔ تم اس کے وارث ہوگے۔ اور اس میں بسوگے لہذا تم ان تمام حقوق و احکام کی محافظت کرو جنھیں میں آج تمھارے سامنے رکھتا ہوں اور ان پر عمل کرو (استثنا - ۱۱ - ۲ - ۳۲)

* بجلی ہتی واشنگٹن کے ایک مدرسہ ثانویہ (سکنڈری اسکول) میں طلبا کا

تھیں جن سے متاثر ہوکر بادشاہ کے خاص شاعر تک کا دل بھر آیا تھا۔ اور اس نے لکھا تھا کہ

شاہا زمے گراں چہ برخواہد خواست | وز مستی ہر زماں چہ برخواہد خواست
شہ مست جہاں خراب دشمن پس و پیش | پیدا ست کزیں میاں چہ برخواہد خواست

بادشاہ اس پر بھی متاثر نہ ہوا۔ اور آخر اپنی سلطنت ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی ساری عظمت و عزّت بھی کھو بیٹھا۔

یہ واقعات آج سے سات سو برس قبل کے ہیں لیکن اپنی حالت کو دیکھئے کیا ہماری غفلت اور بے حسی اس عہد کی سرمستی سے بڑھی چڑھی نہیں ہے۔

ہندوستان میں ہیں تو ہندوستان سے باہر نہ جائیے یہیں کا ماضی و حال سلف و خلف کے موازنے کے لئے کافی ہے۔ ایک عہد تو وہ تھا کہ خان دوراں کو عین معرکۂ جنگ میں نماز پڑھتے ہوئے گولی لگتی ہے۔ وہ شہید ہو جاتا ہے۔ سپاہی بدل ہو جاتے ہیں۔ لشکر میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ اسی حالت میں معین الملک (میر منو) اٹھتا ہے۔ مرحوم سپہ سالار کی لاش آگے رکھ لیتا ہے۔ اور اس شدت سے حملہ کرتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی جیسے نبرد آزما کو "دست ستیز" پر "پائے گریز" کو ترجیح دینی پڑتی ہے دشمنوں سے میدان خالی ہو جاتا ہے۔ اور وہی فوج جو ایک گھنٹہ قبل سراسیمہ ہوکر بھاگنے پر تلی بیٹھی تھی اپنے احساس کے بیدار ہوتے ہی حریفوں کو بھگا کر دم لیتی ہے

اب اس قوم کی یہ حالت ہے کہ مدنیت فرنگ اس پر یکسر مسلط ہو چکی ہے دین و دولت لے چکی ہے۔ علم و فضل لے چکی ہے۔ تہذیب و تمدن لے چکی ہے۔ اس کے تمام مواد حیات کو فنا کر چکی۔ اور اب اس کے بقیہ نفائس کو نیست و نابود کر دینے پر آمادہ ہے۔ مذہب کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے اور وہ اسے چھوڑ کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں

وصنيعة الناس الذين الحنيف وما | تلقاه من حادثات الدهر اجواد
هتك وقتل واحداث يشيب بها | راس الوليد وتعذيب واصفاد

ہوئے نہ عملی طریق پر ملک کی ثروت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور نہ ایجاد و اختراع ہی کی جانب توجہ پیدا ہوئی۔ اس تمام تعلیمی تگ و دو اور غوغائے علم کا نتیجہ صرف اسی قدر نکلا کہ سرکاری دفتروں میں محرری و نظامت کے لئے کم معاوضہ پر فرنگی کارکن نہیں مل سکتے تھے۔ ہندوستانیوں کو انگریزی میں بہرہ نہ تھا۔ انگریزی افسر ہندوستانی محرروں کے حاجتمند بھی تھے۔ اور ان کے ہاتھوں زحمت بھی اٹھاتے تھے۔ پس سرکاری یونیورسٹیوں نے یہ زحمت بھی رفع کر دی۔ کلرکی کے لئے اس تعلیمی ترقی کے دور میں ہر قسم کے ہندوستانی گریجویٹ ملنے لگے۔ جن کی زندگی کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ کمائیں کھائیں اور گورنمنٹ کی غلامی میں عمریں گزار دیں۔

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد

یہ حالت تو ہندوستان کی ہے۔ جہاں ایک نہیں پانچ سرکاری یونیورسٹیاں پہلے موجود ہیں اب ایک اور نئی یونیورسٹی ڈھاکہ میں قائم ہونے والی ہے۔ اور پچھلے دنوں سر جارج کلارک گورنر بمبئی نے احمد آباد گجرات میں بھی ایک سرکاری یونیورسٹی قائم کرنے کی رائے دی تھی۔ اسکے مقابلہ میں ارض شام کی حالت دیکھیے جہاں ایک یونیورسٹی بھی نہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی کالج بھی قائم نہیں ہے۔ صرف گورنمنٹ اسکول ہیں یا بیروت میں مشنریز امریکہ کا ایک بہت ہی مختصر کالج ہے جو اپنا آپ ہی امتحان لیتا ہے اور سند دیتا ہے۔

تاہم تعلیم کا نظام اتنا سود مند ہے۔ نشوونما کے دماغ پر اس قدر زور دیا جاتا ہے اظہار موہبت فطریہ کے محرکات اس درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں کہ وہی معمولی تعلیم ان میں مصنفین شہیر پیدا کر سکتی ہے۔ مگر ہماری غیر معمولی تعلیم ایجاد و اختراع کے سمجھنے و علوم و فنون کا صحیح مطالعہ کرنے میں مدد نہیں دے سکتی۔

عبداللہ آفندی البستانی ارض شام کے ایک مشہور بزرگ ہیں جن کو تعلیمی حیثیت سے یونیورسٹی کی کوئی ڈگری حاصل نہیں۔ حال ہی میں انھوں نے ایک نئی چیز دریافت کی ہے جس کا غلغلہ دمشق و بیروت سے نکل کر یورپ تک پہنچ گیا ہے۔

تمباکو کے نقصانات اسقدر عام اور وسیع ہیں کہ ان مضرتوں کا تذکرہ اب ایک طرح کا اعلام معلوم ہو گیا ہے۔ علمائے حفظ صحت اس کے ضرر پر رسالے لکھ چکے ہیں بڑی بڑی

امتحان تھا۔ جوابات کے لئے ایک یہ شرط بھی لگا دی گئی تھی کہ جواب کی کاپیوں پر خاتمہ مسائل کے بعد جہاں نام لکھے جاتے ہیں۔ وہاں ہر ایک متعلم یہ بھی لکھے کہ تعلیم کے بعد وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طلبا کا شمار ڈھائی سو تھا۔ ان میں بجز دس لڑکوں کے جنھوں نے تعلیم کے ذریعہ قوم کو فائدہ پہنچانے کے لئے سر رشتۂ تعلیم کی ملازمت پسند کی تھی اور سب نے آزاد کاروباری زندگی کی جانب رغبت ظاہر کی۔ اور سرکاری ملازمت کو پسند کرنے والا کوئی نہ نکلا۔ طلبا میں ایک غریب گھرانے کی نوخیز لڑکی بھی تھی۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ لکھا تھا " میں امریکہ کی پرسیڈنٹ (رئیس الجمہور) بننا چاہتی ہوں غریب لڑکی کو معلوم تھا کہ اس کی حالت خستہ ہے۔ خراب ہے۔ بے بس ہے۔ بےکس ہے۔ عورتوں کو رئیس الجمہور بننے کا حق بھی حاصل نہیں لیکن حقیقی معیار تعلیم نے اس کے خیالات بلند کر رکھے تھے۔ اور اس کو یقین تھا کہ مدعائے تعلیم یہی ہے۔ کہ گرے ہوئے دل و دماغ ہمیشہ گرے ہی نہ رہیں۔ بلکہ ان کو ابھرنے اور عزت کی سب سے اونچی سطح پر پہنچنے کا موقع مل سکے۔

تعلیمی روشنی کے نقطہ شعاعی (فوکس) ایک طرف تو یہ ہے۔ اور دوسری جانب یہ ہے کہ پڑھو۔ پڑھ کر گریجویٹ بنو۔ لیکن صرف اس لئے کہ تمھارے لئے چاکری کی کوئی سبیل نکل سکے۔ تم اپنی ساری زندگی اسی غلامی میں بسر کردو اور اسی کو حاصل ایام سمجھو

ماہمہ بندہ و ایں قوم خداوندانند

فاعتبروا یا اولی الابصار

کچھ اوپر سو برس ہوئے ہندوستان میں انگریزی حکومت آئی اور جدید علم و فن کو اپنے ساتھ لائی۔ اسکول بنائے۔ کالج قائم کئے۔ تربیت گاہ (ہوسٹل) واقامت گاہ (بورڈنگ ہاؤس) کی بنیاد ڈالی۔ وظیفے دئے۔ ملازمتوں کا دروازہ کھولا۔ سر رشتۂ تعلیم کی رسی دراز کی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ تعلیم کا نظام اور اسکا طرز و طریق ہی ایسا ناقص تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ نہ ذہنیات ہی میں ترقی کر سکا نہ دماغ ہی آراستہ

سرگزشت مصالحۃ

ود والوتدھن نیدھنون

خیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز

آج میں قرآن حکیم کی بعض آیات اور آغاز اسلام کے ایک واقعہ کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

اسلام نے حق پرستی کی جو تعلیم دی ہے وہ دنیا کے موجودہ اخلاق کی مدعیانہ حق پرستی سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ قرآن حکیم اور اسوۂ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں حق کا اصول بتلا دیا ہے۔ ایک طرف تو یہ تعلیم دی فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں مخالفوں کے ساتھ نرم دل بنا دیا ہے کہ باوجود اس کی سختی و قساوت کے تم حسن اخلاق و صبر و تحمل سے پیش آتے ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی تمہارے پاس نہ آتا۔

دوسری جگہ حکم دیا واغلظ علیہم۔ باطل پرستوں کے ساتھ نہایت سختی کرو۔ کہ وہ نرمی کے مستحق نہیں۔

پہلا موقع تو عام طور پر حسن خلق۔ کشادہ روئی۔ صبر و تحمل۔ نرمی طبیعت۔ تہذیب لسان و لہجۂ سخن کا تھا۔ اس لئے داعی اسلام کے ان اوصاف کو رحمت الٰہی قرار دیا لیکن دوسرا موقع حق و باطل صدق و کذب اور ایمان و کفر کے مقابلہ کا تھا۔ فرمایا کہ جس قدر سختی کر سکتے ہو کرو کہ عین عدل و اخلاق ہے۔

انجمنیں اس کی عادت چھڑانے کے لئے قائم ہیں۔ اور حکومتوں نے اس کے لئے قوانین نافذ کئے ہیں۔ تاہم ایک صدی سے جو شے جزو زندگی ہو گئی ہے اس کا ترک بہت مشکل ہے۔

عبد اللہ البستانی کو فلسفہ اجتماع کی اس حقیقت کا علم تھا کہ جس طرف پبلک کا عام رجحان ہوا اور یہ رجحان پختہ ہو چکا ہو۔ اس کی فوری بندش کی کوششیں ناکام رہتی ہیں۔ اصلاح البتہ ممکن ہے۔ اور وہ بھی تدریجی رفتار سے مقبول ہو سکتی ہے۔ تمباکو میں جو مضرت خاص چیز ہے وہ ایک قسم کا زہریلا مادہ ہے۔ جو استعمال کرنے والوں کے اعضائے رئیسہ پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ اس مادہ کا علمی نام "نیکوٹین" ہے۔ اور وہی ان مضرتوں کا باعث ہے۔ بستانی کی اختراعی قابلیت نے ایک ایسی چیز نکالی ہے کہ تمباکو کے مزے اور ذائقہ وبوئیں فرق بھی نہیں آنے پاتا۔ اور یہ مادہ بھی اس سے نکل جاتا ہے۔ مصر کے سینیٹری کمشنر (افسر محکمہ حفظان صحت) ڈاکٹر پیٹر نے اس اکتشاف کی نہایت کامیاب تصدیق کی ہے۔

ایجاد کی علمی تصدیق یوں ہوئی کہ ایک سو خرگوشوں کے خون میں مادہ نکوٹین پچکاری کے ذریعے پہنچایا گیا۔ ہنوز پورے بیس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سب کے سب مر گئے۔ پھر اس مادہ سے الگ کئے ہوئے تمباکو کے جوہر سے دوسرے خرگوشوں پر یہی عمل کیا گیا۔ مگر وہ بالکل زندہ رہے۔ اور ان کی طبعی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔

فاضل مکتشف نے پچھلے مہینے میں اس اکتشاف کے متعلق مصر میں ایک لیکچر بھی دیا تھا۔ اور اس کیفیت کا تجربہ دکھا دیا تھا۔ چنانچہ علمی دنیا کے مختلف حصوں سے انہیں پرجوش مبارک باد دی گئی ہے۔

کیا ہندوستان میں بھی وہ دن آئے گا کہ تعلیم کا صحیح معیار اور درست انتظام قائم ہو۔ اور تعلیمی نتائج بہترین علمی اکتشاف کی صورت میں ظاہر ہوا کریں؟

◆ — ◆ — ◆

کہنے لگے حق تو وہی تھا جو تم چاہتے ہو کہ تم سے صلح کر کے دے دیں۔ جب وہ دے دیا گیا تو اس کے بعد باطل و کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہے **فماذا بعد الحق الا الضلال**۔ ابو طالب کے دل میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت تھی۔ مگر قوت ایمانی نہ تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ بول اٹھے اس میں کیا حرج ہے اگر آپ انکے بتوں کو برا کہنا ؟

آج کل بھی میں دیکھتا ہوں کہ میرے بعض احباب ہیں جن کے دل میں سچائی کا ایک ولولہ تو ضرور ہے لیکن ایمان کی وہ قوت نہیں ہے جو سچائی کی راہ میں دکھ اٹھانے کی ہمت بخش سکے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر آزادی کا ولولہ خدا پرستی اور تعلیم اسلامی کی راہ سے نہیں آیا ہے۔ بلکہ محض دوسروں کی دیکھا دیکھی۔ اور حریت خواہ قوموں کی تقلیدی جذبہ کی بنا پر۔

بہر حال اس مصلحت کی خواہش نے انہیں ڈگمگا دیا۔ وہ یا تو کفر کی دلفریبی سے مرعوب ہو گئے۔ یا مصیبتوں اور آزمائشوں کے تصور سے ڈرا دئے گئے نفس خادع جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا ہے۔ اب بولنے لگا ہے۔ او ضعف ایمانی دھوکا دیتا ہے کہ اس میں حرج کیا ہے آخر وقت و مصلحت بھی تو کوئی چیز ہے۔ پولیٹکل کاموں میں نرمی و گرمی دونوں ہوتی ہیں۔ کام کے لئے پہلی شے فرصت ہے۔ اگر ہم نہ رہے تو ہماری تمام باتیں بھی نہ رہیں گی۔ بہتر ہے کہ سر دست اس مصالحت کو مان لیں اور نرمی کریں تاکہ ہمارے ساتھ بھی نرمی کی جائے **ودوا لو تدھن فیدھنون**

لیکن افسوس کہ میرے نادان دوست نہیں سمجھتے کہ "مصالحت" بقائے حق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ فنائے حق کے بعد۔ نرمی کے یہ معنی ہیں کہ کسی کام کو سختی سے نہ کیجئے۔ نہ یہ کہ کیجئے ہی نہیں ؛ سچائی کے ساتھ اگر کچھ ہے تو دے دیجئے پر سچائی کے اندر جو کچھ ہے وہ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ کسی شئی کا غلاف آپ بدل دے سکتے ہیں لیکن جب تک اس کی محبت آپ کے اندر ہے خود اسے دوسری شئے سے نہیں بدل سکتے۔ پھر حق کی راہ میں مرعوبیت اور خوف ایسا ہی ہے۔

چنانچہ سورۂ قلم میں ایسی نرمی کو جو حق و صداقت کے خلاف ہو اور راہ عدالت سے منحرف کردے "مداہنت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

بعض کفار آنحضرت صلعم کے پاس جمع ہو کر آئے اور کہا کہ بہتر ہے کہ ہم میں اور آپ میں ایک راضی نامہ ہو جائے۔ آپ جو کچھ تعلیم دینا چاہتے ہیں دیجئے لیکن صرف اتنا کیجئے کہ ہمارے بتوں کو اور ہماری بت پرستی کو بُرا نہ کہیئے۔ اس کے بدلے میں ہم آپ کو مال و دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ بلکہ حجاز کا بادشاہ بھی تسلیم کر لینے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن اس نے جو نہ صرف ریگستان عرب کا بلکہ تمام بر و بحر عالم کی ہدایت کا شہنشاہ ہونے والا تھا بے ساختہ جواب دیا۔

لو جئتمونی بالشمس حتی تضع فی یدی ما سألتکم غیرھا (بخاری) عرب کی بادشاہت تو کیا شے ہے؟ اگر تم سورج کو بھی آسمان سے اتار کر میری مٹھی میں رکھ دو۔ جب بھی میں سوائے کلمۂ حق کے دوسری بات منظور نہ کروں گا۔

خدا تعالیٰ نے اسی مصلحت اور نرمی کی خواہش کی نسبت فرمایا ودوا لو تدھن فیدھنون۔ یہ باطل پرست کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ اعلان حق میں نرمی کر تو وہ بھی تیرے ساتھ نرمی کریں گے۔ حالانکہ کفر کو راضی رکھ کے ایمان کی دعوت کبھی نہیں دی جا سکتی۔ فلا تطع المکذبین پس ان لوگوں کی خواہشوں کی اطاعت نہ کر جو حق و عدالت کو جھٹلانے والے ہیں۔ رؤسائے قریش مکہ کی طرح آج ہمارے سامنے بھی ایک قوی اور طاقتور گروہ موجود ہے جو چاہتا ہے کہ حق کے اعلان۔ جبر کی فریاد۔ اور عدل کی طلب میں ہم اس کی نرمی کریں۔ اور پھر وعدہ کرتا ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ بھی ہمارے ساتھ نرمی کریگا۔

حضرت ابو طالب کے مکان میں رؤسائے قریش نے داعی اسلام سے کہا تھا کہ وہ سب کچھ کہیں مگر ان کے بتوں کو بُرا نہ کہیں یہی شرط مصالحت ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم سے بھی کہا جاتا ہے کہ تم سب کچھ کہو مگر ان بتوں کو بُرا نہ کہو جو خدا پرستوں کو اپنا غلام بنا رہے ہیں۔ یہی صلح کا طریقہ ہے۔ لیکن اگر یہی طریقہ ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے چھوڑ دینے کے بعد ہمارے پاس اور کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جو

یہ مصالحت اور "نرمی" کی خواہش نہیں ہے۔ بلکہ ایمان سے ارتداد حق سے انحراف کی دعوت ہے نعوذ باللہ من شرھا و شرار عداء الحق و ائمۃ الکفر !!

اب سے تیرہ سو تیس برس پہلے جب اسی "مصالحت" کو ائمہ کفر و نائبین شیاطین نے پیش کیا تھا تو اسلام کے داعی اول نے حق اور صداقت پرستی کے ایک شہنشاہانہ استغنا کے ساتھ یہ کہہ کر بے باکانہ رد کر دیا تھا۔

لو جئتمونی بالشمس حتی تضع فی یدی	اگر تم میں ایسی طاقت و قدرت پیدا ہو جائے
ما سألتکم غیرھا	کہ تم آسمان سے سورج اتار کر میری ہتھیلی پر رکھ دو

جب بھی طلب حق کے سوا تم سے اور کچھ نہ چاہوں گا۔ اور وہی کہوں گا جو کہہ رہا ہوں۔

پھر آج بھی اس مقدس داعی حق کا کوئی سچا فرزند ہے جس کو حق کا پاک و مبارک عشق اسلام کے ورثہ میں ملا ہو۔ جو ویسے ہی کبر صداقت۔ ویسے ہی عظمت حقانی ویسے ہی شان صمدانی اور بالکل اسی طرح شہنشاہوں کے سے استغنا اور تاجداروں کی سی ہیبت و جبروت کے ساتھ بلا خوف و تذلزل اس مصالحت کفر خواہ اور سخاد باطل اندیش کو علانیہ ٹھکرا دے۔ اور اپنی صولت الٰہی اور دبدبۂ ملکوتی سے ارواح و ملائکہ حقانیت اور ملاء علیین صداقت کو غلغلۂ حمد و ثنا سے جنبش میں لے آئے۔

زمین کے حق پرست انسان اور آسمان کے فرشتے دونوں اس کے منتظر ہیں۔

خیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز	پیش از آنکہ شود کاسۂ سر خاک انداز
عاقبت منزل ما وادی خاموشان است	حالیہ غلغلہ در گنبد افلاک انداز

• — • — •

جیسے دریا میں کپڑوں کے بھیگنے سے گریز۔ آپ سے کس نے منت کی تھی کہ آگ سے پھلے انگاروں کو مٹھی میں لینے کا دعوی ہے تو آبلہ پڑنے کی شکایت کیوں کی جاتی ہے راحت پرستوں کو چاہئے کہ کانٹوں پر چل کر پاؤں چھلنے کی شکایت نہ کریں۔ بلکہ اس خارزار میں سرے سے قدم ہی نہ رکھیں۔

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است و منزل اول قیامت است

یہ سمجھنا کہ کام کے لئے عافیت و فرصت ضروری ہے۔ سچ ہے۔ مگر اس آرام پرستی کے استعمال کا یہ موقع نہیں۔ اگر آپ حق و عدالت کا کام کر رہے ہیں تو صرف کام کیجئے۔ اس کی فکر نہ کیجئے کہ ہمارے بعد کیا ہوگا؟ سچائی اور راست بازی کل کی فکر سے بے پرواہ ہے۔ اس کا بیج کبھی بھی شرمندۂ دہقان و کاشتکار نہیں ہوا۔ وہ خود ہی پھوٹتا ہے اور اپنی پرورش کے لئے خود اپنے اندر آب حیات رکھتا ہے۔ بالفرض اگر اسے اپنی نشو و نما کے لئے پاسبانوں کی ضرورت ہے تو آپ اس کی فکر کو اپنی راحت جوئیوں کے لئے حیلہ نہ بنائیں۔ اگر آپ نہ ہوں گے تو آپ کی جگہ خود بخود ویسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو آپ سے کام میں بہتر اور تعداد میں زیادہ ہوں گے۔

گماں مبر کہ تو چوں بگزری جہاں بگذشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست

اور غور کیجئے تو جس چیز کو آپ سچائی کی موت سمجھتے ہیں وہی تو اس کے لئے زندگی کا آب حیات ہے۔ اگر حق کا بیج آپ کے دامن میں ہے تو زمین کے سپرد کر دیجئے۔ اور ہو سکے تو اپنے خون کے دو چار قطرے بھی اس پر چھڑک دیجئے کہ یہی اس کے لئے آبپاشی ہے۔ اس کے بعد آپ کا فرض ختم ہوگیا۔ اب وہ حق نواز اور صداقت پرور اپنے کھیت کی خود نگرانی کرلے گا۔ جو اب بھی ویسا ہی نگرانی کرنے والا ہے جیسا کہ ہمیشہ رہا ہے۔

قل ھو الرحمن امنا بہ وعلیہ توکلنا فستعلمون من ھو فی ضلال مبین (۶۷-۲۰)

وحیات بھی ایک بالاتر قانون حیات وممات کے ماتحت ہے ۔ آسمان اس سے دور ہے مگر زمین تو قدموں کے نیچے ہے۔ اگر نظروں کو اوپر نہیں اٹھاتا تو تعجب ہے کہ نیچے بھی نہیں دیکھتا؟ زمین جب اپنی زندگی کی تمام علامتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کی سطح پر کھیلنے والی وہ دلفریب روحیں جن کے العاب حیات سے اس کی ساری رونق اور دل کشی ہے ایک ایک کرکے اس سے رخصت ہو جاتی ہیں عالم نباتات گلہائے لطیف جن کے مظاہر جمال کے الوان مختلفہ سے ان کا چہرہ اجرام سماوی کے حسن کو بھی شرمندہ کر دیتا ہے ۔ خزاں کے ظلمات ہلاکت کی تاب نہ لاکر اس کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ روح نباتاتی کا کوئی اثر اس میں باقی نہیں رہتا ۔ کھیت خشک ہو جاتے ہیں۔ باغ جنگل نظر آتے ہیں ۔ اور سرچشمہ حیات یعنی پانی بھی اپنی بخشش نشوں کو روک دیتا ہے ۔ اس وقت زمین یکسر مرقع موت و ہلاکت ہو جاتی ہے ۔ لیکن پھر جب حیات بعد الممات کا قانون رونما ہوتا ہے تو موسم بہار رحمت الٰہی کا پیغام لے کر ــــ خزاں کی تمام علامتیں ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگتی ہیں خشکی کی جگہ تروتازگی افسردگی کی جگہ شگفتگی اور موت کی جگہ زندگی کے آثار ہر طرف نظر آنے لگتے ہیں ۔ پھر کیا یہ اموات کی حیات اور اجساد کا حشر نہیں ہے ؟

اس سے بھی بڑھ کر اس قانون الٰہی کے وہ مظاہر ہیں جن میں زندگی موت کے بعد نہیں ۔ بلکہ موت سے زندگی اور زندگی سے موت پیدا ہوتی ہے یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی غور کر کے دیکھا جائے تو دنیا میں اس کی ہزاروں مثالیں ملیں گی کیتنی گمراہیاں ہیں جن سے رہنمائی کی حرکت پیدا ہوتی ہے کیتنی تاریکیاں ہیں جن کی شدت روشنی کو دعوت دیتی ہے ۔ اور کتنی خونریزیاں ہیں جن میں گو خون کی ندیاں بہتی ہیں لیکن انہی سے حیات و زندگی کی روح پیدا ہوکر دنیا میں پھیل جاتی ہے ۔ بنی اسرائیل کی سخت و شدید ضلالت ہی نے ظہور مسیح کا سامان کیا ۔ کعبہ کی دیواروں پر سینکڑوں بتوں کی تصویریں کیسی سخت تاریکی تھی ؟ لیکن یہی تاریکی جب حد درجہ تک پہنچ گئی تو آفتاب

نامور ملت پرست غیور

ابراھیم ثریا بک

حیات بعد الممات

"قدرت الٰہی کے مظاہرہ آیات میں سب بڑی نشانی اجنیئے موت ہے؟
اور اس کے۔لئے کسی ما فوق الفطرت معجزے کی ضرورت نہیں۔ کاروبار فطرت
میں روز مرہ قدرت الٰہی اپنا اپنا اعجاز دکھلاتی ہے۔ اور کائنات عالم کی کوئی
ہستی نہیں جس کے اندر ہر وقت و لمحے حیات بعد الممات کا قانون جاری وساری
نہ ہو۔ ہزاروں ہستیاں ہیں جو اس حیات سرائے عالم میں روز مرتی ہیں اور پھر
زندہ ہوتی ہیں ولکن اکثرھم لا یعلمون

قرآن کریم ہر جگہ آثار قدرت اور آیات فطرت کے بیان سے وجود الٰہی
پر استدلال کرتا ہے۔ مگر شاید سب سے زیادہ اس نے زور اسی نشانی پر دیا ہے

یخرج الحی من المیت و یخرج	خدا تعالےٰ زندگی سے موت اور
المیت من الحی و یحی الارض	موت سے زندگی کو پیدا کرتا ہے اور
بعد موتہا وکذالک	جب زمین پر موت چھا جاتی ہے تو
تخرجون	اسے پھر زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح
	تم کو بھی۔ موت کے بعد زندہ کھڑا کر دیگا۔

لیکن انسان کی ایک قدیمی نادانی یہ ہے کہ گوشت اور خون سے بنے ہوئے
جسم کی حرکت ہی کو زندگی اور اس کے جمود ہی کو موت سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس جسم کی موت

سب سے پہلے (ابراہیم ترپابک) کے چہرے پر ایک نظر ڈالئے۔ آپ کے
لئے یہ کوئی نئی وضع اور قطع نہیں ہے۔ ہندوستان میں نئی صحبت کے سینکڑوں
نوجوان اس قطع کے آپ نے دیکھے ہونگے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہوتا کہ ایک
تعلیم یافتہ ترک کی تصویر ہے تو عجب نہیں کہ آپ اسے (علی گڑھ کالج) کا ایک
فیشن ایبل گریجویٹ قرار دیتے لیکن

لشتان ما بین الیزیدین فی الندی
یزید سلیم و الاعز ابن حاتم

یہی چہرہ جو زیب و آرائش اور وضع قطع کی تزئین کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یہی گردن
جس میں باوضع کالر کے حلقے اور نکٹائی کی چست اور صحیح بندش سے خوشنمائی اور
رعنائی پیدا کی گئی ہے۔ یہی جسم جو قیمتی اور خوش قطع کپڑوں کے اندر راحت
جوئیوں اور آرام پسندیوں کا ایک مرقع معلوم ہوتا ہے۔ آج مہینوں سے ریگستانی
افریقہ میں تپتی ہوئی زمین پر غبار آسمان۔ موسم زدہ فضا۔ اور بسا اوقات کسی پرانے
کمبل کے بنائے ہوئے خیمے۔ یا نخلستان سے گھرے ہوئے جھنڈ اور گولیوں کی بارش۔
اور توپوں کی آتش باری کے اندر ایک سخت جان اور عادی سپاہی کی طرح مصروف
قتال و دفاع ہے۔ جو سر کل تک خوش نما فیز سے محفوظ تھا۔ آج میدان قتال
کی گرد وغبار کے لئے برہنہ کر دیا گیا ہے۔ جن آنکھوں پر کل تک نازک کمانیوں
کی عینک چڑھی ہوئی تھی آج مجاہدین کے گھوڑوں کی خاک کے سُرمے کے تحفظ
میں کھلی ہوئی ہیں۔ جو گردن کل تک رنگین نکٹائی کے حلقے سے خوبصورت بنائی گئی
تھی آج راہ اسلام پرستی میں لٹکے ہوئے خون کی چھینٹوں سے رنگین ہو رہی ہے
اور جو سینہ کل تک خوش قطع ویسٹ کوٹ سے ملبوس تھا آج دشمنان ملت
کی گولیوں کے زخم کے لئے کھول دیا گیا ہے۔

اسلامی خصائص کی یہ اصلی تصویر ہے۔ جو آج صدیوں کے بعد نظر آ رہی
ہے۔ اسلام دین اور دنیا دونوں کو ایک ہی زندگی کے اندر جمع کرنا چاہتا ہے۔ وہ کھلے

توحید کعبہ کی چھت پر طلوع ہوا صلیبی لڑائیوں نے صدیوں تک یورپ اور ایشیا کے امن کو تاراج کیا لیکن یہی لڑائیاں تھیں جنھوں نے یورپ کے دور جدید کی بنیاد رکھی ۔ اور سینکڑوں تمدنی اور اخلاقی فوائد تمام اقوام مغرب نے حاصل کئے ۔

پچھلے نمبر میں ادھم پاشا کی ایک تقریر ہم نے انھیں کالموں میں درج کی تھی ۔ انھوں نے الحق کے نامہ نگار سے کہا تھا کہ اٹلی نے ہم سے ایک چیز لینی چاہی تھی ۔ مگر اس نے سب کچھ ہمیں دے دیا ۔ درحقیقت جنگ طرابلس بھی اس قدرت الٰہی کی ایک بہت بڑی مثال ہے کہ :-

یخرج الحی من المیت و وہ موت سے زندگی اور زندگی
یخرج المیت من الحی سے موت پیدا کرتا ہے ۔

جنگ طرابلس ایک خونریزی تھی ۔ لیکن غور کیجئے تو اس خونریزی نے اسلام کے لئے نئے دور حیات کی بنیاد رکھ دی ہے ۔ دنیا میں اصلی طاقت اخلاقی طاقت ہے ۔ اور اصلی فتح اخلاقی فتح ہے ۔ اس جنگ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مردہ جذبات میں روح پھونک دی ۔ اور ایک اصلی اور حقیقی اخلاقی حرکت تمام عالم اسلام میں پیدا کر دی ۔

اس اثر کی سب سے بڑی مثال اسلام پرستی کا وہ غیرت کارانہ جوش ہے جو اعلان جنگ کے ساتھ ہی تمام عالم اسلامی اور علی الخصوص تمام عثمانی ممالک میں پیدا ہو گیا ۔ ترکوں کا کوئی طبقہ اور کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو آج طرابلس کے مختلف میدانوں میں سرگرم قتال و کارزار نہ ہو سب سے زیادہ گروہ طلبا اور اہل قلم کا ہے جنھوں نے تلوار کو بلند ہوتے دیکھا تو خود بھی اپنے قلم کو تلوارسے بدل لیا ۔ اس سے پیشتر ہم متعدد اشخاص کا ذکر کر چکے ہیں ۔ لیکن آج جو تصویر آپ کے سامنے ہے اس کی عزت و احترام میں کمی نہ کیجئے ۔ کہ یہ اسلام پرستی اور ملی فدا کاری کے شرف و تقدیس کی ایک مقدس تمثال ہے ۔

ھمّوا بما لم ینالوا

ہمیں دو ہفتے پیشتر سے بعض امور کی اطلاع تھی - اور متعدد موثق ذرائع سے شملہ اور رامپور سے ان کی نسبت مفصل تحریریں دفتر میں پہنچ چکی تھیں مگر ہم ہمیشہ واقعات کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں - اور ارادوں اور نیتوں کے معاملات کو عفو و درگزر کا مستحق سمجھتے ہیں۔

مومن کو چاہئے کہ اپنے اندر اخلاقِ الٰہی پیدا کرے تخلقوا باخلاق اللہ اللہ کے اخلاق کا یہ حال ہے کہ اس نے ہمارے ارادوں اور نیتوں کی لغزشوں کو معاف کر دیا ہے - اور جزا اور سزا کا احتساب صرف اعمال و جوارح و جسم پر مرتب ہوتا ہے -

سورہ بقر میں یہ آیت جب نازل ہوئی

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ تمھارے دلوں کے اندر جو باتیں ہیں۔ یحاسبکم بہ اللہ (٢-٢٨٤) خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ - لیکن اللہ کے علم سے مخفی نہیں - وہ ان سب کا تم سے حساب لیگا۔

تو صحابۂ کرام بہت غمگین ہوئے کہ خطرات قلب اور حدیث نفس کا احتساب مشکل ہے نہیں معلوم کس وقت کیسا خیال گزرے اور قیامت کے دن اسکا جواب دینا پڑے - اس پر اسی رکوع کی یہ مشہور آیت کریمہ نازل ہوئی

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (٢-٢٨٦) اللہ تعالےٰ کسی انسان پر تکلیف شرعی قائم نہیں کرتا مگر وہاں تک کہ اس کے بس اور قدرت میں ہے " ـــــ اعمال کی طرح خیالات کی نیکی بغیر توفیق الٰہی کے ممکن نہیں اسی لئے انسان

دل سے اجازت دیتا ہے کہ قانون فطرت واعتدال کے ساتھ جس قدر جائز عیش اور آرام وراحت تم دنیا میں حاصل کرسکتے ہو کرو۔ قیمتی کپڑے پہن کر حسین بننے کا شوق ہے تو یہ کوئی جرم نہیں۔ زیب وآرائش سے اپنے چہروں کو خوش نما بنانا چاہتے ہو تو اس کی کوئی پرسش نہیں۔ دنیا میں لذتیں برتنے کے لئے۔ اور آرام وراحت حاصل کرنے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی صرف لذائذ حیات ہی کے نہ ہو جاؤ کہ یہ پھر شرک اور ماسوا پرستی میں داخل ہو جائیگا۔ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم) تمہارے جسم قیمتی ملبوسات میں رہیں تو مضائقہ نہیں لیکن پھٹے ہوئے کمبل کے اوڑھ لینے سے بھی انہیں عار نہ ہو۔ تمہارے پاؤں قیمتی قالینوں پر چلیں تو کیا حرج ہے لیکن کبھی کانٹوں اور تپتی ہوئی ریگ پر بھی چہل قدمی کرلیں۔ ان چیزوں میں سے کوئی شے تمہیں خاکساری اور خاک نشینی سے مانع نہ آئے۔ اور کوئی لذت صرف اپنا ہی پرستار نہ بنالے

ہم بالفعل چند کلمات اس جلسہ کی نسبت کہنا چاہتے ہیں جو ہز ہائنس نواب صاحب رام پور کی زیر صدارت ۱۲ر اکتوبر کو حسب افواہ ایک ہفتہ دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ لیکن مندرجۂ صدر خیالات کی بنا پر ہم ان تمام اخبار و معلومات سے بالکل چشم پوشی کرلیں گے۔ جن کی اس جلسہ کے انعقاد سے پیشتر ہمیں خبر مل چکی ہے تو اس مخفی اور طلسمانہ طریق عمل پر بحث کریں گے جو اس جلسہ کے انعقاد کے لئے اختیار کیا گیا تھا نہ اس پر اسرار طریق دعوت شرکت پر نظر ڈالیں گے جس کے ذریعے ایک خاص طبقہ کے لوگوں کو کوشش کرکے جمع کیا گیا ونہ حاجی نازر علی ڈیلن نامی ایک شخص کو تلاش کریں گے۔ جو مفید اغراض سرکار عالی کی تلاش میں بھیجا گیا تھا۔ اور نہ جلسہ کی اصلی غرض و غایت اس کی تحریک کے اسباب قافلہ رفتہ کی وصیت اور کارروان موجودہ کے پیام اور ان سب کے شان نزول کو روشنی میں لائیں گے جس کے اندر مسلمانوں کے موجودہ عہد بیداری و حرکت کے لئے بہت سی یادگار بصیرتیں مضمر ہیں اور جو انسانی عصیان اور تمرد کے نتائج کا نہایت ہی دلچسپ افسانہ ہے۔

ان امور پر اگر نظر ڈالنی ہے تو اس کا بہتر وقت دوسرا ہے۔ اور شاید دور نہیں۔ سردست ہم صرف اسی چیز کو دیکھیں گے جو ۱۰ اکتوبر کو ہمیں دکھلائی گئی اور بالآخر بانیان مجلس جس صورت میں اپنے تئیں پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور انھوں نے پیش کیا۔ اسی کو بکمال تجاہل و تغافل عارفانہ تسلیم کرلیں گے۔

یہ کہہ کے رخنے ڈالئے ان کی نقاب میں
اچھے برے کا حال کھلے کیا حجاب میں

جن لوگوں کو تاریکی پسند ہے اور اپنے کاموں کو چوری چھپے کرنے پر مجبور ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں روشنی میں لاکر پریشان نہ کیا جائے۔ جس کے چہرہ پر داغ ہوتے ہیں اسی کو برقعہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو رات کے پچھلے پہر میں دیواروں کی آڑ سے اپنے تئیں چھپاتے ہوئے نکلتے ہیں۔ مگر شریف آدمی ہمیشہ دوپہر کی روشنی میں سڑکوں پر دیکھے گئے ہیں چھپنے والوں کے لئے یہی عذاب الیم کیا کم ہے کہ وہ خود بھی اپنے

مجبور ہے۔ البتہ منافقین اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا کفران کے دل ہی میں ہوتا ہے گو ظاہر میں ایمان کے مدعی ہوتے ہیں۔

پس ہم بھی ہمیشہ اعمال و واقعات پر نظر رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس وقت تک کچھ پروا نہیں کرتے جب تک کہ ارادے عملی ظہور تک نہیں پہنچ لیتے۔

اگر ایسا نہ ہو تو پھر نقد و اختیار کا پیمانہ نہایت تنگ ہو جائے۔ ہم کو تو ایسے لوگوں کی خبر ہے جو شب کو بستروں پر لیٹتے ہیں تو ارادوں اور خیالوں میں ہوتے ہیں جن میں اگر ایک ارادے کو بھی تکمیل و ظہور کی خدا مہلت دیدے۔ تو تمام مسلمانوں کے گھر شیطان کی بستیاں بن جائیں۔ اور ایک مسلم بھی دنیا میں نہ ملے جو کفر کی لعنت سے آزاد ہو۔

لیکن یہ اللہ کا لطف و فضل ہے کہ وہ ان منافقین و دجالین اور مفسدین خاسرین کے ارادوں کو ہمیشہ ناکام رکھتا ہے۔ اور انھیں کبھی مہلت نہیں ملتی۔ کہ اپنی نیات فاسدہ و اقدامات مفسدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو عمل ظہور تک پہنچا سکیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (۴ - ع ۱۷)[1]

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمھارے شامل حال نہ ہوتی تو ان لوگوں میں ایک گروہ تو تم کو راہ حق سے بہکا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ لوگ تمھیں گمراہ کریں گے جو خود اپنے کو ہی گمراہی میں ڈال رہے ہیں یقین رکھو کہ وہ تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

پھر اگر ہم لوگوں کے ارادوں اور خیالوں کا بھی مراقبہ کریں تو اعمال تک پہنچنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملے۔

---

[1] اس آیۂ کریمہ میں در اصل آنحضرت (روحی فداہ) سے خاص تخاطب ہے۔ لیکن حالت تمام مومنوں کے لئے عام۔ اسی لئے اس وقت یاد آگئی تو حوالۂ قلم ہوئی۔ (منہ)

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المومنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا و قد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ
(۴-ع-۲۰)

یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا ان کے دربار میں اپنی عزت بڑھانی چاہتے ہیں۔ مگر یہی بات ہے تو جان رکھیں کہ ہر طرح کی عزتیں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اس کو چھوڑ کر یہ کیوں غیروں کی چوکھٹوں پر جھکتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان پہا اللہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ غیروں سے ویسے تعلقات بنتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، البتہ جب تم اپنے کانوں سے سن لو کہ آیات اللہ سے انکار کیا جا رہا ہے۔ شعائر الٰہیہ کی توہین ہو رہی ہو، احکام دینیہ کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے، تو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ کسی دوسری بات کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔

ہم نے کسی دوسری جگہ اس جلسہ کے مختصر حالات لکھ دیئے ہیں، نیتوں کا خدا علیم ہے، ہماری دعا ہے کہ اگر ان بزرگوں کا مقصود اصلاح حالت اور دفع فساد ہے تو اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی سعی کو قبول کرلے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان دلوں پر حسرت، جن کے لئے گزشتہ مصائب عبرت بخش نہیں، اور ان دماغوں پر افسوس، جو آئندہ کیلئے متنبہ نہیں کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں نیات فاسدہ کی نامرادی اور اعمالِ مفسدہ کی ناکامی اپنے اندر ایک سبق عبرت و موعظت نہ رکھتی ہو۔ رازدارانہ اعمال اور قوم سے علیحدگی و مستبدانہ خود رائی کے ناکام نتائج اس کثرت سے سامنے آچکے ہیں کہ اندھوں کے سامنے رکھے جائیں تو دیکھنے لگیں اور گونگوں کو سنایا جائے تو بے اختیار چیخ اٹھیں پھر یہ کیوں ہے کہ آنکھیں بند ہیں، دل مردہ ہو چکے ہیں، کان پنبۂ غفلت سے بہرے، اور سب نے خدا کی طرف گردنیں موڑ لی ہیں۔

وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا (۱۷-۴۸)

کاموں کو علانیہ کرنے کے قابل نہیں پاتے؟ انسانی ضمیر کے اسی عذاب کی طرف جا بجا قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔ تری الظالمین مشفقین مما کسبوا وھو واقع بھم (۴۲-۲۱) البتہ انسان کی اس غلطی پر جو شاید اس کی نطرت میں داخل ہے ہمیشہ ماتم کیا گیا ہے اور کیا جائے گا کہ وہ اپنے رازوں کو ان سے چھپاتا ہے جن کے ہاتھ میں اس کی جزا و سزا نہیں۔ پر اس کی بالکل پروا نہیں کرتا جو اس کے تمام کاموں پر سے عاقبت کار پردہ اُٹھا دینے والا ہے۔ یہ نادان لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کے نفس خادع نے خود ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما۔ (۴-۱۰۷)

جو لوگ دوسروں کو دھوکا دے کر حقیقت میں خود اپنے تئیں دھوکا دے رہے ہیں۔ ایسوں کی طرف ہو کر رد و کد نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دھوکا دینے والوں اور معصیت شعار انسانوں کو پسند نہیں کرتا۔

افسوس تم قرآن پڑھتے نہیں۔ جو لوگ راز داریوں کے ساتھ پوشیدہ اپنے کاموں کو انجام دینا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ارادوں اور مشوروں کو تاریکی میں رکھتے ہیں خدا نے ان کی نسبت کیسے صاف اور منطق لفظوں میں رائے دی ہے۔ کاش دماغ سوچیں، اور دل عبرت پکڑیں۔

یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم اذ یبیتون ما لا یرضی من القول وکان اللہ بما یعملون محیطا (۴-۱۰۸)

یہ لوگ کیسے احمق ہیں انسانوں سے تو پردہ کرتے ہیں مگر خدا سے پردہ نہیں کرتے حالانکہ جب وہ راتوں کو (شلارات کےگیارہ بجے برلی کے اسٹیشن پر) ان باتوں کے لئے مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے خلاف ہیں۔ تو خدا ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ جو کچھ کرتے ہیں سب اس کے احاطۂ علم میں داخل ہے۔

الہلال کی جلد، ہم نے ششماہی کے حساب سے رکھی ہے۔ تاکہ مجلد ہونے کے بعد معتدن ضخامت حاصل کر سکے۔ پس یہ دو نمبر اس کی پہلی جلد کا آخری رسالہ ہے اور جنوری سے دوسری جلد شروع ہوگی۔

اگرچہ چھ ماہ کا زمانہ ایک نہایت قلیل زمانہ ہے اور انسان کی حیات شخصی میں یہ محض بدو طفولیت کا زمانہ ہوتا ہے جبکہ گویا انسانی وجود عدم اور وجود کے درمیان معلق ہوتا ہے اور تمام جسمانی اور دماغی قوتیں پردہ اخفا میں مستور ہوتی ہیں لیکن تاہم دنیا مزدوروں کی جگہ ہے فلسفیوں کی نہیں ہے۔ کام کرنے والوں کے لئے اس کا ایک لمحہ بھی بہت ہے اور بیکاروں کے لئے اس کی پوری عمر بھی زیادہ نہیں۔ انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے گردوپیش کی مجبوریوں سے مرعوب رہتا ہے مگر کبھی خود اپنے اندر کی کمزوری کو نہیں دیکھتا۔ یہ مانا کہ آپ کے ہاتھ کی کڑیاں بہت مضبوط تھیں، لیکن آپ کے دست و بازو کی قوت کو کیا ہوا؟ یقیناً عرفی سقراط اور ارسطو سے بہتر ہے جبکہ وہ کہتا ہے

ہزار رخنہ بدام و مرا بسادہ دلی　　　　تمام عمر در اندیشۂ رہائی رفت

احتساب اعمال

ہم کو کاتبانِ اعمال کی خبر دی گئی ہے جو ہمارے یمین و یسار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ تاکہ ہمارے تمام اعمال قلم بند کرتے رہیں اور جن کی موجودگی مسکین عرفی کو بہت شاق تھی۔

رقم کشانِ یمین و یسار دشمن تو　　　　کرے کنند سخن سنجی و قلم رانی

لیکن یہ ہماری کیسی نادانی ہے کہ ہم اپنے اعمال کی کتابت کراماً کاتبین کے ذمہ چھوڑ دیتے ہیں، پر خود کبھی اپنے اعمال کا احتساب نہیں کرتے؟ بہتر ہے کہ انسان خود ہی اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لے، اور قبل اس کے کہ "رقم کشانِ یمین و یسار" اس کا نامہ اعمال اس کے سامنے لائیں، چند لمحوں کے لئے خود ہی اپنے اوپر ایک نظر احتساب ڈال لے اور اپنے ضمیر کو مخاطب کر کے کہے۔

اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم　　　　اپنے اعمال کی اس کتاب کو پڑھ لے آج کے

شاید ہی کوئی اور آیت اس قدر میری زبان پر ہمیشہ جاری رہتی ہے جیسی یہ آیت کریمہ کہ فی الحقیقت ہماری موجودہ غفلتوں کا ایک مرقع عبرت ہے :-

اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لایتوبون ولاھم یذکرون (۹- ۱۲۷)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس ایسا نہیں گزرتا جس میں ایک یا دو مرتبہ یہ لوگ آزمائشوں میں نہ ڈالے جاتے ہوں مگر باوجود اس کے نہ تو وہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ ان تنبیہوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔

الہلال کی پہلی ششماہی کا اختتام

گویم غم دل مصرعے چند | زنہار جہاں جہاں نگویم
از دیدہ دنیشتر نہ گویم | در از دشنہ و استخوان نگویم
کس نیست متاع را خریدار | با آنکہ بہا گراں نگویم
حرف خرد و پلاس دارم | حرف خرد و بہ نیاں نگویم
زاں رو کہ خرد و زان گیتی | رنجند چوں قدر داں نگویم
ناچار متاع عرضہ دارم | بے رونقی دکاں نگویم
سرمایہ ز دست رفتہ از ناگاہ | گاہے سخن از زیاں نگویم
گر تیر بہ من رسد و گر تیغ | دم در کشم ، الاماں نگویم

اللھم لا تجعلنا بنعمتک مستدرجین ولا بثناء الناس مغرورین ولا من الذین یاکلون الدنیا بالدین وصل وسلم علی حبیبک سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر؟
اس پر بھی جی میں آئے، تو دل کو لگائیے!

اپنے اعمال کا احتساب کرتے ہیں تو یقیناً خوشیوں اور راحتوں کی ایک جنت میں ہوتے ہیں جس پر سرور دائمی اور ہمیش سرمدی کی فضا چھائی ہوتی ہے۔ جس کے اندر شادمانی و کامرانی کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ جس کا کونہ کونہ سکون ابدی کے حسن و جمال سے "حور مقصورات" کا جلوہ گاہ ہے جس کی ہر جانب سے سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین کے نغمات خوش آہنگ بلند ہو رہے ہیں۔ جہاں نامرادی و حرماں کے فغاں و ماتم کی جگہ ہر زبان پر "الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن" کا ترانۂ شکر جاری ہے۔ جہاں ناکامی و خجالت کی تپش و حرارت کا نام و نشان نہیں، کیونکہ کامیابی کے عیش و سرور کے اس تخت طمانیت پر بٹھا دیئے گئے ہیں جہاں ٹیک لگا کر جس کسی کو بٹھا دیا جاتا ہے، پھر اسے کسی مخل راحت حرکت سے سابقہ نہیں پڑتا۔ متکئین فیھا علی الارائک لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا

"کلا ان کتاب الابرار لفی علیین و ما ادراک ما علیون؟ کتاب مرقوم یشھدہ المقربون ان الابرار لفی نعیم علی الارائک ینظرون تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون (۸۳ : ۱۸)

بیشک نیک اعمال لوگوں کے اعمال اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ فہرست کیا چیز ہے، وہ ایک کتاب اعمال ہے جو ہمیشہ لکھی جاتی ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی اسکے شاہد گواہ ہیں، یقیناً ان نیک عمال لوگوں کی زندگی نہایت آرام اور راحت میں ہوگی۔ وہ سکون و طمانیت کے تخت پر بیٹھے ہوئے بہشت کی سیر کر رہے ہونگے۔ تم اگر ان کو دیکھو تو خوشحالی کی ترو تازگی ان چہروں پر نمایاں ہو۔ ان کو حیات سرمدی کی وہ شراب خالص پلائی جائیگی جس کی بوتلیں سر بمہر ہونگی اور ان پر مشک کی مہریں لگی ہوں گی۔ پس یہ زندگی ہے کہ تقلید کرنیوالوں کو اسکی تقلید کرنی چاہیئے۔

لیکن جن لوگوں کی زندگی روح ایمانی سے خالی ہوتی ہے، جن کے اعمال سلطنت الٰہی کے ماتحت نہیں، بلکہ قوت شیطانی کے تخت کے سائے میں انجام پاتے ہیں۔ خواہ دنیوی ساز و سامان اور مادی اسباب و جمعیت کتنی ہی فراہم کر لیں، لیکن بالآخر جب ضمیر کی آواز ان کے کانوں میں

علیک حسیبا (۱۷: ۵) دن کسی دوسرے کاتب و شاہد کی ضرورت نہیں
خود تیرے ضمیر ہی کا احتساب تیرے لئے کافی ہے

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا یکدم منافقانہ نشیں در کمین خویش

اور فی الحقیقت ہمارے اعتقاد میں انسان کے لئے اصلی کراماً کاتبین " اور ترقیم اعمال" خود اس کا ضمیر اور نور ایمان ہی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں کہیں احتساب اعمال کا ذکر کیا ہے اگر غور سے دیکھئے تو وہاں اسی ضمیر کے فطری احتساب کی طرف اشارہ ہو۔ اعمال حسنہ کے وہ آثار سرور و انبساط جو چہروں پر سے " نضرۃ النعیم " کی خبر دیں گے، درحقیقت دنیا میں بھی فرشتہ ضمیر کی تبلیغ بشارت سے موجود ہیں۔ وہ نور ایمان" جس کو " لیسعیٰ بین ایدیھم " سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ایک روشنی ہوگی جو ارباب ایمان کے آگے آگے چلے گی، اور ان کی عظمت و جبروت کو تمام صفوف اولین و آخرین میں نمایاں کرے گی، کیا مجبوری ہے کہ آپ اس کو قیامت ہی کے دن کے لئے اٹھا رکھیں، اور دنیا کو بھی اس کا مصداق نہ قرار دیں۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیءٍ قدیر (۶۶: ۸)

(اور وہ دن) جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے ایمان کی روشنی ان کے آگے آگے، اور داہنی طرف ساتھ ساتھ چل رہی ہوگی، اور ان کی زبانوں پر یہ دعا ہوگی کہ خدایا اس روشنی کو ہمارے لئے آخر تک قائم رکھیو اور ختم نہ کر دیجیو! نیز ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجیو! بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے!!

اس آیت، اور اس کے مثل بہت سی آیات میں قرآن کریم نے ارباب ایمان کے جن نعائم اور ابتہاج و سرور کا ذکر کیا ہے یہ وہی حالات ہیں جن کو دنیا میں ہر نیک ہستی اپنے اعمال حسنہ کا احتساب کرکے اپنے سامنے مشاہدہ کر سکتی ہے۔

جن لوگوں نے اپنے تئیں نفس کے تسلط سے نکال کر خدا کے ہاتھوں میں دے دیا ہے اور جن کے کاموں نے " ایمان و ایقان" کی روح اپنے اندر پیدا کر لی ہے، وہ جب

اس میں شک نہیں کہ ہم اس گذشتہ چھ ماہ کی مدت پر نظر ڈالتے ہیں تو بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ کرنا تھا وہ ہم سے نہ ہو سکا، اور جو کچھ کر سکتے تھے، وہ کیا۔ نفس کی کمزوریاں ہمیشہ عمل میں حارج رہیں اور ہمت کی پستی نے ہمیشہ بام مقصد تک پہنچنے میں لیت و لعل کیا، ہم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے ایک بڑی جماعت پیدا کر دی۔ جو شاید ہماری خدمات کی نسبت مایوس نہیں ہے اور اگر تحسین کی نہیں، تو ملامت کا بھی مستحق نہیں سمجھتی لیکن تاہم اس کو کیا کریں کہ خود اپنے تئیں دیکھتے ہیں تو تحسین کا نہیں بلکہ ملامت کا مستحق سمجھتے ہیں۔

رستم زمدعی بقبول غلط دلے

مے نالم از شکنجۂ طبع سلیم خویش

ہم نے درحقیقت اس فرصت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اپنے ارادوں میں سے بڑے بڑے ارادے ذہن و تخیل سے آگے نہیں بڑھے۔ اور اکثر چیزیں تو دماغ سے قلم تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ مضامین میں ہمیشہ ابتری کا رہی، کئی اہم ابواب شروع ہی نہیں ہوئے۔ اکثر چیزوں کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور جو لکھی گئیں وہ شائع نہیں ہوئیں۔ جس الہلال کے علاوہ جو علمی خدمات پریس کے متعلق تھیں، وہ تقریباً شروع ہوئیں بھی تو ان کی رفتار نہایت سست رہی۔ دفتر کی انتظامی حالت کبھی پوری طرح درست نہ ہو سکی، اور اکثر لطف فرماؤں کو شکایتوں کا موقع ہوا۔ بحیثیت مجموعی ہم دیکھتے ہیں تو اس وقت یہ گذشتہ ۶ ماہ کی مدت کمزوریوں اور غلطیوں کے سوا کچھ اپنے اندر نہیں رکھتی اور خواہ نفس مدح طلب کتنا ہی مضطر ہو مگر حق یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں کسی طرح بھی مستحق نہیں سمجھتے۔

لیکن اگر بار بار اپنی حالت کا افسانہ دہرانا داخل شکایت نہ ہوتا اور وہ رحیم و کریم ہر حال میں شکر ہی کا مستحق ہے) تو شاید ہم اس وقت اپنی کمزوریوں کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرتے۔ یہ چھ ماہ کا زمانہ جس حال میں بسر ہوا ہے۔ اور الہلال کے ۲۴ پرچے جس عالم پر مرتب کئے گئے ہیں ان کی سرگزشت اب کیا کہیے کہ وقت گزر چکا ہے اور سامنے ماضی نہیں بلکہ مستقبل ہے فی الحقیقت ہمارے حالات ابھی اس کے بالکل مقتضی نہ تھے کہ الہلال کی اشاعت شروع

آتی ہے، اور وہ اپنے نامہ اعمال کو اپنے سامنے رکھتے ہیں تو حرمان و نامرادی، رسوائی و خجالت سے ان کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں، اور "نور ایمان" کی جگہ ضلالت کی تاریکی کو اپنے ہر طرف محیط پاتے ہیں۔

وتری الظالمین مشفقین مما کسبوا وھو واقع بھم والذین آمنوا وعملوا الصالحات فی روضات الجنات لھم ما یشاؤن عند ربھم ذلک ھو الفضل الکبیر (۴۲:۲۲)

"اور نافرمانوں کو تم دیکھو گے کہ انہوں نے جیسے جیسے اعمال انجام دیئے ہیں اس کے وبال کو ڈر رہے ہوں گے (یعنی ان کا ضمیر ڈر رہا ہوگا حالانکہ اس کے نتائج ان کو ضرور بھگتنے ہیں اور (البتہ) جو لوگ ایمان لائے اور اعمال حسنہ انجام دیئے تو وہ ضرور بہشت کے سبزہ زاروں میں ہوں گے۔ جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے پروردگار سے ان کو ملے گا، یہی بدلہ ہے، جو نیک کام انجام دینے والوں کیلئے سب سے بڑا فضل الہٰی ہے۔

بیں درحقیقت احتساب اعمال، اور ضمیر کی ملامت یا اس کی تحسین، یہ جنت و دوزخ کی دو زندگیاں ہیں جو اس دنیا میں ہر انسان کے لئے عاقبت کار ہیں اور ہر عامل وجود جو اپنے اعمال گذشتہ کا احتساب کرے، ان دونوں حالتوں کو اپنے سامنے پا سکتا ہے۔ یہی انسان کے لئے اصلی نامۂ اعمال، اور یہی ہر وقت اس کے یمین و یسار مصروف رہنے والا قلم احتساب ہے۔ اور یہی ہے جس کے احتساب سے کوئی فرد بچ نہیں سکتا کیونکہ یہ انسان سے باہر نہیں بلکہ انسان کے اندر موجود ہے، اور اس کے نتائج کی فرد کو ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے کر دینے والا ہے:-

وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا (۱۷-۱۵)

اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو (برائی اور بھلائی کے نتائج کو) خود اس کے گلے کے اندر اس طرح رکھ دیا ہے گویا اس کے گلے کا ہار ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے سامنے کر دیں گے اور وہ اس کو اپنے سامنے کھلا ہوا دیکھیں گے۔

اس بنا پر ضرور ہے کہ چھ ماہ کی مدت خواہ کتنی ہی اقل قلیل مدت ہو مگر ہم اپنے کاموں کا آج احتساب کریں اور دیکھیں کہ اس عرصہ میں الہلال اور اس کی دعوت کا کیا حال رہا!

کہ اخبار کی اشاعت کے وقت میں صرف ایک رات کا وقفہ رہ گیا ہے اور کمپوزیٹروں کو رات بھر روک کر بیمار و تیماردار دماغ پر جبر کیا گیا ہے کہ رات کے چند گھنٹوں کے اندر صفحہ ۲ سے ۸ تک کا مضمون تیار کر دے، علی الخصوص گزشتہ ماہ صیام مبارک جس عالم میں بسر ہوا اور جس طرح پانچ پرچے مرتب ہوئے۔ اس کی حالت صرف اس علیم و خبیر ہی کو معلوم ہے، جس کو شاید اپنے بندوں کی ابتلاء و آزمائش سے بڑھ کر اور کوئی بات پسند نہیں۔ یہاں تک کہ آخر میں مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ شاید جس مصلح کے اعتماد پر دنیا کے کارزار میں فتحیاب ہونے کا گھمنڈ رکھتا تھا، وہ ابھی منظور نہیں ہوئی اور اس خدائے قدوس کو گوارا نہیں کہ اس کے کلمۂ مقدس کی خدمت کا شرف میرے پر معاصی وجود کی شرکت سے ملوث ہو۔ ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک (۴-۸۲) وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون (۳: ۱۱۷)

ہم نے ان حالات کو "مجبوریوں" کی جگہ "کمزوریوں" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ کیونکہ انسان اپنے اندر اور باہر کے جن حالات کو مجبوریوں سے تعبیر کرتا ہے۔ فی الحقیقت اس کے نفس کی کمزوریاں ہی ہیں۔ دنیا دارالعمل ہے اور جو کام کرنے والے ہیں وہ باغ و چمن کے گوشوں ہی میں نہیں بلکہ کانٹوں پر چل کر بھی کام لیتے ہیں۔ خدا نے ہم سے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے کہ وہ ہمارے وہم و خیال کے پیدا کیے ہوئے اسباب راحت ضرور مہیا کر ہی دے گا۔ زندگی ایک میدان جنگ ہے، اور یہاں کام کرنے کے یہی معنی ہیں کہ تلواروں کے سائے نیزوں کی قطاروں کے نیچے رہ کر کام کیا جائے دریا کی موجوں میں تیرنے والے اپنی راہ پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن کنارے کے عافیت پسندوں کیلئے انتظار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پس یہ جو کچھ تھا، خواہ کتنا ہی سخت و شدید ہو۔ لیکن پھر بھی ہم اسے اپنے لئے کوئی قوی عذر جرم نہیں سمجھتے۔ اور صاف صاف اپنی کمزوری کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ اس چھ ماہ کے عرصہ میں جو کچھ ہم کر سکتے تھے، افسوس کہ ہم نے نہیں کیا۔

البتہ یہ ہماری کمزوریاں تھیں لیکن ذرہ روشنی سے محروم ہے، تو آفتاب درخشاں

کردی جاتی۔ لیکن مہلت کے انتظار نے ہمیں اس قدر مضطرب کردیا تھا کہ مزید صبر کی طاقت
جواب دے چکی تھی۔ خیال کیا کہ جو چیز شاید کبھی بھی ملنے والی نہیں ہے اس کے انتظار میں کب تک زندگی
کو صرف لاحاصل کیا جائے اور خدا کا دیا ہوا دماغ اور اس کا بخشا ہوا قلم کب تک معطل رکھا جائے،
بہتر ہے کہ موجوں کے فرو ہونے کے انتظار کی جگہ، موجوں میں پڑ کر تیرنے کی کوشش کی جائے
اور راہ کے خالی ہونے کی توقع کی جگہ صفوں کو چیر کر راہ پیدا کرنے کی جستجو کی جائے۔ بالآخر
ہم نے گزشتہ جولائی میں متوکلا علی اللہ کام شروع کر دیا۔

دنیا کے کاموں میں ہمیشہ اسباب مادی اور ساز وسامان دنیوی کی موجودگی دل کی قوت اور ہمت کی استواری
کا ذریعہ ہوتی ہے، روپیہ کی کثرت، مددگاروں کی معیت اور آثار نفع عاجل کا اجتماع، یہی چیزیں ہیں
جن پر اس عالم اسباب میں بھروسہ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں ان میں سے ایک شے بھی میسر نہ تھی، البتہ
ایک چیز تھی، جس کی طاقت بخشی عالم مادی سے اور جس کی جرأت افزائی ساز وسامان دنیوی کا سے
بے پرواہ ہے اور وہ اس امر کا یقین کامل وہ بیان واثق تھا کہ خلوص کے لیے موت نہیں اور حق و
صداقت کیلئے ناکامی نہیں۔ "دنیا میں ہر چیز مٹ سکتی ہے، پر حق اور صداقت ہی ایک بیج
ہے جو پامال نہیں ہو سکتا۔ واللہ سبحانہ یقول " انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ

اس حکیم کریم کی اس نیرنگ سازی کو کیا کہیں کہ جس وقت تک الہلال جاری نہیں ہوا تھا اس
وقت تک پھر بھی دن کے چند گھنٹے اور رات کا ایک پہر گوشہ گیری کیلئے میسر آجاتا تھا لیکن الہلال
کا ابھی اعلان ہی شائع ہوا تھا کہ مصائب ابتلاء کا بھی ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا، اور جو میسر
تھا، وہ بھی اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں چھین لیا گیا۔ ناظرین نے ہمیشہ اچھی بری صورت میں
الہلال کا ہر نمبر اپنے سامنے موجود پایا، انہیں کیا معلوم کہ وہ کس عالم اور کس حالت میں مرتب کیا
جاتا تھا؟ جن مضامین کے حسن و قبح کی نسبت وہ رائے قائم فرما رہے ہوں گے۔ انہیں معلوم نہیں
کہ ان میں سے اکثر مضمون بسا اوقات رات کے دو تین بجے ایک بستر مریض کے قریب بیٹھ کر
اس حالت میں لکھے گئے ہیں جب کہ دل، نفس علائق پرست کی کمزوریوں سے بے قرار اور دماغ
مسلسل شب بیداریوں کی وجہ سے قلم کے اختیار میں نہ تھا، اکثر اوقات ایسا ہوا ہے

ستون آہنی دکھائی دیتا ہے پہلے اگر اپنے قصوروں کی وجہ سے عاجزی کا سر جھکا ہوا تھا تو اب اس کی عزت بخشی سے سرافتخار بلند نظر آتا ہے پہلے چونکہ ایک انسانی ہستی کے کاموں پر نظر تھی۔ اس لئے عجز و تذلل کے سوا چارہ نہ تھا۔ پر اب انسانی کاروبار پر نہیں بلکہ اپنے اعمال پر نظر ہے۔ اسلئے الحمد للہ کہ فتح و نصرت کی عزت و عظمت سے ہمکنار و شادکام ہوں۔

گرچہ خوردیم نسبتی ست بزرگ ذرہ آفتاب تابانیم!

غور کیجئے کہ الہلال کس عالم میں نکلا۔ اور پھر کس حالت میں جاری رہا۔ بالکل ایک نئی قسم کا کام تھا۔ اور اس طرح کا کام کہ ہندوستان میں آج سو برس سے پریس موجود ہے۔ مگر آج تک ایک ماہوار رسالہ بھی اس پیمانے کو سامنے رکھکر کسی بڑے سے بڑے پریس سے شائع نہ ہو سکا۔ پھر کسی طرح کی مالی اور دماغی اعانت میسر نہ تھی اور سوا اپنی جیب اور قلم کے اور کسی پر اعتماد نہ تھا۔ ان امور سے بھی بڑھ کر یہ کہ الہلال کی دعوت اس کا لب و لہجہ اور تمام انداز تحریر ملک کے موجودہ مذاق اور حالات سے اس درجہ متباین تھا کہ کوئی ذی عقل بھی اس بیج کے لئے آج کل کے موسم کو موزوں نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن باوجود کام کی اہمیت اور دست عمل کی کمزوری کے تمام ناموافق اسباب و حالات —— باوجود ہر طرح کی بدقسمتیوں اور اسباب سعی و جہد کے فقدان کے اس چھ مہینے کے قلیل زمانے میں جو عبرت انگیز اور محیر العقول مقبولیت الہلال نے پیدا کی ہے وہ ہر لحاظ سے اردو پریس کی تاریخ میں ایک مستثنیٰ واقعہ ہے۔ شاید ہی آج تک کوئی چھپی ہوئی چیز اس کثرت اور شغف کے ساتھ پڑھی گئی ہے جس قدر گذشتہ چھ ماہ کے عرصہ میں الہلال کے اوراق پڑھے گئے ہیں وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم

تو اپنے نور و ضیا کی بخشش سے عاجز نہیں ؟ ! غبان کا ضعف اگر اس کی مہلت نہیں دیتا کہ بیج بو کر اس کی آبیاری کرے، تو باران رحمت کی فیضاں بخشی تو اس کے ضعف کی تلافی کر سکتی ہے سچ ہے کہ ہم کمزور تھے اور کمزوریوں میں مبتلا، لیکن وہ حکیم و قدیر تو کمزور نہ تھا جو حق کو باوجود اس کے بے سازوسامان ہونے کے نصرت بخشتا، اور ضلالت کو باوجود اس کی طاقت و شوکت کے شکست دلاتا ہے۔

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون (۲ : ۲۵۷)	اللہ ایمان والوں کا حامی اور مددگار ہے، وہ انکو تاریکی سے نکالتا ہے اور کامیابی و بامرادی کی روشنی میں لاتا ہے اور جن لوگوں نے راہ کفر و ضلالت اختیار کی سو ان کے حامی ان کے بنائے ہوئے معبودان باطل، وہ ان کو روشنی سے نکال کر اور تاریکی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہی

لوگ اصحاب نار ہیں اور آتش نار میں ہمیشہ جلنے والے۔

اس کا اپنے اوپر اعتماد کرنے والوں سے وعدہ ہے کہ وہ کبھی ان کو دنیا میں ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔ ان کے جھکے ہوئے سروں کو عزت کی بلندی بخشتا ہے، اور گو وہ خود کتنے ہی ذلیل و حقیر ہوں، پر وہ ان کو اپنا سمجھ کر ان کی عزت پر اپنی عزت کی چادر اوڑھا دیتا ہے کہ:

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنو معہ نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم	اور وہ (نتائج و عواقب امور) دن جبکہ اللہ اپنے رسول اور لوگوں کو، جنہوں نے اس کی معیت کا قرب نسبت حاصل کر لیا ہے، کبھی رسوا اور

ذلیل نہ کرے گا۔ اور ان کی کامیابی اور کامرانی کی شمع ان کے آگے چلے گی۔

گر من آلودہ دامنم چہ عجب ! ہمہ عالم گواہ عصمت اوست !

اس پہلو سے اپنے کاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو حالات و نتائج میں ایک انقلاب ہو جاتا ہے اور مناظر بالکل بدل جاتے ہیں۔ پہلے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اگر اپنا وجود ضعیف و حقیر نظر آتا تھا۔ تو اب اس قوی و عزیز کی نصرت فرمائیت طاقتوں اور قوتوں کا ایک ناممکن التسخیر

حق و صداقت اور اللہ کا پیغام دعوت ہر حال میں فتحیاب و منصور ہوتا ہے اور باطل ضلالت کے ساتھ دنیوی طاقتوں کا خواہ کتنا ہی ساز و سامان ہو، ور عارضی و وقتی کامیابیاں خواہ کتنا ہی اسے مغرور کر دیں۔ لیکن بالآخر وہ خاسر و نامراد ہی ہوتی ہے۔ وتلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون في الارض علوا ولا فسادا والعاقبة للمتقين

پس ہماری حفاظت اور کامیابی خود ہمارے اور ہمارے کاموں کے اندر ہے اپنے سے باہر ڈھونڈنا لاحاصل ہے۔ وفي انفسكم افلا تبصرون

الہلال کی اشاعت کو تقریباً ڈیڑھ برس کا زمانہ ہو گیا، مگر وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا اگر پریس ایکٹ کا عمل اس کے ادعائی مقصد سے مختلف نہ ہوتا تو موجودہ عہد مطبوعات اس کی سبب سے فرصت کا ملنا کچھ تعجب انگیز نہ تھا۔ بلکہ یقین کرنا چاہیئے کہ قدرتی اور لازمی تھا۔

لیکن بدقسمتی سے جو حالت آج برسوں سے ہو رہی ہے، اس کا نتیجۂ شوم تو یہ ہے کہ نہ صرف ہر حق گو کو، بلکہ ہر حق گوئی کے ارادہ کرنے والے کو اپنے تئیں سب سے بڑا مجرم سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ :۔

وجودك ذنب لا يقاس به ذنب

جب حالت یہ ہو تو پھر ڈیڑھ برس سے زیادہ زمانے کا بغیر کسی واقعہ کے گذر جانا کیوں نہ ایک محیر العقول واقعہ سمجھا جائے۔"

فی الحقیقت یہ ایک ایسا تعجب انگیز واقعہ تھا، جسے سوچ سوچ کے بہت سے لوگ گھبرا اٹھے تھے۔ البتہ خود مجھے ذرا بھی تعجب نہ تھا، کیونکہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی تفسیر میرے سامنے تھی، اور دنیا کے قوانین سے بھی بالا تر ایک قانون تھا جس نے میرے دل پر نقش کر دیا تھا کہ واللہ ولی المتقین

بہرحال ۸ ستمبر کو دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی۔ جس میں ۱۰ یوم تک داخل کرنے کی قید تھی۔ مگر آج ۲۳ ویں تاریخ ہے، دو ہزار روپیہ کے گورنمنٹ ضمانتی کاغذ

ابتدائے عشق

الہلال پریس کی ضمانت

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

اطراف ملک سے بکثرت خطوط اور تار آرہے ہیں، جن میں دریافت کیا جا رہا ہے کہ کیا ضمانت کی خبر صحیح ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ بعض امور کی اطلاع مجھے تقریباً دس ماہ سے تھی، مگر آج تک الہلال میں انکی نسبت ایک حرف نہیں لکھا۔ اس لئے کہ اپنا اصول کار ابتدا سے یہ رہا ہے کہ انسان صرف کام کے لئے بنایا گیا ہے پس اسکو چاہیے کہ صرف اپنے کام ہی میں لگا رہے ۔ یہ بہت ہی ادنی درجہ کی چھوٹی باتیں ہیں کہ لوگوں کا اس کام کے متعلق کیا خیال ہے اور حکام وقت اسے کیا سمجھتے ہیں؟

میری حالت الحمد للہ کہ عام حالت سے مختلف ہے، میں اپنے تمام کاموں کو ایک خالص دینی دعوت کی حیثیت سے انجام دیتا ہوں اور میرے پاس احکام دینی کے قوانین کی ایک کتاب موجود ہے پس میری نظر ہمیشہ اس پر رہتی ہے، خدا کے ساتھ میرا رشتہ کیا ہے ـــ؟ اس کی فکر نہیں ہوتی کہ اس کے بندوں کی نظریں کیا کہتی ہیں۔ اگر اللہ کی صداقت میرے ساتھ ہے، تو میری طاقت لازوال اور میری حفاظت قدرتی ہے لوگ دیکھتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے اور اس کو قوانین قدرت کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس سے زیادہ محکم اعتقاد اور اس سے بڑھ کر غیر متزلزل یقین کیساتھ میں بھی دیکھتا ہوں کہ

ہم نے اتنی سطریں بھی مجبوری لکھیں، کہ بیشمار خطوط اور تاروں کا فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہ تھا۔ ورنہ ہم اس طرح کے واقعات کو اس درجہ اہم نہیں سمجھتے کہ ان کے پیچھے زیادہ وقت صرف کیا جائے۔ یہ اس طرح کی معمولی باتیں ہیں جو آج کل حکے پریسوں کے دفتروں میں ہمیشہ پیش آتی رہتی ہیں۔ اگر بعض حکام اعلیٰ کو کسی اخبار کے دفتر سے کچھ روپیہ لے کر رکھنے میں مصلحت نظر آتی ہے، تو یہ ایک ایسی فائدہ رسانی ہے جو دوسروں کے لئے مفید مگر اپنے لئے مضر نہیں۔ پھر اس میں کیوں عذر ہو، اور کیوں حرف شکایت زبان پر آئے؟ ہمارے سامنے تاریخ نے جو مواد رکھ دیا ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی ہیں۔ اور ہوتی رہیں گی۔ اور نتیجہ کبھی نکلا ہے اور نکلے گا۔ جو لوگ اس راہ میں قدم رکھتے ہیں، جب ان کے سامنے آخری منزلیں موجود ہیں تو ان ابتدائی منزلوں کے پیش آنے پر کیوں شاکی ہوں؟

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریق عشق اول منزل ست!

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

عدالت میں بھیج دیئے گئے ہیں، ضمانت کا روپیہ تو اسی تاریخ سے بطور ایک سرکاری امانت کے علیٰحدہ رکھ دیا گیا تھا۔ جس دن الہلال پریس کا ابتدائی سامان خریدنے کے لئے ہم نے روپیہ نکالا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرتے کرتے ہم اکتا گئے تھے، اور اب تو وقت آ گیا تھا، کہ اگر کوئی مانگنے کے لئے نہ آتا تو ہم خود ہی پیشکش کرنے کے لئے آگے بڑھتے، بارہا ہمیں خیال ہوا کہ کیا یہ ذوق عتاب صرف اوروں ہی کے حصے میں آیا ہے اور ہم اصلی مستحقین نظر کے لئے کچھ بھی نہیں؟

نہ کنی چارہ لب خشک مسلمانے را

اے بہ ترسا بچگاں کردہ مے ناب سبیل

ہمارے ایک دوست تو اس تغافل پیشگی سے عاجز آکر پریس ایکٹ کی طاقتوں ہی کے منکر ہو گئے تھے۔

لے بھی جائیں دل کہیں ہم سے کہ قصہ پاک ہو

یہ حسینان جہاں بھی دلربا کہنے کو ہیں

بڑی فکر یہ تھی کہ جب محرومی قسمت سے ضمانت کی پہلی منزل ہی طے نہیں ہوتی ہے تو آئندہ کی فکر کے لئے ہمیں وقت کیسے ملے گا؟ بارے آخر غنیمت ہے کہ خدا کرکے خاموشی ٹوٹی، اور پہلی منزل سے بہرحال گزر ہی گئے۔

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

آخر میں ہم یہ لکھ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گورنمنٹ آف بنگال سے کوئی شکایت نہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ اصلی حقیقت کیا ہے؟ اور کل تک کیا تھا اور آج کیا ہے؟

سرایں فتنہ زجانیست کہ من میدانم

ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک جو کچھ ہوا، وہ گورنمنٹ کی مصلحت شناسی و عواقب اندیشی، اور ہمارے خاص حالات و نتائج پر نظر رکھنے کا نتیجہ تھا، اور جو کچھ ہوا ہے، یہ دوسروں کی نادانی کا نتیجہ ہے۔

سب سے پہلے تو میں اس واقعہ کے اندر ایک عظیم الشان احسان الٰہی کی بشارت دیکھتا ہوں اور سچ یہ ہے کہ اس حق نواز قدوس کا کوئی کام ارباب حق کے لئے مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ قوموں اور جماعتوں کے حس و غیرت اور جوش حیات کی پرورش کے لئے جبر و تشدد مثل اس پانی کے ہے جو کسی خشک و افسردہ درخت کی جڑ پر ڈالا جاتے۔ یہ پانی مقدار میں اسے میسر آتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق اس کی نشو و نما بھی ہوتی ہے۔

خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمان جاگیں، اور اس طرح جاگیں کہ پھر انہیں کوئی نہ سلا سکے۔ خدا کی آواز اس کے کاموں سے نکلتی ہے اور اس کی مشیت کی زبان تغیرات و حوادث عالم کی زبان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسباب و بواعث مسلسل نہ ہوتے اور تنبہ و غفلت شکنی کے تازیانے اس طرح یکے بعد دیگرے نہ پڑتے۔

جنگ طرابلس نے زمین تیار کی اور تقسیم بنگال کی منسوخی نے اسمیں بیج ڈالا اب پانی کی ضرورت تھی جو برسے، اور آفتاب کی ضرورت تھی جو گرمی پہنچائے۔ پس جنگ بلقان نے بارش خونیں سے سیراب کیا، اور اس کے بعد بھی مچھلی بازار کانپور کے افق پر آفتاب مظالم نے سرخ نقاب اوڑھ کر اپنا چہرۂ لالہ گوں دکھلا دیا۔ یہ سب کچھ اس بیج کی پرورش کے لئے کافی تھا۔ لیکن کیا کیجئے کہ دہقانوں کی غفلت بھی شدید ہے اور دروان زراعت سے کبھی نگاہیں بھی خالی تھیں۔ پس ضرور تھا کہ خود قدرت الٰہی ہی اس کا سامان کرتی اور جس پانی کے برسے بغیر یہ بیج بار آور نہیں ہو سکتا، اس کی آبپاشی نہ رکتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور زمیندار پریس کی ضبطی سے اس بارش نشو و نما فرما کی ابتدا ہو گئی ہے۔ جیسا کہ برستا رہا۔ ویسا ہی اب بھی برسے گا، اور جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، اب بھی وہ سب کچھ ہوگا عقلمند کے لئے دانائی ہے، پر نادان کے لئے غفلت لکھی جا چکی ہے اور روشنی دیکھتی ہے، مگر تاریکی کے لئے کچھ بھی نہیں۔

پس اگر آنکھیں ہیں تو دیکھیں، اگر کان ہیں تو سنیں، اور اگر دل ہیں تو سمجھیں

حادثہ مسجد کانپور کے غفلت کے میرہ جھونکے چلنے لگے تھے، خدا نے چاہا کہ ایسا نہو

وھم بدؤکم اول مرۃ

اتخشونھم واللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین

تاثیر آہ و نالہ مسلم دلے مترس
مارا ہنوز عربدہ با خویشتن بپیست

واقعہ "زمیندار پریس" لاہور میں فی الحقیقت ارباب بصیرت کیلئے بہت سی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ جنہیں یکے بعد دیگرے بیان کروں گا۔ گو ان کا بیان کرنا بعض لوگوں کیلئے کتنا ہی موجب غیظ و غضب ہو۔ قل موتو بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور -

(۳ ۱۵۱) میں ان لوگوں کو کبھی کبھی اپنے سے خوش نہیں رکھ سکتا، جن کی نسبت مجھے یقین ہے کہ ان کی خوشی خدا کی خوشی کے خلاف ہے۔ پھر یہ مغرور نادان کیوں ایسا چاہتے ہیں؟ مسیح اپنے پیرووں سے یقیناً زیادہ حکیم تھا۔ جبکہ اس نے کہا کہ ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کر سکتا۔ پس ایک راہ کا اختیار کرنا ناگزیر ہے -!

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر

(۲ - ۱۲۰)

اور تم سے یہود اور نصاریٰ کبھی کبھی خوش نہ ہوں گے۔ جبتک کہ انہی کا طریقہ اختیار نہ کر لو۔ پس ان لوگوں سے کہدو کہ اللہ کی ہدایت تو وہی ہدایت ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ اور اگر تم نے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم صحیح موجود ہے۔ ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر جان لو کہ تم کو اللہ کے غضب سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار

اکھاڑ کر پھینک دیا جا سکتا ہے۔ پس اخبارات بند ہوئے، پریس ضبط کئے گئے، جلسوں کو روکا گیا، شہر کے اندر انعقاد مجالس کا قانون نافذ کیا گیا۔ اور ہر مجسٹریٹ اور ہر حاکم ضلع کو اپنے انتہائی اختیارات کی نمائش کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

لیکن اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اگر مقصد حاصل ہو جاتا تو یہ اچھا تھا، مگر کیا مقصد حاصل ہوا؟ کیا پھوڑے کو دبانے کی کوشش سے یہ نہیں ہوا کہ جو مادہ باہر نکل کر بہتا وہ اندر ہی اندر پکنے لگا؟ مانا کہ پیشانی اور منہ بے داغ ہو گیا، مگر کپڑے کے اندر کی چھپی ہوئی پیٹھ پھوڑوں سے بھر بھی تو گئی۔؟

وہ آگ جو شکوہ و شکایت کا دھواں بن کر نہیں پھیل جاتی، جب دبا دی گئی تو گندھک کے آتش فشاں مادے کی طرح اندر ہی اندر کھولنے لگی۔ پھر ایسا ہوا کہ یکا یک بھونچال آئے اور زلزلوں نے دیواروں کو ٹکرا دیا اور بنیادوں کو ہلا ہلا کر گرا دیا۔ آج دس برس سے طاقت اور ہوشیاری اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کر چکی ہے۔ لیکن نہ تو اس اندرونی آتش فشانی کا سراغ لگتا ہے اور نہ کوئی پانی ایسا میسر آتا ہے جس سے پورے طور پر وہ آگ بجھائی جا سکے ملک کی تمام امن خواہ عقول یکسر مضطرب اور عاجز ہیں۔

ہمدرد و غمگسار پادشاہ آیا۔ مگر افسوس کہ مرض کے مہلک ہو جانے کے بعد اس کا علاج کیا گیا۔ تقسیم بنگال کی منسوخی گویا اس آگ پر بعد از وقت پانی کا ڈالنا تھا۔ مگر کل تک واقعات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ بجھ گئی یا ابھی باقی ہے؟

کیونکہ اگر آگ زمین کے اوپر ہو گی تو بجھائی جا سکے گی، پر اگر تم نے غلطی سے اسے نیچے جانے دیا تو وہ چلی جائے گی، اور نہ تو تمہارا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکے گا کہ خاک ڈال سکو اور نہ تم اسے دیکھ سکو گے کہ اس پر پانی چھڑکو!

برخلاف اس کے موجودہ اسلامی تحریک ایک پر امن اور عافیت خواہ حرکت تھی جو ابتدا میں تو عام مصائب اسلامیہ کی وجہ سے نمایاں ہوئی۔ اور پھر اندرون ہند کے بعض حوادث کے متعلق بیداری و اتحاد کی صورت میں ظاہر ہونے لگی۔ چونکہ اس کے کاموں کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس طرح کی سختی اور تشدد کا سلوک اختیار

کیونکہ اس کی مرضی ہی معلوم ہوتی ہے کہ اب ایسا نہ ہوگا۔ پس اس نے تمہاری غفلت پر ایک اور تازیانہ لگایا، اور تمہارے دل غفلت سرشت کو ایک اور مہلت بیداری دینی چاہی اس کی ہر بخشی ہوئی فرصت کو تم نے ضائع کیا ہے۔ اس کی ہر دی ہوئی قوت عمل کو جو ادھر تین سال کے اندر تمہیں عطا ہوئی، نذر غفلت و نادانی کیا گیا ہے، اور وقت کی ہر صدائے کار جواب عمل سے محروم واپس کر دی گئی ہے۔ لیکن کچھ ضرور نہیں ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو۔ اگر تمہاری غفلت شدید ہے تو خدا کا تازیانہ بیداری کچھ کم شدید نہیں۔ یہ تمہاری غفلت اور ہوشیاری کا مقابلہ ہے۔ آخر میں تمہیں ہارنا ہی پڑے گا۔ کب تک ایسا ہوگا کہ اٹھو گے اور پھر لیٹو گے؟ کھڑے ہوگے اور پھر گرو گے؟ اگر اٹھانے والا ہاتھ قوی ہے تو وہ تمہیں بستر پر لوٹنے کی جگہ زمین پر دوڑا کر ہی چھوڑے گا۔

لیکن افسوس ہے کہ اس حقیقت کے سمجھنے کی ہم سے زیادہ ضرورت ہماری گورنمنٹ کو تھی مگر تاریخ عالم بتلاتی ہے کہ جب ہونے والا ہوتا ہے اور آنے والا وقت آتا ہے تو جاننے والے ناسمجھ، اور دیکھنے والے کور ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ گورنمنٹ میں صوبوں اور شہروں کے حکام کا عنصر اصلی قوام حکومت ہے، اور حکومت کی اعلیٰ قوتیں وقت کی اصلی حالت اور ملک کے حقیقی دکھ سے بے خبر رکھی جاتی ہیں۔

ہندوستان میں آج دو تحریکیں موجود ہیں۔ ایک وطنی تحریک ہے جو ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد میں پیدا ہوئی، اور اس کا مرکز بنگال ہے۔ دوسری اسلامی تحریک مسلمانان ہند کی بیداری کی ہے، جو اب اپنی غفلت کی ضائع کردہ جگہ جلد جلد چل کر کسی طرح حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ پچھلے کے لئے پہلے سے عبرت پکڑی جائے۔

بنگالیوں کی تحریک جب شروع ہوئی تو بہتر تھا کہ تقسیم بنگال کا اسے بہانہ نہ دیا جاتا۔ اور غیر مدبر لارڈ کرزن کی جگہ مدبر و دانا لارڈ ہارڈنگ کی پالیسی اختیار کی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ سختی اور قوت سے ہر آواز کو بند کر دینا چاہا اور قانون کے جا و بیجا استعمال کی غلط و ناکام قدرت نے یہ غلط مشورہ دیا کہ درخت جڑ سے

کہ لیجے میں تم سے کہتا ہوں اور تمہارے پاؤں کی بیڑیاں کھولتا ہوں۔

وہ کون ؟

دانشمند لارڈ ہارڈنگ

وقت ہے کہ وہ اپنے زمانہ حکومت کی سب سے آخری مگر حکومت کے لئے سب سے بڑی نیکی انجام دے۔

لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ گورنمنٹ کیلئے عافیت اور بہتری ہوگی، اور اس کی خیر خواہی اگر منظور ہو تو صرف اسی مشورے میں سچائی ہے جو دیا جاتا ہے، ورنہ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، موجودہ تحریک کی علی الرغم حکومت پرورش کرے تو واقعات کا نیا سلسلہ ہلاک ہونے کی جگہ یقیناً حیات بخش ہے۔

مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے بعض مسلم اور معلوم حقائق کے اعلان و تذکرہ سے باوجود عالم و واقفیت کے لوگ کیوں گھبراتے ہیں ؟ یہ جو کچھ کہ میں کہہ رہا ہوں یہ بھی ایک ایسی ہی تلخ مگر غیر متزلزل حقیقت ہے، دنیا کی تمام قوموں کی تاریخوں کو پڑھو۔ یورپ کے متمدن ترین ممالک کی گذشتہ چار پانچ صدیوں پر نظر ڈالو۔ اگر ان سب کیلئے وقت و مہلت کا عذر ہو تو مشرق کے قریبی حوادث و تغیرات کو دیکھو، کیا ہر جگہ اور ہر مرتبہ ایسا ہی نہیں ہوا ہے کہ زندگی کی گرمی کو بربادی کی آگ سمجھ کر جبر و تشدد کا پانی ڈالا گیا ہے اور وہی پانی تیل کا سا اثر پیدا کر کے بجھانے کی جگہ اور مشتعل کرتا رہا ہے ! یہ سچ ہے کہ ہوا چراغ کی لَو کو بجھا دیتی ہے۔ مگر کیا یہ سچ نہیں کہ انگیٹھی کے شعلوں کو بھڑکا بھی دیتی ہے۔

پھر وہ لوگ جو وہ کچھ کرتے ہیں جس سے بھڑک پیدا ہو، گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں یا وہ جو ایسا مشورہ دیتے ہیں جس سے شعلہ افروزی کی جگہ سکون و امن پیدا ہو۔

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون ؟

میں نہیں ہوا۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہو چکا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود انتہائی جوش وخروش اور مذہبی درد و الم کے تمام ہندوستان میں ایک واقعہ بھی اب تک ایسا نہیں ہوا جس کی نسبت کہا جا سکے کہ یہ امن و وفاداری حکومت کے منافی ہے۔

مثلاً ہلال احمر کے جلسے ہر جگہ ہوتے تھے۔ اور لوگ ہندوستان کے باہر کے اسلامی مصائب پر ماتم کرتے تھے، انہوں نے ماتم کیا، ریزولیوشن پاس کئے اور رو دھو کر متفرق ہو گئے۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کھلی رکاوٹیں پیدا کی جاتیں، جلسے روکے جاتے، اخبارات کو بند کر دیا جاتا تو دنیا دیکھ لیتی کہ کیا نتائج نکلتے۔ اور یہی جوش جو صرف اجتماع و انعقادِ مجالس کی صورت اختیار کر کے ختم ہو جاتا تھا، کیسی خطرناک حالت پیدا کر لیتا؟ کیوں کہ جوش خواہ کسی قسم کا جوش ہو، لیکن دبانے سے پرورش پاتا، اندر ہی اندر کھولتا اور پھر کبھی نہ کبھی پھوٹتا ہے۔

پس گورنمنٹ کیلئے بہترین حکمت عملی یہی تھی کہ وہ اسلامی تحریک کے ساتھ بندش اور رکاوٹ کی پالیسی کا نہیں بلکہ تسامح اور فیاضی کی دانشمندی کا سلوک کرتی کیونکہ نہ تو اس میں غیر وفاداری کی آمیزش ہے اور نہ بغاوت کا بیج، وہ صرف اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور اپنی حکومت کو ایک کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ یقین کر کے بعض حکام کی بے جا سختیوں کے لئے فریادی ہے۔

اسی کانپور کے واقعہ کو دیکھو! کیا وہ بہتر تھا جو سر جیمس مسٹن نے کیا، یا وہ جو لارڈ ہارڈنگ نے کیا؟ پہلے نے بھڑکایا اور دوسرے کی دانشمندی نے بھڑکتے شعلے کو یکایک بجھا دیا اب ہر طرف سکوت تھا اور خاموشی، لیکن زمیندار پریس کا واقعہ وہ نیا قدم ہے جو خود گورنمنٹ پنجاب نے بڑھایا ہے۔

تاہم اس غفلت آباد حکومت میں ایک آنکھ ہے جو تدبر و دانش کی سچی روشنی سے منور اور حکمت و عاقبت بینی کی بصیرت سے مجلّٰی ہے وہ جس نے دہلی میں زخم و خون کا جواب صبر و تحمل سے اور دشمنی کے پیغام کو محبت کے جواب سے ستا ہم اگست کو کانپور آیا۔ تاکہ زندانیاں بے جرمی کو امن کا پیغام سنائے اور اس نے کہا کہ میں پدرانہ محبت

یہ عبارت شتی اور اسالیب متنوعہ صرف اس لئے اختیار کئے گئے ہیں کہ انسان قوت تفکر و اعتبار کی اہمیت کو محسوس کرے اور اس دلیل راہ و مرشد طریقت کی پیروی کرے، جو ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے ساتھ رہتا ہے، اور شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں ایک منٹ کیلئے کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔

لوگ ہمیشہ تفکر و اعتبار کے لئے کسی اہم اور عظیم الشان واقعات کے منتظر رہتے ہیں۔ گویا وہ اپنے قویٰ کو اس سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ وہ معمولی چیزوں میں مشغول ہوں، یا معمولی واقعات کو اس قابل نہیں سمجھتے ہیں کہ اس میں عبرت و بصیرت ملے۔

مگر یہ ایک دوسری نادانی ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں اس عالم کا ایک ایک ذرہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کا ایک دفتر رکھتا ہے۔ اگر تم نہیں دیکھتے تو یہ تمہارا قصور ہے بقول مرحوم غالب،۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا!

یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

اگر ایک واقعہ معمولی ہے تو یہ نہ طے کر لو کہ اس میں تمہارے لئے عبرت آموزی کا سامان نہیں ـــ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ خدا نے تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے جن چیزوں کو تمثیلاً ذکر فرمایا ہے، ان میں مچھر، مکھی، اور اونٹ بھی ہیں۔

عبرت و بصیرت اگر چاہتے ہو تو یہ علو و ترفع کیوں؟ روشنی کے طالب ہو تو جہاں ملے، لو، یہ نہ دیکھو کہ چراغ شمع کا فوری ہے یا مٹی کا دیا؟

پھر جواہر کی جگہ تو زمین کے نیچے ہی ہے۔ اور جس لعل شب تاب کو تم آج تاج شاہی میں چمکتے دیکھتے ہو کل یہی زمین کے نیچے سنگریزوں میں ملا تھا۔

زمیندار پریس کے واقعہ کو اگر صرف واقعے کی حیثیت سے دیکھئے تو وہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں کہ چند سطروں میں لکھ کے اس کے ساتھ معاصرانہ تاسف و ہمدردی کا

واتوا البیوت من ابوابھا

موعظہ و ذکری

اس کارساز قدیم و حکیم کی ایک بہت بڑی رحمت یہ ہے کہ اس نے مظلوم و جہول انسان کی رہنمائی کے لئے خود اس میں ایک ایسی قوت ودیعت کی ہے، جس کو وہ اگر استعمال کرے تو اس کارزار عالم کا ایک ایک ذرہ اس کے لئے درس وہ حقیقت و سبق آموز معرفت ہے۔

انسان حقیقت آگہی اور راز آشنائی کا تشنہ لب ہے، وہ اس کے لئے کتب و سفار کی ورق گردانی کرتا ہے۔ مگر اپنی سادہ لوحی سے یہ نہیں جانتا کہ جس شے کو وہ اپنے باہر ڈھونڈتا ہے، وہ اس کے اندر ہے، وہ معرفت حقائق و اسرار کا طالب ہے اس گوہر مقصود کو وہ کاغذ کے نقش و نگار میں ڈھونڈھتا ہے، مگر نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ تو ان واقعات میں موجود ہے جو روزمرہ اس کی نظر سے گزرتے ہیں۔

ایں ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اگر قرآن حکیم کو آپ پڑھتے رہیں تو آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے گوناگوں طریقوں سے تفکر و تدبر اور استبصار و اعتبار کی تاکید فرمائی ہے بعض آیات میں صاف صاف تفکروا و تدبروا فرمایا ہے۔ بعض میں بصیغہ ترجی و امید لعلکم تتفکرون ارشاد ہوا۔ کسی جگہ افلا تتفکرون سے اظہار تعجب و حیرت کیا ہے اور کسی مقام پر لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم اعین لا یبصرون بھا و لھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل سے عدم تفکر کی مذمت و نکوہش کی ہے۔

ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا مگر آج تک ہم اس طرز حکومت سے ناواقف ہیں۔
ہماری حق طلبی اور دادخواہی کا سدرۃ المنتہیٰ شملہ ہے۔ حالانکہ شملہ کو تو آسمان اول سمجھئے جہاں نفاذ کے لئے احکام اترتے ہیں، ورنہ خود احکام کا مصدر تو اس بر اعظم کے پار ہے۔

پھر جب آپ شانِ عبودیت کو ہاتھ سے دیتے ہیں اور رضا و تسلیم کو چھوڑ کے طلب وسوال کے میدان میں آتے ہیں۔ تو کیوں نہ آواز کو اس قدر بلند کیجئے کہ خود عرش تک پہنچے اور وسائط کی ترجمانی سے بے نیاز ہو جائے؟ آپ اس سے کیوں سوال کرتے ہیں جو آپ کو دینے کے لئے خود دوسرے کا محتاج ہے؟ اگر سوال کرنا ہے تو خود اس دوسرے سے کیوں نہ کیجئے۔

آپ مظلوم ہیں اور انصاف چاہتے ہیں، بسم اللہ فریاد کیجئے اگر یہاں آپ کی فریاد رسی نہ ہوگی تو اپنی کوتہ نظری اور پست ہمتی سے یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اس سرزمین میں بھی نہ ہوگی جسے انگلستان کہتے ہیں اور جہاں حق اور مظلوم کی دستگیری معلوم نہیں۔

آپ جب آئینی حکومت کے ماتحت ہیں، اس وقت تک آپ کو فریاد رسی سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ آپ کی صدائے فغاں سچی دادخواہ اگر شملہ کی چوٹیوں سے ناکام واپس آئے تو سمندر کو عبور کر کے ایوان پارلیمنٹ میں غلغلہ انداز ہو۔

مسٹر ظفر علی خاں حادثہ کانپور کے زمانہ میں لندن گئے تھے۔ ابھی تک وہیں مقیم ہیں۔ قیام کے جو نتائج زمیندار پریس کے حادثے کے بعد ظاہر ہوئے ہیں، ان میں ہمارے لئے بہت بڑی بصیرت و عبرت موجود ہے۔

زمیندار پریس کی ضبطی کے تار پہنچنے کے بعد انگلستان کے دو مشہور و معتقد اخبار یعنی "ڈیلی نیوز اینڈ لیڈر" اور مانچسٹر گارجین کے نامہ نگار مسٹر ظفر علی خاں سے ملے اور دونوں اخباروں نے اپنے اپنے کالموں میں اس واقعہ پر نوٹ لکھے۔

لیکن اس سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبروں سے مسٹر جان ڈیلن

اظہار کر دیا جائے۔ لیکن اگر بصیرت کی آنکھوں سے دیکھئے تو وہ ہمارے ماضی و مستقبل کا آئینہ دار
عبر و بصائر کا ایک دفتر ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف گذشتہ نمبر میں اشارہ کر چکا ہوں
اور بعض کی طرف اس مضمون پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

بعض امور ایسے ہیں جن کو میں بار بار کہہ چکا ہوں۔ مگر پھر کہتا ہوں اور اس وقت تک
کہتا رہوں گا۔ جب تک زبان میں قوتِ نطق اور قلم میں قوت تحریر ہے، ممکن ہے کہ ان
کے اعادہ و تکرار میں آپ کو لطف نہ آئے، لیکن اگر آپ لذت جو اور جدت پسند ہیں
تو میں مجبور نہیں کرتا کہ آپ سنیں۔

میں افسانہ گو نہیں کہ ہر بار نیا قصہ سناؤں، میں تو حق و صداقت کا داعی ہوں
جو ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اس کے علاوہ حق و صداقت کی دعوت تو لطف و لذت
کے لئے نہیں بلکہ اصلاح و ارشاد کے لئے ہے پس اگر آپ اصلاح چاہتے ہیں
تو آیئے اور اگر دوا تلخ ہے تو منہ نہ بنایئے کہ:۔

دارو ئے تلخ است دافع مرض

حق و صداقت کا ایک مسکت و قاطع معجزہ یہ ہے کہ وہ جب اپنی آواز
بلند کرتا ہے تو وہ بے اعوان و انصار اور بے ساز و برگ ہوتا ہے مگر زیادہ عرصہ نہیں گذرتا
کہ باطل کی جماعت میں سے ایک گروہ کٹ کے ان کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور یہ گروہ بڑھتے
بڑھتے اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ بالآخر اپنی ابتدائی بے نوائی و کس مپرسی کے باوجود فتح
اور باطل کو اپنی ابتدائی بے سر و سامان و کثرتِ سواد و جماعت کے باوجود شکست ہوتی ہے۔
بالفاظ دیگر اگر آپ حق کے داعی ہیں تو آپ کو اپنی کوششوں میں مصروف رہنا چاہیئے
اور ظلم و عدوان کی زور آزمائیوں سے مرعوب یا شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر حق آپ
کے ساتھ ہے تو ناممکن ہے کہ دنیا آپ کے اعوان و انصار سے خالی ہو۔ وہ وقت ضرور
آئے گا جب آپ کے گرد پرستارانِ حق کی فوج جمع ہو گی اور آپ کو ظلم و عدوان کے پنجے
سے نجات دلائیں گے۔ اس خدائے توانا و قدیر کا وعدہ ہے کہ:۔

ہماری ایک عقل سوز بوالعجبی یہ ہے کہ ہمیں انگلستان کے زیر حکومت آئے

شکستِ صلح

اِصبِرُوْ وَرَابِطُوا

الحمد للہ کہ حلقۂ "زمیندار" کے متعلق ہر طرف سے صدائیں اٹھ رہی ہیں، متعدد مقامات میں جلسے منعقد ہو چکے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ برابر جاری ہے کلکتہ میں "پریس ایسوسی ایشن" کی طرف سے ہندو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان متحدہ جلسہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہونے والا ہے، جو اب تک منعقد ہو چکا ہوتا۔ اگر بعض موانع پیش نہ آگئے ہوتے علی الخصوص کونسل کی شرکت کی وجہ سے مسٹر سریندر ناتھ بینرجی کی پیہم غیر موجودگی جو درمیان کے تمام ایام تعطیل میں پیش آتی رہی۔

غالباً اس جلسہ کے پریسیڈنٹ ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر راش بہاری گھوش ہوں گے۔ اس سے اہم تر اور اصلی کارروائی یعنی دوبارہ اجرا کی سعی بھی برابر جاری ہے اور کارپردازانِ زمیندار کا ایک وفد دورہ کر رہا ہے۔ نواب وقار الملک بہادر قبلہ نے اس بارے میں جو تحریر شائع فرمائی ہے، اور اپنا قابلِ احترام چندہ پیش کیا ہے وہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

لیکن وقت کا اصلی سوال یہیں تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ بدستور باقی ہے:-

بایں کہ کعبہ نمایاں شود زیامیتش
کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ ست

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اردگرد طرح طرح کی مجبوریوں کا حصار پاتے ہیں۔ اور اس لئے صاف صاف زبان میں اصلیت ظاہر نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے مگر میرے

کیر ہارڈی، جوسیا ویجوڈ، ہربرٹ بروز (ایک مشہور سوشیالسٹ) اور فلپ سنوڈن نے خطوط کے ذریعہ سے اظہار تاسف و ہمدردی کے علاوہ یہ وعدہ کیاہے کہ اگر وہ پارلیمنٹ میں کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں تو وہ اس کے لئے تیار ھیں۔

آخر میں پھر کہتا ہوں کہ اس واقعہ کو سرسری نظر کے حوالے نہ کیجئے، کہ اس میں ہمارے لئے عبرتوں اور بصیرتوں کا ایک دفتر موجود ہے۔ اور سعی و عمل کی صدائے دعوت آرہی ہے۔

ہے۔ تو کیا کل کو اس زمین کی حفاظت کرو گے۔ جہاں ایک پامال شدہ پودے کے آثار ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔؟ فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

میں نے ابھی کہا ہے کہ یہ آزمائشوں کی منزل اور قربانیوں کی زندگی ہے اور ایسا ہوگا کہ ایک آزمائش ختم نہ ہوتی ہوگی کہ دوسری شروع ہو جائیگی۔ اب میں زیادہ کھول کر کہتا ہوں کہ گری ہوئی قوموں کے اٹھنے کا اور سونے والوں کے ہوشیار ہونے کا اصلی راز اسی میں ہے وہ جب اٹھنے ہیں تو سلانے والے مثل اس خونخوار شکاری کے جو یکایک اپنے صید گرفتار کو آزاد ہوتا دیکھے، پوری قوت اور کامل تیزی سے تعاقب کرتے ہیں۔ اور پھر یکے بعد دیگرے گرفتاری کی ہر تدبیر عمل میں لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں آزادی اسی کو نصیب ہوتی ہے جو ہمت نہ ہارے اور برابر دوڑتا ہی رہے کیونکہ اگر تھک کر گر پڑے گا تو پھر شکاری کے پنجے سے رہا نہ ہو سکے گا اسے قدم قدم پر دام ملیں گے اور اس کی ہر جست کے ساتھ ایک کمند بھی پھینکی جائیگی اگر کہیں بھی اس کا پاؤں الجھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی رفتار رکی، تو پھر اسے کبھی بھی آزادی نصیب نہ ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے جو شکار ایک مرتبہ چھوٹ کر پھر پھنستا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں زیادہ مضبوط رسیوں سے باندھے جاتے ہیں۔ اس نے خود بیدار ہو کر شکاری کو بھی بیدار کر دیا ہے۔ وتلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون پس اگر آزمائشیں متواتر ہیں، اور مہلت و فرصت مفقود ہے تو اس سے گھبرانا عبث ہے۔ کیونکہ جس منزل سے گزر رہے ہیں وہاں ایسا ہونا لکھ دیا گیا ہے یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ قومی زندگی اور حیات سیاسی کی تعمیر ہے۔ یہاں کام مسلسل اور محنت لگاتار ہونی چاہیئے۔ ایک آزمائش کا جواب ابھی نہیں دے چکو گے کہ ساتھ ہی دوسری صدائے جاں طلبی سنائی دے گی۔ یہاں صرف راحت کے دشمن اور فرصت کے فراموش کار ہی قدم رکھ سکتے ہیں۔ جس کی ہمت دو چار آزمائشوں میں تھک جانے والی ہو۔ اس کی بزدلی کا صرف ایک ہی علاج ہے یعنی راہ سے ہٹ جائے تاکہ اوروں کے لئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے۔

لئے تو اس قسم کی کوئی مجبوری نہیں ہے! پھر میں کیوں خاموش رہوں؟

میرے عقیدے میں ضرورت اور وقت، جب حق کے ساتھ جمع ہو جائیں تو پھر خدا کے اس بنائے ہوئے سقف نیلگوں کے نیچے کوئی شے ایسی نہیں جو اعلان سے کے لئے مجبوری ہو سکے، اور اگر ہو تو وہ تمہارے حس کا قصور ہے۔" اعلان حق کے وجوب کا بطلان نہیں ہو سکتا۔

میں موجودہ حالت کو کبھی بھی ایسی تعبیرات باطلہ سے مخفی نہیں کر سکتا، جس سے اس کی اصلی حقیقت پر پردے پڑ جائیں۔ اگر تم کسی خوں چکاں نعش پر ایک ریشمی لحاف ڈال دو گے، تو کیا لوگ مان لیں گے کہ وہ مردہ لاش نہیں ہے، زندگی کی خواب نوشیں ہے ہاں، جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، آج بھی کہتا ہوں۔

مسلمانان ہند آج اپنی زندگی کی سب سے بڑی مشکل منزل سے گزر رہے ہیں جہاں خطرے بہت اور کمین گاہیں قدم قدم پر ہیں فرصت مفقود ہے اور مہلت نابود بیداری غیر منقطع اور مستعدی پیہم چاہیئے۔ یہ ایک دائمی آزمائش کا مرحلہ ہے جہاں سکون ایک دم کے لئے بھی میسر نہیں۔ ایک آزمائش ختم نہ ہو گی تو دوسری آزمائش شروع ہو جائیگی۔ یہ جاں نثاری کی زندگی اور قربانی کی بستی ہے۔ یہاں زندگی اسی کے لئے ہے جس کا دل قربانی کے ہر سوال کا جواب دے اور جس کا ہاتھ بخشش و نثار سے کبھی بھی نہ تھکے۔ حتیٰ کہ لینے والے لیتے لیتے تھک جائیں پر دینے والوں کو لٹنے اور قربان ہونے سے سیری نہ ہو!

سخت جانی تو نہ ہمت ہار ہو ہنگام قتل
دیکھنا ہے، زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جنگ کی اصلی گھڑیاں وہی ہوتی ہیں جب مقابلہ شروع ہوتا ہے، اور درخت جب تک ابتدائی نشوونما کے مرحلے میں ہے، اسی وقت تک دیکھ بھال کی ضرورت ہے مسلمانوں کی کشاکش حیات کا معرکہ شروع ہوا ہے، بیداری کے بیج نے ابھی صرف چند نازک شاخیں ہی پیدا کی ہیں، پس اگر آج اس کی حفاظت نہ کی گئی جبکہ وہ پیدا ہوا

یہاں بھی اور انگلستان میں بھی جلسے ہونے چاہئیں۔ قانونی پہلو سے بکثرت بحث کرنی چاہیئے۔ یکے بعد دیگرے باوجود ناکامی، کونسل میں باشکال مختلف اسی سوال کو چھیڑتے رہنا چاہیئے۔ اور آئندہ موسم قابل و کارکن آدمیوں کو انگلستان میں بسر کرنا چاہیئے۔

(۲) زمیندار کو بہر حال بہت جلد دوبارہ جاری کرنا چاہیئے، خواہ کل کو وہ پھر بند ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ زندہ آدمی ٹھوکر کھا کر گرتا ہے۔ مگر پھر اٹھتا ہے، دس مرتبہ گرے گا تو دس مرتبہ اٹھے گا بھی۔ لیکن کسی لاش کو اٹھا کر کھڑا بھی کر دو تب بھی کھڑی نہ رہ سکے گی۔

قومی جد و جہد حیات کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔

(۳) بہتر تو یہ تھا کہ چندہ نہ ہوتا بلکہ ایک کمپنی قائم کیجاتی، لیکن چندہ ہو رہا ہے اور اس کی تکمیل میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ تاکہ جہاں تک جلد ہو سکے "زمیندار" جاری ہو جائے۔ یہ زمیندار نامی ایک اخبار کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ہے کہ مسلمان جو چاہتے ہیں اس کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

امر اول کے متعلق کوششیں ہو رہی ہیں مگر اصل کام باقی ہے۔ میں نے پچھلے دنوں پریس ایسوسی ایشن کی تحریک کی تھی وہ قائم بھی ہو گئی لیکن اس وقت تک اپنی مجوزہ کانفرنس منعقد نہ کر سکی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ پوری قوت اور جمع اسباب کے ساتھ کام شروع ہونے والا ہے۔ مگر افسوس کہ میں تعداد امور و اشتغال کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گیا ہوں اور اب صرف ایک ہی کا ہو کر رہ سکتا ہوں ـــ!

امر دوم یعنی اجراء زمیندار کے لئے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ لاہور میں جو نیا ڈکلریشن دیا گیا تھا اس پر دس ہزار روپیہ ضمانت طلب ہوئی ہے۔
دہلی میں ایک جلسہ ہوا اور پانچ ہزار تک زر اعانت کی فراہمی کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

گریز دا ز صفِ ما ہر کہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

تم سوتے سوتے اٹھے، تو دیکھو! تمہارے لئے بھی پیہم آزمائشیں شروع ہو گئیں سب سے پہلے طرابلس کا واقعہ آیا۔ پھر جنگ بلقان شروع ہو گئی۔ اس کے بعد کانپور کا ورق خونیں الٹا اور مسجد مقدس مچھلی بازار کا حادثہ پیش آیا۔ اس میں فی الحقیقت مدعیان حیات کے لئے بڑی ہی آزمائش تھی۔ تم ان سب سے کسی نہ کسی طرح گزر گئے اب تم نے چاہا تھا کہ کچھ دیر کے لئے ستا لیں:۔

یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

لیکن آزمائش کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاید اس موسم میں تیز و تند ہوائیں زیادہ چلیں اور آندھیوں اور طوفانوں کا بھی زیادہ زور ہو۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی صدائے ہمت آزما "زمیندار پریس" لاہور کا واقعہ ہے۔

فہل من مجیب

"زمیندار پریس" کے واقعہ کو اس کی اصلی روشنی میں دیکھنا چاہئیے۔ وہ نہ تو زمیندار نامی ایک اخبار کا مسئلہ ہے اور نہ ہی کسی فرد واحد کا۔ بلکہ اصولاً قانون کے بیجا استعمال اور جبر و تشدد کے ذریعہ موجودہ تحریک کے مقابلہ کا سوال ہے۔ فرض کرو کہ یہ سلوک زمیندار کے سوا کسی دوسرے اخبار کے ساتھ کیا جاتا جب بھی مسئلہ کی صورت بعینہ وہی ہوتی جواب ہے۔ البتہ زمیندار کی مخصوص حالت نے واقعہ کو زیادہ اہم اور موثر بنا دیا ہے۔

میں یہ نہیں جانتا کہ کل کو کیا ہو گا۔ مگر بتلا سکتا ہوں کہ کام کرنے والوں کے لئے ترتیب عمل کیا ہونی چاہئیے۔؟

(۱) یہ مسئلہ دراصل پریس ایکٹ کا مسئلہ ہے اور جب تک حاتم طائی کے قصہ کا دیو زندہ ہے اس وقت تک جنگل کے ہر مسافر کو ہلاکت کیلئے آمادہ رہنا پڑے گا۔ پس پریس ایکٹ کے متعلق آخری مرتبہ ایک متحدہ جدوجہد کی ضرورت ہے

حق و باطل

دیلونا کی اردو کانفرنس میں ہز ایکسی لینسی گورنر بمبئی نے مسلمانان ہند کے موجودہ مسائل پر جو تقریر کی، ہم نے گذشتہ ہفتہ پڑھی تھی، اور قلت گنجائش کی وجہ سے اس کا تذکرہ اس ہفتہ کے لئے اٹھا رکھا تھا، لیکن دیکھتے ہیں تو آج بھی اس کا موقع نہیں۔

یہ ایک نہایت دلچسپ تقریر تھی، ہز ایکسی لینسی گورنر بمبئی کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ملکوں سے پرانی دلچسپی ہے اور وہ جب کبھی ان کی نسبت کچھ کہنا چاہتے ہیں تو عموماً گہری دلچسپی کے لب ولہجہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

انہوں نے اپنی تقریر کے اکثر حصوں میں مسلمانوں کی موجودہ حالت کو امید افزا بتلایا ہے، ترقی تعلیم و تربیت کی جو حرکت ہر طرف پیدا ہوگئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، مسلم یونیورسٹی کا خیال ان کی رائے میں اس کا ثبوت روشن ہے اور اب مسلمانوں کو جلدی کی گھبراہٹ کی جگہ، صبر کا انتظار کرنا چاہیئے، آخر میں انہوں نے نصیحت کی ہے۔ کہ ہمیشہ گورنمنٹ اور ہمسایہ اقوام کے ساتھ مل کر کام کیجئے، آپ ہم پر ہر اس کام کے لئے بھروسہ کر سکتے ہیں جو دنیا کی قوموں کے مقابلہ کے لحاظ سے ہم انجام دے سکتے ہیں۔"

اس مشفقانہ نصیحت کے لئے ہم ہز ایکسی لینسی کے ممنون ہیں۔ لیکن افسوس کہ نصیحت گوئی نفر قیمتی ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے۔ کہ بازار میں اب پیشتر کا تیز نرخ باقی نہ رہا ہز ایکسی لینسی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم اس نصیحت پر برابر نصف صدی سے

اس وقت دو قوتیں باہم دگر مقابل ہیں۔ ایک زمینداری کو بند کر چلی ہے۔ دوسری دوبارہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ پہلی کے پاس قوت ہے، دوسری کے پاس حق۔ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں کون کامیاب ہوتا ہے۔

واللہ یویّد بنصرہٖ من یشاءُ ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یومنون۔

لیکن جدید فن اخلاق کے ماہرین کہتے ہیں کہ گو یہ سچ ہے مگر ان دونوں کے درمیان ایک برزخی اور بین بین راہ بھی ہے اور وہی ہم کو بھی اختیار کرنی چاہیئے، اسی میں فلاح اور اسی میں ہر دل عزیزی ہے، کفر و اسلام، دونوں کو ساتھ لیجئے، بت پرستی و توحید دونوں کو دل میں رکھئے اہرمن اور یزداں، دونوں کو رام کیجئے، ایک ہی طرف کیوں جھکئے۔ جب دونوں دروازے کشادہ ہو سکیں؟ صرف کعبے ہی کے کیوں ہو رہیئے جب بتکدے سے بھی رسم و راہ قائم رہ سکے؟ نؤمن ببعض، ویریدون ان یتخذو بین ذالک سبیلا۔

معشوق ما بشیوۂ ہرکس موافق ست
با ما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

ہم اپنے بعض پاک باطن مگر ظاہر آلود دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ بھی زبان سے ہمیں اسی تعلیم کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اخلاق کے بعض دلچسپ پیرائے نوک زبان ہیں اور کہتے ہیں کہ حق گوئی سے مانع نہیں، لیکن اگر حق گوئی کا حق اس طرح ادا ہو سکے کہ باطل کا دل بھی ہاتھ میں رہے تو اس میں کیا مضائقہ؟ ایک زمانہ کو خواہ مخواہ دشمن بنا لینا کون سی عقلمندی کی بات ہے؟

اس میں شک نہیں کہ ان تعلیمات میں نفس انسانی کے لئے بڑی سخت کشش ہے، ہر دلعزیزی اور ممدوح خلائق ہونا کسے پسند نہیں؟ ہم ضرور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں تو کوئی تیسری راہ سامنے نظر نہیں آتی۔ جس راہ پر چلا کر زمانہ سمجھ رہا ہے کہ دونوں راہوں کا برزخ اس کے قدموں کے نیچے ہے وہ فی الحقیقت نفس شریر کے خدع و فریب کا ایک کیمیائی کرشمہ ہے ورنہ یہ گلیاں بھی بالآخر اسی شاہراہ میں جاکر پڑتی

عمل کر رہے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ گورنمنٹ پر اعتماد کیا۔ اور اس اعتماد کے لئے جس جس قربانی کی ضرورت ہوئی، کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی اعتماد کی خاطر ہم نہ صرف اپنے بائیس کروڑ ہمسایوں کے بلکہ خود اپنے بھی دشمن رہے۔ اور ایک کی خاطر سارے جہاں کی دشمنیاں مول لے لیں، کونسی قیمتی سے قیمتی شے ہمارے لئے ہو سکتی تھی جو ہم نے اس نصیحت پر نثار نہ کر ڈالی؟ ہم نے گورنمنٹ کی چوکھٹ پر سجدے کئے ہیں۔ اور اس کے ابروئے بے مہر کو ہمیشہ خواب عبادت یقین کیا ہے لیکن۔

مگر در خدمتت عمر لیست در بستم چہ شد۔ قدرم
برہمن می شدم گر ایں قدر زنار می بستم

ہماری عاشقانہ نیاز مندیوں کا ہمیں جو جواب ملا، وہ ابھی اتنا پرانا نہیں ہوا ہے کہ دہرانے کی ضرورت ہو۔

ہز ایکسی لینسی کی نصیحت یقیناً محبت اور ہمدردی سے خالی نہ ہوگی، مگر ان کو ہم بدبختوں کی دل کی تپش کیا معلوم؟ حکومت کے بستر پر لیٹ کر مشکل ہے کہ تکاپو کی خاک پر لوٹنے والوں کا درد سمجھا جا سکے ان کی معذوری واضح ہے۔

زدامنے کہ کشادیم ماتہی دستاں
تو میوہ سر شاخ بلند را چہ خبر

ملکہ سبا کی زبانی کیسا اٹل قانون قرآن کریم نے سنا دیا۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذالک یفعلون۔

ہمارے سامنے تو صرف دو ہی راہیں ہیں۔ من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔ کفر اور اسلام، شرک و توحید، نور و ظلمت، صداقت و کذب، حق و باطل ہر شخص مختار ہے کہ دونوں میں سے ایک اختیار کر لے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔

ہیں تو خدا کے لئے ہمیں سمجھائیے کہ پھر نفاق اور منافقی کی خصوصیات اور کیا ہیں؟ اگر ایک بات سچ ہے تو اس کو صاف صاف کہہ دیجئے اگر کچھ لوگ برے ہیں تو کھول کھول کر ان کی برائی بیان کر دیجئے، بری باتوں کے اظہار کے لئے اچھے لفظ اختیار کئے جائیں؟ بد اعمالوں کو کیا حق ہے کہ نیک کرداروں کے حقوق کا مطالبہ کریں؟ اگر یہ طریقہ پسند نہیں تو پھر بتوں کو آستین میں چھپانے کی جگہ بہتر ہے کہ سر پر جگہ دیجئے ظاہر و باطن میں مطابقت، جھوٹ میں بھی ہو تو سچائی سے خالی نہیں

بس کافر ست زاہد از برہمن ولیکن

او را بتست در سر او را آستین نہادہ

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کڑوی سے کڑوی دوا پی لیں گے مگر شرط یہ ہے کہ شربت کہہ کر پکار دیجئے دوا کا نام زبان پر نہ آئے کہ اس سے ہمیں سخت چڑ ہے خیر اگر آپ موہنہ بنانا چھوڑ دیں تو البیا کرکے بھی دیکھ لیں گے مقصود دوا پینے سے ہے نہ کہ چڑانے سے، مگر براہ کرم توقف ہی فرمائیے کچھ عرصہ تک تو دوا کا نام سننا ہی پڑے گا آپ نے چالیس برس تک شہد و شکر سے کام و زبان کو لذت بخشی دو چار دن کڑوی کسیلی دواؤں کا تذکرہ سن لیجئے گا تو کیا حرج ہوگا؟ عجب نہیں کہ چند دنوں میں سنتے سنتے آپ کی وحشت بھی کم ہو جائے اور پھر ایسے عادی ہو جائیں کہ شربت بھی ملے تو دوا کہہ کر منہ سے لگائیں۔

ہیں۔ اسلام اور حق و صدق مرادف الفاظ ہیں اس کی راہ تو ایک ہی ہے اور ایک باریک خط جس کے ادھر اُدھر قدم ٹکانے کا کوئی سہارا نہیں اگر قدم کو ذرا بھی لغزش ہوئی تو پھر یقین کیجئے کہ آپ کے لئے کفر و باطل کے سوا اور کوئی شاہراہ نہیں ہے، نفاق کی مقبول عام گلی بھی اسی شاہراہ کی ایک شاخ ہے، یا پھر نام بدل گئے ہیں اور راستہ ایک ہی ہے، کفر سے تعبیر کیجئے یا نفاق سے۔ سچ ہمیشہ سے ایک ہی جگہ اور ایک ہی شکل میں رہا ہے جب ملے گا تو وہیں ملے گا، اور راہوں اور شکلوں میں ڈھونڈھنا لا حاصل ہے .... آپ سے پہلے تیرہ سو برس ہوئے ایک بڑی جماعت تھی جس نے اسی گوشے میں پناہ لینی چاہی تھی مگر خدا نے فرمایا

ان المنافقین یخادعون اللہ، وھو خادعھم...
مذبذبین بین ذالک لاالی ھاولاء الی ھاولاء

(حق) اور (باطل) دونوں آپ کے سامنے ہیں، انہی میں کسی ایک کو پسند کر لیجئے اگر حق کی راہ اختیار کی ہے تو پھر مصلحت پیرایہ بیان طرز اور الفاظ شہد نما و معانی زہر آلود اور اسی قبیل کی تمام باتوں کے لئے نفاق کے سوا اور کوئی لقب نہیں، سچ کہئیے گا تو جھوٹ کو چوٹ لگے ہی گی اس کو بچانے کی کوشش نہ کیجئے، ورنہ آپ کفر سے زیادہ دنیا کے لئے مہلک ہیں، نرمی و آشتی حسن ادا پیرایہ بیان مصلحت بینی، اور مقتضیات زمانہ کے اگر یہی معانی ہیں جو بتلائے جاتے

بیکاری

پہلے شکایت کی جاتی تھی کہ آپ طرابلس سے نکل کر اپنی سرزمین میں آتے ہی نہیں، اب آئے ہیں تو شکایت کی جاتی ہے کہ اس طرح دوڑتے ہوئے تو نہ آئیے

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را

غرض یہ ہے کہ برسوں تک بیٹھے بیٹھے پاؤں شل ہو گئے ہیں عرصہ کے بعد قدم اٹھے ہیں تو ذرا دوڑنے دیجئے کہ خون میں حرکت تو پیدا ہو اب آہستہ خرامی کا وقت نہیں ہے ساتھ کے چلنے والوں کی گرد پا کا بھی سراغ نہیں ملتا اور آپ کی نصیحت ہے کہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر چلئے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

بعض ناصح ہمدرد دانہ کہتے ہیں کہ راہ باریک اور ہر طرف تاریکی ہے خوف ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ لیکن ہماری تیزی بھی اسی لئے ہے کہ تاریکی نے راہ کو خطروں سے بھر دیا ہے اس لئے دوڑنا چاہتے ہیں کہ بن پڑے تو آگے نکل کر چراغ دکھلائیں، رہا ٹھوکر کھانے کا خوف تو اس کی پروا نہ کیجئے، اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کی جگہ دوڑ کر ٹھوکر کھانا بہتر ہے آپ کریں گے تو کم از کم کچھ شور و غل تو ہوتا رہے گا۔ عجب نہیں کہ بعض خفتگان غفلت چونک پڑیں لیکن پڑے رہنے سے تو آپ کی بے ہوشی بھی بڑھتی جائے گی اور سونے والوں کو بھی بیداری کی کروٹ نصیب نہ ہوگی۔"

مشکل یہ ہے کہ لوگ تیشے کی ضرب کی سختی کو دیکھتے ہیں مگر اسے نہیں دیکھتے کہ عمارت کی بنیاد بھی تو برسوں کی پرانی ہے اگر کسی پرانی بنیاد کو اکھاڑنا مقصود ہو تو اس پر ابتدا کی ضربیں سخت سے سخت لگائیے۔ جب جڑ ہل جائیگی تو پھر آپ کو اختیار ہے انگلیوں سے مٹی ہٹا کر اینٹوں کو ایک ایک کر کے اٹھا لیجئے گا۔ لیکن اگر پہلی ضرب ہی سست پڑی تو پھر برسوں میں بھی نئی عمارت کے لئے جگہ صاف نہ ہو سکے گی، یہی سبب ہے کہ عام اس وقت اپنے کاموں کے لئے سخت سے سخت سختی کو بھی نرمی سمجھتے ہیں۔ جہاں تک کا ندھوں میں زور رہے جلد جلد ضربیں لگاتے جائیے زمانہ کا سیلاب بھی آپ کی مدد کے لئے تیزی سے امڈ آ رہا ہے اگر آپ نے اپنا کام پورا کر دیا تو پھر آپ کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہے یہ سیلاب خود بنیاد کی مٹی تک بہالے جائے گا۔"

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

یہ قصہ کئی ماہ تک جاری رہا، اور اب تک جاری ہے، کیکر سنگھ نے غلام پہلوان سے عاجز آکر اس کی کنپٹی پر مکہ کی ایک سخت ضرب لگادی تھی، اسی طرح یہ رقم و کاغذ کے پہلوان جب عاجز آجاتے ہیں، تو پھر ایک دوسرے کو گالیاں دینا شروع کردیتے ہیں، فحش اور مغلظات سے بھی انہیں دریغ نہیں۔ ایک اپنے حریف سے پوچھتا ہے کہ وہ زمانہ بھی یاد ہے جب کالج میں پڑھتے تھے؟ دوسرا کہتا ہے کہ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ورنہ میں تمہارا فلاں راز فاش کردوں گا، اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کو چور اور ڈاکو بتلاتے ہیں ایک کہتا ہے کہ تم نے طرابلس کے نام پر روپیہ کھا لیا، دوسرا کہتا ہے کہ فرضی کمپنیاں بنا کر قوم کو لوٹ لیا۔ یہ حالت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہے بلکہ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں، ہندو اور آریہ اخبارات کو کھولئے تو وہ بھی ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے شریفانہ شغل ہی میں خوش ہیں۔ بدبختو! صرف تم ہی ذلیل نہیں ہو، بلکہ تمہاری تمام قوم اور لیڈر اور ملک ذلیل ہے جس قوم پر خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے، پہلے اس سے حکومت چھین کر غیروں کو اس پر مسلط کردیتا ہے بنی اسرائیل نے جب خدا سے منہ موڑا تو ان پر ایک باہر کی قوم بھیج دی گئی

بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید

پھر ہم نے تم پر ایک سخت و شدید قوم کو مسلط کردیا۔

جب اس پر بھی باز نہیں آتے تو پھر فسق و فجور، حسد و حقد، ہوا پرستی و نفسانیت، نااتفاقی و بیگانگت میں ان کو مبتلا کردیتا ہے، خود ہی کٹتے ہیں اور خود ہی مرجاتے ہیں

وما اھلکنا قریۃ الا واھلھا ظلمون۔

اور ہم کسی آبادی کو تباہ نہیں کرتے مگر اس وقت جبکہ وہ ظلم و معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

زندہ دلوں کا وطن

یہ مانا کہ کسی ملک کی آب و ہوا جسم انسانی کے لئے کوئی خاص اثر رکھتی ہو مگر
یہ تو کچھ ضروری نہیں کہ ایک سرزمین کا اخلاق بگڑنے پر آئے تو پورے خطے کی حالت
یکساں بگڑ جائے ہم عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ پنجاب کے اخبارات گو خریداروں
کے پیدا کر لینے اور نئے نئے کارخانوں کے چلا لینے میں ترقی کر رہے ہیں، مگر ان
کا اخلاقی تنزل نہایت درد انگیز ہے کل کی بات ہے کہ زمیندار اور وطن میں
جوتی پیزار ہو رہی تھی اور جس طرح پنجاب میں پہلوانوں کے دنگل ہوا کرتے
تھے اسی طرح دونوں پہلوان ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے ——
زمیندار کا صرف یہ قصور تھا کہ تھوڑے دنوں کے اندر ہی اس کی اشاعت
پرانے اخباروں سے کیوں بڑھ گئی ہے اور کیوں وہ لاہور کے چند دولت مندوں
کی پرستش سے انکار کرتا ہے؟ انسان کے تمام قصور معاف ہو سکتے ہیں مگر
ایک دوکاندار اس شخص کو تو کبھی معاف نہیں کر سکتا جس نے اس کے سامنے
کی جگہ خالی دوکان پر قبضہ کر کے راہ کے خریداروں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔
ہمارے عقیدے میں یہ نتائج صرف اس بات کے ہیں کہ پنجاب میں تجارت
کی ترقی نے بالعموم دوکاندارانہ اخلاق پیدا کر دیا ہے اور اغراض پرستی کی
ہوائیں سب چل رہی ہیں، تجارتی زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ شب و روز
باہم تصادم و تسابق ہو، اور ملکوں میں ایسے موقعہ پر تجارت ہی کے میدان میں پیچ
لڑائے جاتے ہیں مگر یہاں یہ تدابیر اختیار کی گئی ہے کہ تلوار کی جگہ قلم کا وار کر کے
پھر باطمینان حریف کی دوکان لوٹ لی جائے۔"

اصبروا و رابطوا

یہ بحث عام طور پر کی جا رہی ہے کہ جب وزیر ہند کا فیصلہ مسلم یونیورسٹی کی امیدوں کے خلاف صادر ہو چکا ہے تو اب یونیورسٹی لی جائے یا نہیں؟ باستثنائے بعض اشخاص عام پبلک کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ نہ لی جائے، اس کے بعد اب اس پر بحث شروع ہوئی ہے کہ نہ لی جائے تو روپے کو کیا کیا جائے؟ اس کے جواب میں بھی مختلف رائیں ظاہر کی جا رہی ہیں اور بظاہر قوم کا رجحان اس طرف بڑھ رہا ہے کہ اس روپے کو کسی زیادہ وسیع النفعت کام میں لگا دیا جائے۔

ہم ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کریں گے کہ عام پبلک کو اپنے خیالات کے اظہار سے کسی عنوان بھی روکا جائے اس قسم کے کاموں کے لئے فی الحقیقت اصلی حق رائے دہی عام پبلک ہی کا ہے اور اگر اس کو نہیں ہے تو پھر کسی کو نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کاموں میں اگر تقدیم و تاخیر کی قدرتی ترتیب قائم رکھی جائے تو بہتر ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک مرتبہ اس کا فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ آیا انہوں نے اپنے اندر عام قومی رائے کی قوت پیدا کر لی ہے۔ اور وہ اس کے لئے پورے طور پر مستعد ہو گئے ہیں کہ ایک متفق اور متحد عام آواز قائم کر کے کارفرما طبقے کو تعمیل پر مجبور کر دیں؟ اگر اس کا جواب اخباروں کے صفحوں پر نہیں، بلکہ دل کے صفحوں پر اثبات میں ملے تو پھر یہ روح ملی کے عود کرنے کی پہلی تاریخ ہو گی۔ اس وقت قوم کو چاہیئے جو اس کی رائے میں آئے اور جس خیال پر سب متفق ہو جائیں اس پر جم کر کھڑی ہو جائے اور وہی کر گزرے جو اس کی رائے میں بہتر ہو لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو صرف چند دنوں کے لئے اخبارات میں گرمی طبع

ہم اپنے معاصرین سے بہ منت التجا کرتے ہیں کہ خدا کے لئے اپنی ملت پر نہیں تو خود اپنے اوپر رحم کریں، اور مسلمانوں کی موجودہ ذلت و رسوائی پر قناعت کرلیں۔ نفسانیت و خود پرستی کی حد ہوگئی ہے اور خدا کی طرف سے سب نے منہ موڑ لیا ہے تعجب ہے کہ ساری دنیا آپ پر ہنس رہی ہے اور آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اوپر رونا نہیں آتا۔؟ ملک و ملت کی خدمت شاید اس طریقے سے الگ ہو کر بھی کی جاسکتی ہے، یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ جب تک آپ ایک دوسرے کو چور ثابت نہ کرلیں گے، اس وقت تک آپ کی زیر اصلاح قوم آپ کو اپنا امین نہ سمجھے گی۔

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

ہم نے ادھر ارادہ کر لیا تھا کہ ہر طرف سے کان بند کر کے صرف اپنے خیالات و مقاصد کی اشاعت میں مصروف ہو جائیں، مگر کیا کریں، اس قسم کے ہفوات و زٹیات کو سن کر اپنے اندر اصلاً ضبط کی طاقت نہیں پاتے اور مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو قومی خدمت کا نام لیتے ہیں، مگر عملاً اسلام کی اصلی روح و قوت کو مٹانا چاہتے ہیں، قرون اولیٰ میں جب ایک راہ چلتی بڑھیا خلیفۂ اعظم کو سر راہ ٹوکتی تھی تو کیا اس سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ خود تو نے بیت المال میں کتنا روپیہ داخل کیا ہے؟ جب مسجد نبوی میں ایک شخص فاروق اعظمؓ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے روک دیتا تھا، تو کیا بتلایا جا سکتا ہے کہ اس سے اسلامی معاملات پر حق رائے دہی کا ٹکٹ مانگا جاتا تھا؟ علی گڑھ کالج کی تاریخ کو رٹ لینا اور اس کے ایڈریسوں اور والسرائے اور گورنروں کے جوابوں کو حفظ کر لینا دوسری شے ہے اور اسلام کو جاننا دوسری شے ہے۔ یہ کیا کفر آمیز استبداد و تحکم ہے جس کی زنجیریں برسوں سے قوم کے پاؤں میں ڈالی جا رہی ہیں؟ غریب مسلمان ایک کھیلنے کا گیند بن گئے ہیں، جس نے چاہا لیڈری کی ایک ٹھوکر لگا دی، اور اپنی طاقت کی نمائش کر دی آخر ان برخود غلط نا دانوں نے اسلام اور اسلام کے پیرؤوں کو کیا سمجھ لیا ہے؟

ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا، ان تتبعون الا الظن، وان انتم الا تخرصون۔	آیا تمہارے پاس کوئی اور علم شریعت ہے جو تم دکھا سکتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں، صرف اپنے نفس کے واہموں پر چلتے ہو، اور خالی اٹکلیں دوڑاتے ہو۔

کاش یہ معاصرین جس عقیدت و نیاز مندی سے علی گڑھ کالج کے ایڈریسوں کے مجموعے کی تلاوت کرتے ہیں اس کے عشر عشیر توجہ سے کبھی قرآن اور تاریخ قرآن کو بھی پڑھ لیتے۔

یونیورسٹی اگر مسلمان کی ہے اگر ان کے روپیہ سے بنائی جا رہی ہے اور اگر

کی نمائش کرنا لا حاصل ہے اور نیا موسم عنقریب آنیوالا ہے بہتر ہے کہ کل جو نتیجہ نکلنا ہے وہ آج ہی نکل آئے، جہاں برسوں تک اپنے جوش اور روپے کی قسمت لیڈروں کے ہاتھ میں دے چکے ہو، وہاں ایک یونیورسٹی کا مسئلہ اور سہی جس طرح اور جن شرطوں پر ان کا جی چاہے لینے دو۔ البتہ آئندہ کے لئے کوشش کرو کہ تمہارے اندر اسلام کے معتقدات اور اعمال کی اصلی روح پیدا ہو جائے اگر تم نے ایسا کر لیا، تو تم میں سے ہر فرد ایک زندہ مسلم یونیورسٹی ہوگا جس کو علی گڈھ کی چونے اور اینٹ کی بنی ہوئی یونیورسٹی کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اصلی یونیورسٹی ایک مسلمان کا مومن قلب ہے، جو چاہے تو سارے عالم کو اپنے مرکز سے ملحق کرلے۔

حب الدنیا راس کل خطیئۃ

بعض اشخاص کی رائے ہے کہ جو لوگ یونیورسٹی کے روپے کے بارے میں رائے دے رہے ہیں پہلے بتلائیں کہ انہوں نے خود کتنا چندہ دیا ہے؟ ورنہ انھیں رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کی بعض جماعتیں دولت کو پوجتے پوجتے اب اس درجہ فنا فی المعبود ہوگئی ہیں کہ انہیں روپے کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

آخر ایں صفرا بہ سودا می کشد

یہ سب نتائج اس جماعت کے عملی الحاد اور اسلام سے بیگانگت کے ہیں بالعجب! آج ایک مسلمان کو باوجود دعائے اسلام و توحید یہ کہتے ہوئے کوئی ندامت نہیں رہی کہ پیروان اسلام کے مفاد پر بحث کرنے کا صرف ایک محدود گروہ کو حق حاصل ہے اور جس نے ہماری چندے کی مٹھی نہیں گرمائی اسے زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں؟ سبحانک ھذا بہتان عظیم

فان لم تستطع فبلسانہ، فان لم تستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان

اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اس کی برائی ظاہر کر دے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو خیر دل ہی دل میں اسے برا سمجھے، مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے۔

نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس روایت کو لیا ہے اور نسائی کی روایت میں ہر صورت کے بعد "فقد بری" کا لفظ بھی موجود ہے کہ اگر اتنا بھی اس نے کر دیا تو اپنے فرض سے بری ہو گیا۔

اس کے بعد خود آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کا طرز عمل ہے، اس کا یہ حال ہے کہ نہ صرف خلفائے اربعہ، بلکہ خود مہبط وحی اور مصداق "وما ینطق عن الہوی" کے سامنے صحابہ بے دھڑک اپنے اعتراضات و شبہات پیش کرتے تھے، اور ان کی جرات افزائی کی جاتی تھی، حضرت عمرؓ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جس سختی سے اپنا اعتراض پیش کیا تھا وہ ہر تاریخ میں مل سکتا ہے۔

خلفائے اسلام کا اس بارے میں جو طرز عمل تھا، وہ آجکل بار بار دہرایا جا چکا ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس شخص کا جی چاہتا تھا۔ "واللہ ما عدلت یا عمر" کہہ کر سر راہ ٹوک دیتا تھا اور وہ اس سے خوش ہوتے تھے، کہ اسلام اور عربی خون کی آزادی کا اصلی جوہر ہے البتہ بنی امیہ نے اس روح حریت کو غارت کیا اور لوگوں کی زبانوں پر تلوار کی ضرب سے مہر لگا دی۔

یا سبحان اللہ! جس قوم کے ہر فرد کو سید المرسلین کے جانشینوں سے بیت المال کے حساب لینے کا حق تھا، اور وہ جب چاہتے تھے خلیفۂ اسلام کی دیانتداری کو جانچ سکتے تھے آج ان کو کہا جاتا ہے کہ ان لیڈروں کے آگے

مسلمانوں میں اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی باقی ہے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک نو مسلم چمار جس نے ایک چھوٹی کوڑی بھی کبھی لیڈر دل کے سپرد نہیں کی ہے یہ حق رکھتا ہے کہ بلا استثنا ہر اسلامی اور قومی معاملے کی نسبت رائے دے، اور اگر لیڈر مسلمانوں کے لیڈر رہیں تو مجبور ہیں کہ اس کی آواز پر کان دھریں یہ حق ہر فرد لا الہ الا اللہ کو حاصل ہے اس میں تمہاری بنائی ہوئی شرطوں کو کوئی دخل نہیں چندہ دینے یا نہ دینے کا کوئی سوال نہیں، یہ حق خدا کا، اس کے قرآن کا، اور اس کے رسول کریم کا دیا ہوا ہے، پھر کیا تم میں کسی کو طاقت ہے جو اسے چھین لے؟

اسلام کی رُوح حرّیت

اس بارے میں اسلام کی تعلیم اور اس کے نظائر بالکل صاف اور غیر مشتبہ ہیں اسلام نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے اور اس اصول کو عمدۂ دین متین واکبر ساعین قوام ملت سے قرار دیا ہے بلکہ اصلی شرف و امتیاز ملت مرحومہ (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر) احادیث کو دیکھا جائے تو منجملہ صدہا احادیث کے ایک مشہور حدیث (صحیح مسلم) میں ہے جس کو (ابوسعید) خدری نے روایت کیا ہے۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم	تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف شرع بات دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اس کا انسداد کرے

قوم کے روپے کی نسبت کوئی رائے نہ دینے دی جس کو اور تو اور آج تک اسلام کے عام احکام صوم و صلوٰۃ پر بھی عمل کرنے کی توفیق کبھی نہیں ملی!! فما لہٰؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی خاموشی اور غلط اصول اعتماد سے کام کرنے والوں کو جس مطلق العنانی کا عادی بنا دیا تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ خود کام کرنے والے تو اب اس طرح کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے، ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو قوم کی مداخلت کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن یہ ان کے خواہ مخواہ کے دوست اس طرح کے خیالات ظاہر کرکے پبلک میں لیڈروں کو اور زیادہ بدنام کر رہے ہیں؛